مذہب اور سائنس کی رزم و بزم

مصنفہ

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ

فیلو الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد سابق

پروفیسر ورنیکولر سائنس اینڈ لٹریچر

میور سنٹرل کالج الہ آباد

سنہ ۱۹۰۱ء

در مطبع احمدی دہلی طبع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مذہب اور سائنس کی رزم و بزم کے تاریخی حالات

ہماری زبان مین سائنس کا لفظ ایسا کثیر الاستعمال ہوگیا ہے کہ اب کچھہ ضرورت نہین رہی کہ اسکا ترجمہ علم یا حکمت یا فلسفہ یا معرفت کیا جائے - یہ الفاظ اس کے ہم معنی یا قریب المعانی ہین - ہر ایک کے معانی ہمنے علوم طبعیہ شرقی و غربی کے رسالہ مین لکھہ دئے ہین +

بعض اہل دانش یہ فرماتے ہین کہ مذہب و سائنس مین قدرتی عداوت اور بالطبع بیر ہے انکو مصالحت کرا کے ہم بزم بنانا ہوا کا بونا اور بگولے کا پھل پانا ہے - مذہب مستقل ایمان انسان مین قائم کرتا ہے جسمین کبھی تغیر نہین ہوتا وہ اپنی جگہہ سے نہین ہلتا - سائنس مین ہمیشہ تغیر ہوتا ہے وہ ترقی کے لئے آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے - مذہب اپنی حکومت کے آگے دوسرے کی حکومت دیکھہ نہین سکتا سلطنت پر بھی متسلط ہونا چاہتا ہے اور اسکی مساوات کو بھی اپنے ساتہ روا نہین رکھتا سائنس کبھی سلطنت سے اتحاد پیدا کرنا نہین چاہتا وہ نیچر پر ایسی فرمان روائی چاہتا ہے جس مین سوائے بہبودی خلائق کے کچھہ اور نہین -

مذہب سلطنت کو اپنا حامی یا خدمت گار بنا کر سائنس پر حملہ کرتا ہے اہل سائنس کا سر چلتا ہے یا انکا گھر بار لوٹتا ہے جیلخانہ مین ڈالتا ہے - جلا وطن کرتا ہے - دار پر کھینچتا ہے - سائنس یہ ظلم و ستم کے کام جب کرتا ہے وہ تو مردم آزاری کے پاس نہین جاتا - مذہب وہی ہاتھہ جنکو رحم الرحمین کے آگے باندہ کر کھڑا ہوتا ہے - انسانون کے خون مین رنگ کر ایسا ہی خوش ہوتا ہے

سائنس و مذہب کے رزم و بزم کی فہرست مضامین

مضمون

نہین گرنے دیتا اور عقبیٰ مین جنت مین لیجاؤنگا اور جہنم کے عذاب سے بچاؤنگا۔

اس زمانہ مین جو یوروپ اور امریکہ مین عاقلون کی عقل و دانش مین تغیر پیدا ہوا ہے اسکے جاننے والے یہ کہتے ہین کہ مذہب مین خود ایسے فضول و زوائد مسائل تھے کہ اونکے بوجھنے مذہب کی کمر توڑ دی جو انہین نیک عاقل آزاد منش ہین وہ تو صاف صاف پکار کر کہتے ہین کہ ہم نے مذہب کو سلام کیا۔ عاقلون کی یہ تارک المذہبی نہ اب کسی لعنت ملامت سے رک سکتی ہے نہ سزا اسکی مانع ہو سکتی ہے نہ وہ عوام کی خندہ زنی اور زور سے آگے بڑھنے سے ہٹ سکتی ہے نہ سلطنت مین مذہبی حکومت کو دخل رہا ہے نہ مذہب کی جانبداری مین لوگون کے دلون مین سپاہیانہ جوش اوٹھتا ہے۔ حال کی سوی لیزیشن کے روکنے مین مذہب بالکل بے بس ہے۔

سو اون لوگون کے جو مذہب موجودہ مین اغراض دنیوی رکھتے ہین کوئی شخص ایسا نہ ہوگا کہ وہ طالب حق نہ ہوگا وہ اس تلاش مین نہ رہتا ہوگا جستجو نکالیو نہ کرتا ہوگا کہ مذہب اور سائنس مین جھگڑا کیا ہے اور جھگڑنے والے کون ہین +

سوسائٹی کی امن و عافیت اسپر موقوف ہے کہ مذہبی اعتقادات و یقینیات حالت موجودہ پر قائم رہین اور یہ انصاف نہین کہ کوئی شخص گستاخانہ اور بیباکانہ انہین دخل دے مگر اسکا علاج کیا ہے کہ سائنس اور مذہب مین اتحاد نہین جب سائنس کوئی سچی بات پیش کرتا ہے اور مذہب اس کے ماننے کا مانع ہوتا ہے تو حق کو کوئی باطل نہین کرسکتا ناچار مذہب کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

یوروپ کی عقل پر جو تاریکی شب چھا رہی تھی وہ اب دور ہو گئی دن کا اوجالا اسپر چمکنے لگا۔ وہ بہتر سے بہتر حالت مین ہو گیا۔ اس روشنی مین ساری سوسائٹی رہتی ہے اور یہ روشنی جس طرف ان کو لے جاتی ہے وہ جاتے ہین +

وہان ایک فرقہ تو تارک المذہب ہو گیا اسکے نزدیک تو کہنہ عقائد مذہبی تقویم پارینہ ہو گئے بے دلیل تتبع و اطاعت مذہبی سے وہ نکل گیا مگر ایک فرقہ ایسا بھی پیدا ہوا کہ وہ کہتا ہے کہ تھیٹ عیسائی مذہب اور سائنس متحد ہین۔ سائنس کو جو عیسائی مذہب سے اختلاف ہے وہ اس سبب سے کہ عیسائی مذہب ہی کی صورت کو بت پرستون کافرون اور غیر مذہبون کی مسائل کی آمیزش نے بگاڑ دیا ہے عیسائی مذہب کو تمام توہمات اور زوائد و فضول مسائل کو خارج کرکے عیسائی مذہب کی صورت کو وہ پہلے جمہوری مذہب سے مختلف ہے ایسی بنا دی ہے کہ سائنس اور مذہب مین کچھ اختلاف نہین رہا۔ اس فرقہ کے عیسائی کہتے ہین کہ مذہب خدا کا قول اور کلام ہے اور سائنس نیچر کا جو خدا کا فعل اور کام ہے ترجمان ہے خدا کے قول و

جیسا کہ عورتین ہاتھون مین مہدی لگاکے انکو لال لال دیکھکر خوش ہوتی ہین - سائنس کبھی ایسے
گناہون سے ملوث نہین ہوتا اور اپنے دامن پر خون کا دھبہ نہین لگنے دیتا - مذہب اپنے خیالات
کے اعتقاد کرانے مین انسان کی عقل پر ستم کرتا ہے اور اُس کے جسم کو شکنجہ مین یہانتک کھینچتا ہے
کہ جان نکل جاتی ہے سائنس ایسے کامون سے کوسون بھاگتا ہے وہ کسی کو کبھی مجبور نہین کرتا کہ میرے
بات مانو یا نہ مانو +

مذہب کی عادت مین داخل ہے کہ وہ عقلی ترقی کو اپنا تنزل جانتا ہے اور اوسکی لیاقتون
اور استعدادون کے بروئے کار آنیکی مزاحمت و مخالفت کرتا ہے اوسکو بالطبع نفرت ہے کہ معقولات کو
رونق ہو - کبھی وہ عقل کے حق کو قائم نہین ہونے دیتا عقل کی آزادی کے پاؤن مین بیڑیان ڈالتا ہے
ہے مذہب تو سائنس پر بے خوف و خطر اپنی خونخواری ظاہر کرتا ہے مگر سائنس بڑا خرانٹ گھٹا
اُٹھی ہے اندر ہی اندر چپکے چپکے مذہب کی کتر بیونت کرتا رہتا ہے - مذہب تو اسکے پتے نوچتا ہے یہ
اسکی جڑ اکھیڑتا ہے - ایک بات ایجاد کرکے مذہب کو غصہ دلاکے بھوت بنا دیتا ہے جب اسکا غصہ
اُترنے کو ہوتا ہے تو دوسری بات اختراع کرکے پھر اوسکے غیظ و غضب کو تازہ کر دیتا ہے -
یون اسکے سینہ مین ہمیشہ آتش کینہ و بغض بھڑکائے رکھتا ہے بجھنے نہین دیتا - سائنس کی تاریخ جو
ہم آگے لکھینگے اُس سے طلبہ کو معلوم ہوگا کہ اسمین فقط سائنس کے اختراعات و ایجادات ہی نہین
لکھے ہین بلکہ اوسکے ساتھ وہ ہنگامہ آرائیان بھی لکھی ہین کہ جن مین سائنس عقل کی قوت لیکر اور مذاہب
اعتقادات و اغراض کی قوت لیکر خوب لڑے ہین - ہر زمانہ مین نئی نئی باتون پر انکا آپس مین جھگڑا
ہوا ہے جنکا حال تاریخ مین پڑھوگے - یہ مقابلہ دونو کے حق مین مفید ہوا ہے - اس کھٹاپٹ و رگڑا
رگڑی گھسم گھسا سے عقل کی روشنی پیدا ہوتی ہے جو مذہب کے توہمات باطلہ کی تاریکی سے چھڑاتی ہے
اور سائنس کے لیے ایک حد مقرر کر دی ہے اور کہہ دیتی ہے - اگر اس حد سے آگے قدم بڑھائیگا اور
اسرار الٰہی کی سرحد پر قدم رکھیگا تو مذہب تیلان مار کر نکال دیگا - سائنس جبتک اپنی حد مین مذاہب سے لڑتا
ہے تو اوسپر فتح پاتا ہے - آج تک مذہب نے سائنس کی کسی بات کو رد کرکے جلا وطن نہین کیا اور سائنس نے
مذہب کے بہت توہمات و زوائد و فضول باتون کو چھانٹکر دور کیا ہے - مگر سائنس جب اسرار الٰہی کی حد مین
جاکر مذہب سے لڑتا ہے تو شکست پاتا ہے ہم آگے حدود بیان کرینگے کہ مذہب کی حد کیا ہے اور سائنس کی
حد کیا ہے مذہب کہتا ہے کہ میرے جن گو مون کو مخالف جو بیجا بتاتے ہین وہ سر تا سر نیکی و خوبی سے
بھرے ہوئے ہین انہین کے سبب سے دنیا مین انسان کو گمراہی سے بچاتا ہون اور ضلالت کے گڑھے مین

(۲) یونانیون کی میتھولوجی ۔

میتھولوجی وہ علم جسمین میتھہ کا بیان ہو اور میتھہ کے یونانی زبان مین کہانی و افسانہ و حکایات و نقل کے معانی ہین پس جس علم مین کہ صدق عام و قوانین قدرت و اخلاقی مظہرات اور مذہبی خیالات حکایتون مین سمجھائے جاتے ہین اوسکو میتھولوجی کہتے ہین جسکا ترجمہ عربی زبان مین خرافات کیا گیا ہے اس لفظ کے معنی عربی مین کہانیون کے ہین جو رات کو کہی جائین ہم نے جہان خرافات کا لفظ لکھا ہے وہان اوسکے معنی اصلی جو اوپر بیان ہوئے ہین لئے ہین ۔ اردو زبان مین جو اوسکے معنی زبان زد ہین نہین لئے ۔ غور کرنے والے اس تماشے کو بھی عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین کہ وہ مذہب نہایت مردہ ہو گیا جسے مدتون تک افسانون کے دونکو شگفتہ رکھا تھا ۔ غرض ہمہ قم مین یونانیون کا مذہب ایسا بوڑھا ہو گیا تہا کہ قبر مین پاؤن لٹکائے بیٹھا تہا ۔ حکمائے یونان نے دنیا کا مطالعہ بنظر تعمق کیا تو اونکے دل پر یہ امر نقش کالحجر ہو گیا کہ جناب معالی انتساب حضرت نیچر کے اعمال اور اولمپس (دیوتاؤن کے رہنے کی جگہہ) کے دیوتاؤن کے معانی مین زمین آسمان کا فرق ہے اور مورخان یونان نے معاملات ملکی کے منتظم طریقہ پر غور کی تو ظاہر ہوا کہ آدمیون کے افعال مین یک رنگی ہے کوئی واقعہ اونکی آنکہون کے سامنے ایسا نہین پیش ہوتا جسکا ظاہری سبب وہ کسی نہ کسی واقعہ گذشتہ مین نہ دیکھتے ہون ۔ پس اس وجہ سے اونکو کل معجزات و خرق عادات و کشف و کرامات مین جنسے کہ پرانی کتابین تاریخ و سیر کی بھری پڑی ہین شبہ پیدا ہوا اور وہ اونکو جھوٹے افسانے جاننے لگے ۔ جب زمانہ ایسا آیا کہ خرق عادات اور کرامات موقوف ہوئین تو وہ پوچھنے لگے کہ اسکا کیا سبب ہے کہ اب دیوتاؤن سے جو سوال کئے جاتے ہین اونکے جواب دینے مین کیون خاموش ہین ۔ اب کیون عجیب عجیب باتین نہین ہوتین اوس قدیم زمانہ سے جسکی ابتدا ہی یاد سے فراموش ہو گئی ہے بہا بہ روایات و حکایات چلی آتی ہین جنپر پہلے زمانہ مین خدا پرستون کو اونکے سچ ہونے کا بغیر کسی شک و شبہ کے یقین تہا ۔ اونہون نے بحر مڈیٹرینین کے جزائر اور متصل کے ملکون کو بھر رکھا تھا عجیب عجیب خرق عادات و کرامات بہ جادوگرنیون اور افسون گرون کے سحر و جادو پر دیو و پریون پر ڈائنیون پر جو آدمیون کو کہا جائین ۔ ایسی مخلوق پر جسکے دیکھنے سے آدمی پتھر کا بنجائے ۔ ایسے دیودن پر جن کا آدہا بدن آدمی کا آدہا گھوڑے کا ہو ۔ ایسے عجیب الخلقت کہ جنکی شکل مچھلی کی سی ہے اور اونکی پیشانی مین ایک آنکھہ ان سب باتون پر مذہبا یقین و ایمان تہا ۔ اس بات کو دل سے یقین کرتے تھے کہ اون کے دیوتاؤن کا بادشاہ زیوس (جیوپیٹر) آسمان پر گنبد نیلی کا فرش بچھائے ہوئے اپنا دربار کرتا ہے اوسکے گرد دیوتا اور اونکی بیویان اور لڑکیان بیٹھی ہوئی ہین وہ سارے کام آدمیون کے سے کرتا ہے اور

فل مین اختلاف کا ہونا ناممکن ہے اسلئے وہ سائنس کے ہر ایجاد و ہر اختراع کا خیر مقدم کہتے ہین اور حق کو خواہ وہ الہام کے بطن سے یا سائنس کے پیٹ سے پیدا ہوا دونو صورتون کو برابر جانتے ہین اور یہ ناممکن سمجھتے ہین کہ جو بات ایک مین حق ہو وہ دوسرے مین باطل ہو۔ غرض یہ دونو متحد ہین اب مین سائنس اور مذہب کے عنادون کی رزم اور اون کے اتحادون کے بزم انہین مضمون کی تصنیفات سے لکھتا ہون جو نہ مذہب کے حامی نہ سائنس کے طرفدار بلکہ حق پر جان نثار ہین حق پسندی حق جوئی حق گوئی انکا شعار ہے +

تاریخ کی تصنیف کے دو طریقے ہین ایک آرٹ فی شیل یعنے مصنوعات ۔ دوم فلوسوفی کل یعنے فلسفیانہ ۔ اول یون لکھی جاتی ہے کہ کوئی خاص مرد شخص انتخاب کیا جاتا ہے اور اوس کی صورت کی ایک خیالی تصویر بنائی جاتی ہے اور وہی افسانہ کا ہیرو قرار دیا جاتا ہے وہی واقعات کی اصل کا پیدا کرنیوالا ٹھیرایا جاتا ہے ۔ گو اسمین افادہ تاریخ نہین ہوتا مگر وہ افسانہ سے کچھ بہتر ہوتا ہے اور تفریح افسانہ اس مین ہوتی ہے جو دلکو نہایت مسرور اور محظوظ کرتی ہے ۔ اب فلسفیانہ تاریخ مین آدمی واقعات کا پیدا کرنیوالا نہین ہوتا بلکہ انسانی معاملات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو کبھی منقطع نہین ہوتا ہے ۔ واقعتین (فیکٹ) اپنے ماقبل واقعتیون کی اولاد اور آیندہ واقعتیون کی آبا و اجداد ہوتی ہین جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان واقعتیون کو مغلوب نہین کر سکتا بلکہ واقعتین انسان کو مغلوب کرتی ہین مصنوعی تاریخ بڑی دلچسپ ہوتی ہے فلسفیانہ تاریخ سخت دخشک اور پھیکی ہوتی ہے جس سے دل اوچٹتا ہے وہ ہمکو ان قوانین کا یقین دلاتی ہے کہ جنکا مقابلہ نہین ہوسکتا انکے سامنے انسان کی سعی کی کچھ حقیقت نہین ۔

اگر مصنوعی تاریخ کی بے اعتباری کوئی دیکھنی چاہئے تو وہ آپ اپنی ذات پر تجربہ کرے کہ کتنے بڑے گہرے یار میرے ہر روزہ کاروبار کے سببون کو غلط سمجھتے ہین اور میری نیتون کو غلط بیان کرتے ہین بس جب یہ حال ہماری آنکھون کے سامنے روزمرہ گذر رہا ہو تو ہم کس طرح سے ان آدمیون کے اقوال اور افعال سے واقف ہوسکتے ہین جنکو مرے ہوئے مدت گذر گئین اور جنکو ہمنے نہین دیکھا ۔

باب اول

سائنس کی اصل

یونانیون کی مذہبی حالت سنہ [illegible] قم (قبل مسیح) مین

یونانیون مین اول حکما و مورخین تارک المذہب ہوئے پھر شعرا اونکے پیرو ہوئے جنہون نے بعض کی اہل مذہب نے خوب درگت بنائی مگر قاعدہ ہے جو لوگ جھوٹ اور فریب کی حمایت مین سعی و کوشش کے اندر دیوانے و مبہوت ہوجاتے ہین وہ آخر مین شکست پاتے ہین۔ علم ادب کی ہر فرع مین بداخلاقی یہانتک پھیلی کہ عوام مین وہ ساری ہوئی۔ یونان مین جو فرقہ حکما مذہب شکاکہ اور عقیدہ لاادریہ رکھتا تھا اوسنے بھی قومی مذہب کے برباد کرنے مین فلسفیانہ تحقیقات و انکشافات کی تائید کی اور مذہب سے جو بے اعتقادی پھیل رہی تھی اوسکی تائید مین بہت دلائل پیش کین۔ فرقہ حکما کے مختلف مذاہب کا آپسمین مقابلہ کیا اور انکے نقائض و متضاد باتون سے ثابت کیا کہ آدمی کوئی سچ کے لئے معیار نہین رکھتا اسکے نیک و بد کی نسبت جو خیالات ہین وہ اوس ملک کے موافق ہین جسمین وہ رہتا ہے اونکی بنیاد نیچر مین نہین ہے بلکہ وہ بالکل تعلیم کا نتیجہ ہے۔ غلط اور صحیح کوئی چیز سوا اسکے نہین کہ سوسائٹی نے اپنے اغراض نفسانی کی جھوٹی باتین گھڑ لی ہین۔ آخر مین اعلی درجہ کا ایک فرقہ ایسا آگے بڑھا کہ اوسنے اس عالم سے انکار ہی نہین کیا جو دکھائی نہین دیتا بلکہ اس دنیا ہی کو کہہ دیا کہ دیکھا خواب ہے اور کوئی چیز اصل حقیقت مین وجود نہین رکھتی ہے صرف تصور و خیال ہی خیال ہے۔

(۳) یونانیونکو نیچر کی نئی نئی صورتین اور مذہب کی جدید شریعتین اور طریقتین جب نظر آئین

کہ اونہون نے ایرانیون پر حملہ کیا

یونان کے مقامات کی شکلین ایسی واقع ہوئی تہین کہ اونہون نے ایک خاص حالت پولیٹکل پیدا کر دی تھی جسکے سبب سے یونانی جدا جدا گروہون مین رہتے تھے اور اغراض ایسی متضاد و متناقض رکہتے تھے کہ وہ باہم مل جل کر نہین رہ سکتے تھے۔ رقیب ریاستون مین ہمیشہ متواتر خانہ جنگیان رہتی تہین جنہون نے ملک کی ترقی کو روک رکہا تہا۔ ملک مفلس تہا جو اسمین بڑے آدمی تھے وہ خراب تھے حب الوطنی کو سونے کے بدلے مین بیچنے کو تیار بیٹھے رہتے تھے۔ سنگتراشی اور عمارت کی حسانت کو تو ایسا سمجھتے تھے کہ نہ کوئی اونسے پہلے نہ پیچھے انکی برابر سمجھنے والا پیدا ہوا مگر نیکی اور سچ کے حسن کے جاننے مین اونکی عقل پہ پتھر پڑے ہوئے تھے۔

فرنگستان اور یونان آزادی اور فارغ البالی کے خیالات سے بھرا ہوا تہا وہ سلطنت ایران کی اطاعت کو تسلیم نہین کرتا تھا خلاف اسکے ایشیائی یونان ایران کا تابع تہا۔ اس زمانہ مین ایران کی سلطنت اپنی معراج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ایسی وسیع تھی کہ کل یورپ سے آدہی ہوگی سات بحرون کے پانی کو چہوتی تہی اور سات دریا ہزار ہزار میل لمبے اوسمین بہتے تھے۔

اس کو عصیان و شہوات انسانی سے کچھ پرہیز نہین ہے —

(۲) تحقیقات وعیب و صواب بینی +

ساحل سمندر کے جابجا گناؤن نے اور مجمع الجزائر نے جنکے اندر بعض دنیا کے خوبصورت جزیرے تھے یونانیون مین یہ مذاق پیدا کیا کہ وہ اپنی زندگی سمندر مین بسر کرین اور جغرافیہ کی تحقیقاتین کرین اور اور مقامون مین نقل مکان کرکے بسنے پر غور کرین — اونکے جہاز کل بلیک سی (بحر اسود) اور مڈیٹرینین مین دوڑنے لگے۔ اب اونکو یہ امر تحقیق ہو گیا کہ جن عجائبات کی پرستش ہوتی تہی اور اونپر اعتقاد رکہنا جمہور کے ایمان مین داخل تہا اونکا وجود کہین نہین ہے۔ نیچر کا علم اونکو اچھی طرح حاصل ہوا وہ آسمان کو تو دہوکہ کی ٹٹی جاننے لگے اور خوب تحقیق ہوگیا کہ اولمپس (دیوتاون کے رہنے کا مقام) کا وجود کہین نہین ہے۔ اوپر سوائے ستارون اور آکاش (فضا، خلا) کے اور کچھ نہین ہے۔ جب مکان معدوم ہوا تو مکین بہی اوسکے ساتھ غارت ہوئے مقدس کتابون مین جن دیوتاؤن کا ذکر تہا وہ بہی اوڑ گئے ۔

یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے وہ بے مزاحمت و مخالفت وقوع مین آیا ہے نہین جمہور اور خاص کر فرقہ مذہبی نے دہمکایا کہ اس طرح کے مذہب مین شبہات پیدا کرنے کفر ہین اور انہون نے ان کافرون کو جو اونکے عقائد مذہبی کے مخالف تہے بعض کا گہر بار لوٹ لیا۔ اور بعض کو جلا وطن کیا بعض کو موت کا مزہ چکہایا۔ اونہون نے بیان کیا کہ قدیم زمانہ مین جن باتون کو خدا پرستون نے سچ جانکر یقین کیا اور مدتون تک وہ معرض امتحان مین آنکر کامل سچ نکلین وہ ضرور سچ ہین۔ مگر وہ اس سے مجبور تھے کہ انکی مخالفت مین ایسی شہادت موجود تہی جسکے مقابلہ سے وہ عاجز تہے تو آخر کار ناچار یہ اقرار کرنا پڑا کہ مذہب مین جن عجائبات کا ذکر ہے وہ مجازی ہے متقدمین دانشمندون نے اسرار و رموز مذہبی کو انمین مخفی رکہا ہے سو وہ اب مخالفت کو چہوڑکر مصالحت کے رہے اس خوف سے ہوئے کہ مبادا جب ہماری عقل کی ترقی ہو تو جن باتون مین ہم اب شبہ کرتے ہین انکو بالکل جہوٹا سمجھنے لگین مگر وہ اپنی مصالحت کی کوشش مین ناکام رہے اسلئے کہ ایسے واقع پر جمہور کی رایون پر پہلے سے احکام لگے ہوئے ہوتے ہین کہ انکا ظہور ان صورتون مین یہہ ہوگا کہ جن چیزون کی وہ عبادت یا تعظیم کرتے ہین اونمین اول شبہ پیدا ہوگا پہر اونکے نئے نئے معانی بیان ہونے شروع ہونگے پہر اونکو قبول نہین کرینگے آخرکار اس سے انکار کرینگے اور کل کو ایک جہوٹی کہانی جانین گے۔

شاہان اعصریہ دانت پیستے ہوے بیٹھے ہوئے اور بیدار دیل انکے حراست کرتے ہوئے دیکھے پہر بابل مین اونہون نے یہ سیرین کین باوجودیکہ بابل تین سو برس سے لٹ رہا تہا اور تین فتحمندون نے اوس کو فتح کیا تہا مگر پہر بھی اوسکی فصیل کا احاطہ ساٹھ میل سے زیادہ موجود تھا اور اوسکی بلندی بھی اسی فیٹ سے زیادہ تھی بیل بت خانے کے نشان موجود تھے جو ایسا بلند تہا کہ بادلون سے سرگوشی کرتا تہا اور اوسکے سر پر رصد خانہ تہا جسمین کالدیا کے ہیأت دان بیٹہ کر رات کو ستارون سے باتین کیا کرتے تہے ان دو باغون کے نشان بہی پائے جاتے تہے جو ہوا کے اندر معلق لٹکتے تھے اور ہوا کے درمیان اونکے بڑے بڑے درخت کھڑے تھے - ان آب خیز نلون کے ٹکڑے بھی پائے جاتے تہے جو دریاؤن سے پانی لاکر ان باغون کو سیراب کرتے تہے - ایک مصنوعی تال بہی تھا جسمین کوہستان آرمینیا کی برف گلی ہوئی آلات اور نالیون کے ذریعہ سے آتی تہی اور دریاے فرات کے بندہ باندہنے سے پانی شہر مین ڈرک جاتا تھا - ان تمام عجائبات مین سب سے زیادہ عجیب وہ زمین دوز رستہ تہا جو قصر دریا کے نیچے بنایا گیا تہا -

اہل یونان نے کالدیا - اعصریہ - بابل کے تو وہ عجائبات دیکھے جنکی قدامت شب زمانہ تک الٹی جاتی ہے مگر ایران کے پچھلے زمانہ کے بھی عجائبات معائنہ کئے پرسی پولس کا ایوان عظیم الشان فن عمارت کا معجزہ تہا - اسمین سنگ تراشی منبت کاری گچ کاری کا کمال دکھلایا گیا ہے - برج وفینا رفیع الشان بیت دیوہیکل - موسم گرما مین بادشاہون کے رہنے کے محل جنکے گرداگرد سات فصیلین ایک کے اندر دوسری سات رنگ کی بتدریج ارتفاع مین بلند ہوتی ہوئی - علم نجوم کے موافق سات سیارونکی تعبیر کرنے والی چھت چاندی کے پترون کی یشہتیر سونے کے ملمع کے - آدہی رات کو روشنی اسمین ایسی ہوتی تہی کہ یہ معلوم ہوتا تہا کہ آفتاب نصف النہار پر آگیا - نقطہ روشن کیا جاتا تہا وسط شہر مین بادشاہون کے خلوت خانے شہنشاہون کے عیش فردوس سے کم نہ تہے حقیقت مین دنیا کے اندر ایرانیونکی سلطنت جنت تہی +

ہمبولٹ نے سچ کہا ہے کہ جب آدمی کے سامنے نیچر کی نئی نئی بڑی بڑی چیزین آتی ہین تو اوس کی فہم و فراست مین بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ یونانی جو پہلے سے ذہین اور طباع تہے اور ہر چیز کا مشاہدہ کرکے اوسکی تہ پر پہنچ جاتا اونکے نزدیک کوئی بات نہ تہی جب سکندر کی عجیب عجیب لشکر کشیون اور مہمات مین شریک ہوئے تو اونکے سامنے نیچر کے بڑے بڑے تماشے وسین سامنے آئے کہین پہاڑ ایسے بلند دیکھے کہ جنکی چوٹیان ابر کے اوپر جاکر غائب ہو جاتی تہین کہین وہ ریگستان نظر آئے جو بے پایان تہے - ان مین سراب پنی بہار دکہاتی تہی - کہین ایسی زمین مین گذرنے کا اتفاق ہوا جس کا رنگ کہربائی تہا کہجور کے درخت بڑے بڑے کہڑے تہے - سرو صنوبر املی و مہندی کے درخت اپنی منڈلا

سطح سمندر سے اسکی سطح تیرہ سو فیٹ نیچی اور بیس ہزار فیٹ اونچی تھی جسکے سبب سے ہر قسم کی زراعت کی پیداوار
اسمین ہوتی تھی وہ سلطنتین اسکے ورثہ مین ہاتہ آئی تہین جنکی تاریخ نو ہزار برس تک زمانہ ماقبل تک پہنچی تھی۔
فرنگستانی یونان کو ملکی اعتبار سے ایران حقارت کی نظر سے دیکھتا تہا۔ کل یونان وسعت مین اسکے ایک صوبہ
کی نصف کی برابر بھی نہ تہا۔ مگر اسکے محکوم کرنے کے لئے جو بار بار اہل ایران حملے کرتے تہے انکے سبب سے وہ
اہل یونان کی سپاہیانہ لیاقتون کے قائل ہو گئے تہے۔ ایران کی سپاہ مین ایک یونانی سپاہ رہتی تہی
جسکے سپاہی اجرت پر نوکری کر لیتے تہے یہی سپاہ سب سے بہتر کل سپاہ ایران مین سمجھی جاتی تہی۔ اہل ایران
بعض دفعہ اپنی سپاہ کا جرنیل اور بیڑے کا کپتان یونانی مقرر کر دیتے تہے۔

ایران کے امرا مین جو آپس مین ہنگامہ رزم گرم ہوتا تہا اوسمین یونانی سپاہ کام کرتی تھی۔ ان
جنگون کے نتائج ایسے ظہور مین آتے تہے کہ اس اجرہ دار سپاہ کی تیز نگاہی نے تاڑ لیا کہ سلطنت ایران
مین ضعف ہی اور ہمارا اسکے مرکز تک پہنچ جانا ممکن ہے۔ زنوفون جو اپنی دس ہزار سپاہ کو خسرو کے سامنے
سے میدان جنگ سے بچا کر واپس لے آیا تو اوسنے ثابت کر دیا کہ یونانی ایران کے دل پر چڑھ سکتے ہین اور لڑ لیے
سلامت آسکتے ہین +

یونانیون کے دلون مین ایرانیون کی عظمت و وقعت ان مہمات عظیم سے پیدا ہوئی تہی جنمین ایرانیون
نے اپنی انجنیری کا کمال دکھایا تہا کہ بڑے بڑے دریاؤن کے پل بنا لئے اور پہاڑون کو کاٹ کر رستے
نکال لئے مگر چار دفعہ جو اوسنے معرکہ آرائیان میدان جنگ مین ہوئین تو پہر یہ عظمت ایرانیونکی انکے دل سے
نکل گئی۔ اور ایران کے دولتمند اضلاع کے لوٹنے کا عزم جزم دلون مین پیدا ہو گیا۔ ایرانیون نے گو
یونانیون کو رشوتین دے دے کر کام چلایا مگر آخر کار سکندر اعظم نے انکا کام تمام کیا اور وہ فتح حاصل
کی جسکی نظیر انکے دنیا مین موجود نہین +

اس ایران کی فتح نے یونانیون کے حوصلے بڑہائے اور ذہانت و ذکاوت فراست مین تحریک پیدا
کر دی مہمات سکندر نے یونانیون کو دنیا کا تجربہ کار بنا دیا انکو ایک عالم عجائبات و صناعات پر علم حاصل ہوا
ان مہمات مین انہون نے ڈینیوب سے نیل تک اور نیل سے گنگا تک سفر کیا بحر الاسود کے پرے کے ملکون کے
شمالی سرد ہواؤن کے جھونکے صدمے اوٹہائے ملک مصر کے صحراؤن کی سموم اور ریتون کے طوفانون سے
متحمل ہوئے۔ ملک مصر کی ان عجیب عجیب چیزونکا مشاہدہ کیا۔ اہرام مصری جو اسوقت سے پہلے دو ہزار برس
سے بنے ہوئے کھڑے ہین مصریونکی مصوری جسنے انکی عمارات عظیم کو نگارستان بنا رکھا تہا عجیب و غریب
شکل کے بت جنمین سے کسی کا آدہا جسم عورت کا اور آدہا جسم شیر کا یا مینڈھے کا یا باز کا۔ وہ تخت جن پر

پہنچایا۔ ان متقدمین نے ستارون کی فہرست بنائی اور منطقة البروج کو بارہ حصونمین تقسیم کیا۔ دن اور رات مین سے ہر ایک کو بارہ برابر حصون مین بانٹا۔ ارسطو کہتا ہے کہ اونہون نے ستارون نیز مرور قمر کے مشاہدے کرنے مین بڑی سعی و کوشش کی۔ اونکو نظام فلکی پر بخوبی علم تہا۔ وہ سیارونکے حالات کو جانتے تہے۔ اونہون نے دہوپ گہڑیان بنائین اور ایسی سوئیان لگائین جنکے سایہ سے وقت معلوم ہوجاتا تہا۔ پانی کے گہنٹے بنائے۔ اسطرلاب بنایا۔

اُنکے چہاپنے کے طریقے عجیب تہے کہ وہ ایک ولر (بلین) بیتے اور اسکے اوپر اپنی تحریرات کوان حرفون مین کندہ کردیتے جنکی شکلین میخونکی سی ہوتین اور پہر چکنی مٹی کے تودے بناتے اور اونپر پلاسٹر کرتے اور انپر اس بلین کو پہراتے جنسے کہ ان مٹ پروف اُٹھہ آتے سنجیر و نیز جو کتابین لکہی ہوئے ہین انسے ابتک تحقیقات تاریخیہ و علمیہ سے لوگ بہرہ یاب ہوتے ہین۔ وہ علم مناظر سے بے بہرہ نہ تہے۔ نیمرود مین کلان بین شیشے قبہ دار ملے ہین جنسے معلوم ہوتا ہے کہ کلان بین آلات موجود تہے۔ علم حساب مین وہ مراتب اعداد کو جانتے تھے مگر اہل ہند کے ایجاد اعظم صفر سے ناواقف تھے۔

اسوقت تک یونانی محض خیالات اور تصورات لایعنی پر قناعت کئے بیٹھے تھے۔ اور تجربات اور مشاہدات سے ناآشنا تھے مگر فتوحات سکندری کے حاصل کرنیسے ایک عجیب تغیر اُن کی عقل و دانش مین ہوا۔ نیچر کا ایک وسیع منظر انکی نظر کے روبرو آیا اور ایرانیونکے مذہب پر جو فلسفہ وحکمت پر مبنی تہا علم حاصل ہوا۔ یونانیونکی بت پرستی ایسی بدصورت تھی کہ خداپرست اسکو دیکہہ نہین سکتے تہے۔ اُنہون نے اپر حملہ کیا انکے بتخانون کو ڈھایا اور حیوانون کی شکل کے بتون کو توڑا ایران کی سلطنت مدت دراز تک رہی ہے۔ اسلئے اسکے مذہب مین بہت دفعہ تغیر ہوا ہے اول وہ زردشتی مذہب رکھتے تھے جسمین خدا کو واحد رازق خالق محافظ عادل ساری نیکیون کا دینے والا جانتے تھے۔ پہر وہ ثنویہ ہوگئے یعنی دو خداؤن اہرمن و یزدان کو ماننے لگے اہرمن بدی کا خدا تھا اور یزدان نیکی کا۔ نیکی و بدی دنیا مین دو متقابل و متساوی زور ہین جنمین علی الدوام جنگ رہتی ہے۔ ایک بغیر دوسرے کی موجود نہین ہوتی۔ جہان روشنی ہے وہین سایہ ہوتا ہے۔ پہر اونہون نے مانیچی مذہب اختیار کیا جسمین آتش پرستی اور آفتاب پرستی سب سے بڑی عبادت تہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یونانیون کی علم و دانش کی افزایش کا سبب ایران کی فتح ہوئی اور اہل ایران کے مذہب و سائنس سے یونانیون نے استفادہ حاصل کیا +

دکھاتے تھے۔ اربیلا مین ہاتہیون سے لڑنا پڑا۔ نیل و گنگا مین بڑے بڑے مگرمچھہ دیکھے۔ وہ حیوان، جو یورپ مین کبھی نظر نہ آتے تھے وہ بڑے بڑے دیکھے۔ گینڈا۔ دریائی گھوڑا۔ اونٹ۔ انکو طرح طرح کے رنگ کے آدمیون سے لڑنا پڑا۔ سریانیون سے جو سانولے رنگ کے تھے۔ اہل ایران سے جو زیتونی رنگ کے تھے۔ اہل افریقہ سے جو سیاہ رنگ کے تھے۔ سمندرون کے جوار بہاٹون کو دیکھہ کر اون کی عقل دنگ ہوتی تہی۔ غرض سکندر کی مہمات و لشکرکشیون نے یونانیون کے علم کا دائرہ وسیع کر دیا۔ اور اونہون نے اسکندریہ مین اُن مدارس کی بنیاد رکہی جنمین علوم ریاضیہ او عملیہ تجربات کے ساتھہ سکہائے جانے لگے جنکے سبب آج اہل یورپ کو صحیح صحیح علم ہاتھہ آیا ہے۔ سائنس کی اصل جڑ یہی مدارس اسکندریہ ہین۔

(۴) اہل ایران کی عقلی حالت و مذہبی حالت

سکندر کے ممالک مقبوضہ اہل یونان کی عقل و فراست کے سرمایہ تھے۔ انہین عاقل ہوشیار سپاہی تو نیچر کے تماشے جو اوپر بیان ہوئے ہو دیکھہ کر اپنی عقل بڑہاتے تھے اور حکماء عظیم اپنے علم و دانش کے لئے ذخیرے جمع کرتے تھے۔ بابل مین کلیس تہنی نیز کو اہل کالدیا کے زمانہ گذشتہ کے ۱۹۰۳ سال کے مشاہدات علم نجوم کی پکی اینٹون پر منقش ملے۔ اسنے ان منقش اینٹون کو ارسطو کے پاس بہیجدیا۔ اگر علم ہیأت کے لئے ایسے مشاہدات متواترہ زمانہ دراز تک نہ ہوئے ہوتے تو اسکی ترقی جو آج ہے نہ ہوتی بطلیموس منجم مصری کو ایک بابلی نوشتہ ملا جسمین ۷۴۷ برس کے کسوف و خسوف لکھے تھے۔ اہل بابل نے سال شمسی کا زمانہ مقرر کیا جسمین اور زمانہ حال کے سال کے صحیح زمانہ مین صرف ۲ سکنڈ کا فرق ہے انہون نے سال کو کبی کا بہی زمانہ مقرر کیا جو حال کے سال کے صحیح زمانہ سے ۲ منٹ زیادہ تہا اونکو یہ بہی معلوم تہا کہ زمین کا خط استوا سطح طریق الشمس کو جن نقطون پر قطع کرتا ہے وہ نقطے اس سمت کے جسمین زمین حرکت کرتی ہے مخالف سمت مین حرکت کرتے تہے وہ جانتے تہے کہ گرہن کس سبب لگتے ہین اونہون نے ان گرہنونکا دور تحقیق کرلیا تہا کہ اوسکا زمانہ ۶۵۸۵ دن کا ہوتا ہے وہ اس دور سے حساب لگا کے گرہنون کو پہلے سے بتلا دیتے تہے اب جو گرہنون کے دور کا زمانہ نہایت صحت کے ساتھہ مقرر ہوا ہے وہ ۱۹ ½ منٹ کا فرق رکہتا ہے۔

ان اوپر کے واقعات سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اہل میسوپوطامیہ (جسکو آج کل کے زمانہ مین جزیرہ کہتے ہین) نے علم ہیأت کی ترقی مین صبر و استقلال کے ساتھ جان کہپائی۔ یہ انکا کمال تہا کہ باوجودیکہ ان پاس آلات علم ہیأت کے ناقص تہے مگر پہر بہی اونہون نے اس علم کو ایسی تکمیل کے درجہ پر

اندر تین باتین تہین اول دنیا کے موجودہ علوم کا ہمیشہ کے لیئے قائم رکہنا - دوم ان علمونکو بڑہانا - سوم ان علمون کی اشاعت کرنا سو انہون نے ان تینون باتون کے لیئے تدابیر کین جنکی تفصیل ذیل مین ہوتی ہے - اول علم کے باقی رکھنے کی یہ تجویز کی کہ احکام جاری کیئے کہ کتب خانہ کا داروغہ شاہی صرف سے کتابین خریدلے خواہ کسی قسم کی ہون - میوزیم مین لازم نقل نویسون کا ایک مجمع رہتا تہا جنکا کام یہ تہا کہ ان اصل کتابون کی نقلین کیا کرین جنکے مالک انکے بیچنے پر راضی نہین ہوتے تہے اور جب نقلین تیار ہو جاتین تو وہ مالکونکو واپس دیدی جاتین اور منقول عنہ یعنی اصل کتابین کتب خانہ مین داخل ہوتین - ان نقلون کے ساتھہ بعض دفعہ بہت روپیہ مالکون کو دینا پڑتا تھا - ان کتابونکی نقلون اور ترجمون مین زر کثیر صرف کیا جاتا تھا - ملک مصر کی چیزین جو یاد کے قابل تھین اور انکو اس ملک کے فتح کرنے والے لوٹ کر لے گئے تھے وہ پھر واپس بڑی دہوم دہام سے اس میوزیم مین داخل ہوتی تھین -

دوم علم کے بڑہانے کے لیئے یہ تدابیر عمل مین آئین کہ اس میوزیم نے اپنا مقصد اقصے یہ رکھا کہ وہ ان عالمون کی جنہون نے علم کے لیئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا ہو خدمت گزاری کرے اور انکا گھر اپنے تئین بنا دے - سارے خرچ انکے بادشاہی خزانہ سے اُٹھائے بعض موقعون پر بادشاہ انکے ساتھ کھانا کھاتا جسکا تذکرہ ابتک کتابون مین موجود ہے - جو عالم اس میوزیم مین رہتے انکے چار گروہ مقرر کیئے گئے ایک علم ادب کے لیئے - دوسرا علم ریاضیہ کے لیئے تیسرا علم ہیئات کے لیئے چوتھا علم طب کے لیئے نیچرل ہسٹری یعنے تاریخ الفطرت علم طب کی ایک فرع مقرر کی گئی - اور اسیطرح اور کے علمون کی چھوٹی چھوٹی فروع تھین - افسر جو سب سے زیادہ اعلی درجہ کی لیاقت رکھتا تھا وہ اس کارخانہ علمی کا مہتمم اور سربراہ کار مقرر ہوتا تھا - دی مطرطوس فلیو توس جو شاید اپنے زمانہ مین سب سے بڑا عالم تھا اور ایتھنز مین دس برس تک حاکم رہا تہا اول مین میوزیم کا افسر مقرر ہوا اسکے ماتحت کتب خانہ کا داروغہ رہتا تہا بعض ایسے مشہور آدمی کتبخانہ داروغہ مقرر ہوئے تھے جنکے ابتک تاریخ مین ذکر لکھے جاتے ہین جیسی کہ ایروطوس تھینز اور اپولونیس روڈیس +

اس میوزیم سے متعلق دو باغ تھے تحصیل علم کے لیئے ایک باغ مین نباتات پر اور دوسرے باغ میں حیوانات پر تجربات کیئے جاتے تھے - اور طلبہ علم نباتات اور علم حیوانات سیکھتے تھے علم ہیئات کی تکمیل کے لیئے اسمین ایک رصدخانہ تھا جسمین زمین اور آسمان کے کرے موجود تھے ان کرون مین خطوط استوا اور طریق الشمس برنجی دائرون کی شکل کے بنے ہوے لگے تھے جو ایک ہی کرہ کے دائرے تھے اصطرلاب اور اور آلات موجود تھے - رصدخانہ کے فرش پر نصف النہار کھچا ہوا تہا - اسمین درجے تھے اور وہ چھہ چھہ برابر حصون مین منقسم تھے - وقت اور حرارت کے اندازہ کرنے کی سخت ضرورت تھی سو وقت کا اندازہ اسطرح

(۵) مہمات سکندریہ سے یونانیون مین جنگی ۔ انجنیرنگ اور سایئنفک تحریک ہوئی جسکے سبب سے اونہون نے اسکندریہ مین تعلیم گاہ اور میوزیم قائم کیا کہ تجربات و مشاہدات سے علم کی ترقی ہو اور مباحثات ریاضیہ ہون

اسکندر اعظم نے اس خیال سے اسکندریہ کی بنیاد رکھی کہ اسکے توسل سے ایشیا اور یوروپ کے درمیان تجارت کا بازار گرم ہو ۔ جب سکندر کا ۳۲۳ قم مین انتقال ہوا تو اوسکا سوتیلا بہائی ٹولومی ملک مصر کا بادشاہ ہوا ۔ یون ملک مصر مین مقدونیہ کے خاندان کی بادشاہی کا آغاز ہوا ۔ اوس نے اسکندریہ ہی کو دار السلطنت بنایا اور اوسکو بڑا پر رونق کردیا ۔ اس مین تین مذہبون کے آدمی آنکر آباد ہوئے جنکا اثر ابتک یوروپ کے مذہبون پر چلا جاتا ہے ۔

یونانی انجنیرون نے اسکندریہ کو ایسا خوبصورت شہر بنادیا تہا کہ اسوقت دنیا مین اس کا جواب کہین نہ تہا ۔ عالیشان محل دیوان رفیع المکان مندر اور تہی ایٹر (تماشا گاہ) بنائے اسکے وسط مین چوڑی راہین بنائین اور انکے کنارون پر درختون کی قطارین لگائین ۔ اسکندر کی لاش کو بابل سے جہان وہ مرا تہا لاکر اسکا مقبرہ نہایت رفیع سنگ مرمر کا بنایا اور ایک روشنی گھر ایسا بنایا جسکی روشنی کوسون سے دکھائی دیتی تہی خیر یہ سب کچھ تو تھا مگر ایک میوزیم ایسا بنا کہ شاہان مقدونیہ کی یادگار اہرام مصری کے مٹ جانے کے بعد بھی روزگار مین باقی رہیگی ۔

(۶) میوزم اسکندریہ کا انتظام

اس میوزیم کی بنیاد تو ٹولومی سوٹر نے ڈالی تھی اور اوسکے بیٹے فلی ڈل فیس ٹولومی نے اسکو ختم کیا ۔ اسکے سنگین ایوانون مین فلی ڈل فیس کتب خانہ تھا جسمین چار لاکھ کتابین دنیا کی منتخب تصانیف اور ریکارڈ مجسمہ تھین جب اس کتب خانہ مین کتابونکی گنجایش نہ رہی تو سی راپس کے مندر کے پاس ایک اور کتب خانہ قائم کیا گیا جس کا نام پہلے کتب خانہ کی دختر مشہور ہوا ۔ اسمین بھی آخر کو تین لاکھ کتابین جمع ہوگئین ۔ یون شاہی کتب خانون مین سات لاکھ کتابین جمع ہوگئی تھین +

اسکندریہ ملک مصر کا دار السلطنت ہی نہ تھا بلکہ وہ ساری دنیا کا دار العلوم بھی تھا ۔ وہان علم کی اشاعت کے لئے دونو مشرقی و مغربی ذہانتین ایک جا جمع تھین ۔ یونانی زبان کا اثر ایسا تھا کہ یہودیون نے اپنے باپ دادا کی زبان کو چھوڑ کر یونانی زبان کا بولنا اختیار کیا تہا دونو باپ بیٹون ٹولومی سوٹر اور ٹولومی فلی ڈل فیس نے خیال مین اس میوزیم کے قائم کرنیکے

قائم کئے جائین یعنی استقرار سے ترقی کی جائے۔استقرار زیادہ تر یقینی ہوتا ہے اسکی بنا واقعیتون پر قائم ہوتی ہے۔اور اوسکے یقینی ہونے کا ثبوت کامل جب ہو جاتا ہے کہ وہ ہم مین ان واقعیتون کے بتلا دینے کی قابلیت پیدا کر دیتا ہے جو ہنوز مجہول و نا معلوم ہوتی ہین۔اس نظام مین واقعیتون کے جمع کرنے مین بے انتہا محنت کرنی پڑتی ہے اور بہا او پر غور و خوض کرنے مین جان کھپانی پڑتی ہے وہ محنت و استدلال کی ترکیب و ترتیب ہوتی ہے خیالات کی ترکیب و ترتیب نہین ہوتی۔اس صورت مین جو خود ارسطو کی ناکامیان بیان کیجاتی ہین وہ اسکے اعزاز و اعتبار کو کم نہین کرتین بلکہ اوسکو بڑہاتی ہین اسلئے کہ یہ ناکامی فقط اس سبب سے تھی کہ واقعتین جو استقرار کے لئے چاہئین کافی نہ جمع ہو سکین۔

ارسطو نے جو فلسفہ استقرائیہ قائم کیا اسی کے سبب سے زمانہ حال کی ترقی ہو رہی ہے کہ مظاہرات فطرت کو مشاہدہ کر کے استقرار سے علل کو دریافت کرتے ہین اور علل کے معلوم ہونے سے بہ برہان قیاسی سے مظاہرات کی تفصیل کرتے ہین سچ یہ ہے کہ ارسطو کا ذہن جس اعلی درجہ پر پہنچا تھا شاذ و نادر ہی کسی حکیم کا شاید پہنچا ہو+

(۸) اسکندریہ کے میوزیم کا اخلاقی مدرسہ

اسکندریہ مین جیسا کہ ارسطو کے فلسفہ کے موافق سائنٹفک مدرسہ تھا ایسے ہی حکیم زینو کے فلسفہ کے موافق ایک اخلاقی مدرسہ قائم تھا۔اس حکیم کا مذہب یہ تھا کہ آدمی کو نیک بنانا چاہئے نیکی کی بنا مستحکم تعلیم ہے اسلئے کہ جب آدمی کو کسی کے کام کی بھلائی پر علم ہوتا ہے تو اوسکے کرنے کی طرف رغبت کرتا ہے۔ہم کو حواس کے ادراک پر اعتبار کرنا چاہئے جس سے کہ علم کے لئے مادہ تیار ہو اور عقل اوسکو ترکیب دے۔اس باب مین ارسطو اور زینو کا اتفاق ہے کہ علم کے ناقص ہونے سے شہوات و ہوا ر نفسانی پیدا ہوتی ہین۔ہماری طبیعت ہماری تقدیر پیدا کرتی ہے مگر ہمکو اپنی ہوا ر نفسانی کو مغلوب کرنا چاہئے اور عقل کے موافق ہم کو یہ سیکھنا چاہئے کہ اپنی زندگی نیکی کے ساتھ آزادانہ علاقلانہ بسر کرین اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم آزاد آدمی ہین سوسائٹی کے غلام نہین۔اس حکیم کے مذہب کو مدتون تک رونق رہی اور بڑے مشہور عالم حکیم پیدا ہوئے۔اسکے شاگردون کا لقب سٹوئک تھا۔سٹوئک کہتا ہے کہ میرے پاس وہ خزانہ ہے کہ جسکو ساری دنیا چرا نہین سکتی۔اور نہ موت مجھے اس سے محروم کر سکتی ہے۔یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیچر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے سب عام اعمال کرتا ہے خاص کو مستثنے نہین کرتا اسلئے کہ اپنے تئین تقدیر کے حوالہ کرین مگر عفت و عدالت و شجاعت و علم و عتدال و نیکی کو نشو و نما دین۔یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے گرد ہر چیز متغیر یعنی حادث ہے پیدا اور فنا ہونے کا سلسلہ متواتر جاری رہتا ہے۔ایک

کیا جاتا تہا کہ پانی کے پیالہ مین ایک درجہ دار وزن رکھہ دیا جاتا تھا حرارت کی کمی و بیشی سے پانی کی کثافت کم و بیش ہوتی تھی جسکے موافق یہ وزن پانی کے اندر کم و بیش ڈوبتا تھا اُسسے حرارت کا اندازہ خاصہ ہوجاتا تہا - فلی ڈلفس سخت علیل ہرنے کے قریب ہوا تو اکسیر کی تلاش کے درپے ہوا اس مطلب کے لئے اسنے میوزیم مین کیمیا کے علمون کے لئے ایک مکان مقرر کیا طبی کارخانہ مین ایک مکان اسلئے تجویز کیا کہ اسمین فقط مُردون ہی کی چیر پھاڑ سے تشریح نہ کیجائے - بلکہ ان مین زندہ مجرمون کی بھی تشریح کی جائے جنپر موت کا فتوےٰ دیا گیا ہو - گو یہ امر عوام کے تعصب کے اور خاص کر مصریون کے مذہب کے خلاف تھا +

سوم - اشاعت علم کے لئے میوزیم مین لکچر دئے جاتے اور مباحثات و مناظرات ہوتے اور علم کی ہر قسم کی تعلیم ہوتی اور اونکے سیکھنے کے خاص انتظام ہوتے - تمام ملکون سے اس معقولی علمون کے مرکز مین طلبہ جمع ہوگئے تھے - ایک وقت مین چودہ ہزار طلبہ سے کچھہ کم کی حاضری ہوتی بھی پچھلے زمانہ مین عیسائی تعلیم پاکے بڑے بڑے عالم ہوکر اپنے مذہب کے اعلیٰ عہدون پر پہنچتے تھے -

جولیس سیزر (قیصر) نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا ہے تو اسکا کتب خانہ جل گیا - اس نقصان کا معاوضہ یون ہوا - یونی ٹینز بادشاہ برغاموس نے جو کتب خانہ جمع کیا تھا وہ ایشیا مائنر سے مارک اینٹونی نے ملکہ کلیوپاٹرا کو ہدیہ کیا - یہ کتب خانہ اصل مین ٹولمیون کے کتب خانہ کے جواب مین جمع کیا گیا تھا سیرپی ان کے کتب خانہ مین یہ کتب خانہ شامل کیا گیا -

(۷) اس میوزیم کا مختصر بیان فلسفہ کے اعتبار سے

متقدمین نے اس میوزیم کا نام مدرسہ الٰہیہ رکھا تھا ہم نے اوپر بیان کردیا ہے کہ اسکی ابتدا مہمات اسکندر اعظم سے ہوئی تھی - ٹولمی سوٹر اسکا بانی تھا وہ بڑا بہادر سپاہی سپہ سالار سکندر اعظم ہی نرا نہ تھا بلکہ بڑا عالم متبحر مصنف بھی تھا - زمانہ اسکے احسانات علمیہ کو جو دنیا پر کئے تھے مٹا نہ سکا - مگر اسکی تصنیفات کو ایسا خاک مین ملایا کہ اب کہین اُنکا نام و نشان نہین ملتا -

اسکندر اعظم و ٹولمی و ارسطو یہ تینون ایک جان اور تین قالب تھے - اسلئے اس میوزیم کی جان ارسطو کا فلسفہ تھا - فلپ (فیلقوس) شاہ مقدونیہ نے اپنے بیٹے اسکندر کی تعلیم و تربیت ارسطو کے سپرد کی تھی - اسکندر اعظم نے ایران کو فتح کرکے اس مدرسہ اسکندریہ کی امداد فقط زر ہی سے نہین کی بلکہ نیچرل ہسٹری (تاریخ فطرت) کے جو اُسوقت تیار ہو رہی تھی پرلے درجہ کی معاونت کی +

ارسطو کے فلسفہ کا اصل اصول یہ تھا کہ خواص یعنی جزئیات کے مطالعہ سے عام یعنی کلیات کے اصول

خیر و محبت و صدق کو نشو و نما دین - ایمان کو قائم رکھین - ہر مصیبت و آفت کی حالت مین مطمئن خاطر رہین اور زندگی عقل کے موافق بسر کرین +

(۹) میوزیم مین فلسفہ افلاطونی

گو اسکندریہ کا میوزیم فلسفہ ارسطاطالیس کے نشو و نما دینے کے لئے مخصوص تھا مگر اور حکما کے فلسفون سے محروم نہ تھا فلسفہ افلاطونی کا ظہور اس مین پورے طور پر ہوا مگر آخر کو اسکی جگہ فلسفہ مشائین قائم ہوا اور جدید اکاڈمیہ کے توسل سے اوسنے عیسائی مذہب پر بھی اپنا ایک مستقل نقش جما یا اوپر دو لفظ مشائین اور اکاڈمیہ کے شرح طلب ہین سو انکی شرح کی جاتی ہے مشائین ارسطو اور اوسکے فرقہ کو اسلئے کہتے ہین کہ ارسطو نے لائی سی ام مین ایک روش کو سیر کے لئے پسند کیا تھا جسکے اوپر اور نیچے وہ گلگشت کرتا اور اپنے شاگردون سے مضامین فلسفیہ پر مباحثہ کرتا غرض مشی مین وہ فلسفہ کی تدریس کرتا تھا اسلئے مشائین اسکے فرقہ کا نام ہوا - عربی کتابون مین لکھا ہے کہ اوسنے ایک رواق بنالیا تھا جسمین وہ ٹہلتا جاتا تھا اور طلبہ کو تعلیم کرتا جاتا تھا +

اکادیمی (اقادیمی) اصل مین ایک باغ کا نام ہے جسکی زمین کو ایک مشہور نامور بہادر اکاڈیموس نے اہل ایتھنز کے لئے عطا کیا تھا اوسکو افلاطون نے لے لیا اور اسمین درس جاری کیا - پھر اوسکے بعد بھی اوسکے شاگردون نے یہین درس جاری رکھا اور پھر یہ مدرسہ اکادمیہ قدیمہ و متوسطہ و جدیدہ سے مختلف زمانون مین موسوم ہوا +

فلسفہ افلاطونی بالکل برعکس فلسفہ ارسطو سے تھا - افلاطون کلیات سے جزئیات کی طرف جاتا تھا - کلیات کا وجود ایک امر اعتقادی ہے اسکے برخلاف ارسطو جزئیات سے استقرار کر کے کلیات بناتا تھا +

افلاطون خیال پر اعتماد کرتا تھا ارسطو عقل پر - افلاطون کلی کے ابتدائی خیال کو جزئیات کی طرف تحلیل کرتا تھا ارسطو جزئیات کو ترکیب دیکر کلی کا تصور پیدا کرتا تھا - افلاطون کی ترکیب بہت جلد نشو و نما پیدا کرلیتی تھی گو دراصل اسسے نتائج پوچ پیدا ہوتے تھے - ارسطو کی ترکیب اپنے عمل مین بہت آہستہ رو تھی مگر نہایت مستحکم و مضبوط - اسمین واقعیتون کے اجتماع کے لئے تجربات و مشاہدات کے اندر مشقت شاقہ اور پھر اوسکے استنباط اور اثبات مین خوض و غور کرنے مین بڑی جانکاہی کرنی پڑتی تھی فلسفہ افلاطون ہزار رفیع الشان قلعہ ہے مگر ہوا مین - اور فلسفہ ارسطو ایک مستحکم عمارت ہے جو مضبوط پہاڑ پر بڑی محنت سے بعد بہت سی ناکامیون کے بنائی گئی ہے -

دوسرے کے بعد آتا جاتا رہتا ہے۔ اس دنیا مین ہر چیز فانی ہے اسلیئے موت پر افسوس کرنا عبث ہے جیسے کہ ہمیشہ سال بسال آبشار کی صورت تو ایک سی رہتی ہے مگر پانی اسکا بدلتا رہتا ہے ایسی ہی نیچر کی صورت مین ایک مادہ کا بہاؤ رہتا ہے جو اپنی صور متنوعہ دکھاتا ہے۔ عالم بحیثیت مجموعی غیر متغیر ہے اور کوئی چیز اسمیں قدیم نہین ہے مگر فضاء ہیولا و روح نیچر کی صور جو ہم دیکھتے ہین حادث ہین وہ فنا ہوتی رہتی ہین +

ہم کو یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ایسے آدمیون کی کثرت ہے جنکی تعلیم ناقص ہے اسلیئے بے ضرورت اپنے زمانہ کے خیالات مذہبی مین وہ بات نہین پیدا کرنی چاہیئے کہ جس سے لوگ رنجیدہ خاطر اور آزردہ دل ہون ہمارے لئے یہ جاننا کافی ہے کہ ایک اعلی سے اعلی قوت ہے مگر کوئی اعلی سے اعلی وجود یا ہستی نہین ہے یعنے۔ ایک اصل ہے جو دکھائی نہین دیتی مگر شخصی خدا نہین ہے جسکے ساتھہ آدمی کی صورت و رایون اور جذبات و ہواء نفسانی کو منسوب کرنا کفر و لایعنی ہے۔ تمام الہامات بالضرور جھوٹی کہانیان ہین جس چیز کو آدمی اتفاق کہتا ہے وہ ایک مجہول سبب کا مسبب یا معلول ہوتا ہے۔ ان اتفاقات کا بھی ایک قانون ہے۔ کوئی مدبر دنیا نہین ہے بلکہ قوانین نیچر ہی مدبر ہین جنکا مقابلہ ممکن نہین کہ ہو سکے۔ یہ عالم ایک کل ہے جو خود بخود چل رہی ہے۔ ایک زندہ زور جو دنیا مین پہیل رہا ہے اوسکو جاہل خدا کہتے ہین ساری چیزون مین جو تغیرات واقع ہوتے ہین اور ان تغیرات کے طریقون کا کوئی مزاحم و مانع نہین ہو سکتا اسلیئے یہ معلوم ہوا کہ دنیا تقدیر (لازمی واقعات تعلقات لازمی بغیر تغیر) کے محکوم ہے اور دنیا کی ترقی اس تقدیر کی محکومی سے اسطرح ہوتی ہے جیسے کہ بیج کی کہ اسکے نشوونما کا طریقہ مشخص و معین پہلے سے ہوتا ہے۔

انسان کی روح ایک زندہ اصل عامہ شعلہ کا پتنگا ہے جو مثل حرارت کے ایک شی سے نکل کر دوسرے مین منتقل ہوتا ہے اور پہر آخر کو اسی اصل عامہ مین جسسے جدا ہوا تہا جا کر مل جاتا ہے۔ بس فنا نہین ہوتا بلکہ جس اصل سے جدا ہوا تہا۔ اسی مین جا کر مل جاتا ہے جیسا تہکا ہوا آدمی بے خبر سونے کا منتظر ہوتا ہے ایسے ہی ایک حکیم دنیا سے درماندہ ہو کر موت کے آرام کا منتظر ہوتا ہے۔ اس قسم کی چیزون کے خیال مین ہم کو شبہ اس سبب سے رہتا ہے کہ انسان اپنے باطنی قواء سے یہ خاص علم نہین پیدا کر سکتا۔ یہ امر فلسفہ کے خلاف ہے کہ آدمی علل اولی کی تلاش کرے اوسکو صرف مظہرات و مشہودات سے معاملہ رکھنا چاہیئے۔ سب سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ یہ امر فراموش خاطر نہ ہو کہ آدمی حق مطلق کو تحقیق نہین کر سکتا آدمی کی تحقیقات کی غایت یہ ہے کہ وہ کامل علم نہین حاصل کر سکتا اگر حق مل بہی جائے تو بھی اسپر یقین نہین ہو سکتا بس ہمکو فقط یہ کرنا لازم ہے کہ تحصیل علم کرین

کا عرصہ گذر چکا ہے ابتک زندہ ہے وہ براہین قطعیہ کا نمونہ و معیار ہے۔ اقلیدس کی تصنیف سے علاوہ تحریر کے اور کتابین بھی علم مخروطات مین اور علم مناظر و مرایا مین ہین جس مین اسنے مانا ہے کہ آنکھ سے اشیا پر شعاع نظر جاتی ہے +

مدرسہ اسکندریہ کے مہندسین اور علماء طبیعین مین سے حکیم ارشمیدس بھی شمار ہوتا ہے گو وہ سسلی کا باشندہ تھا۔ اسکی تصنیفات ریاضیہ مین سے دو کتابین ہین جنمین کرہ اور اسطوانہ کا بیان تھا اوسنے ثابت کیا تھا کہ اسطوانہ کے اندر جو کرہ بنایا جائے اسکی حجامت اسطوانہ کی حجامت کی دو تہائی ہوتی ہے یہ اپنا ایجاد اسکو ایسا پسند تھا کہ اُسنے وصیت کی تھی کہ یہ شکل اسکی قبر پر کندہ کی جائے۔ اسنے دائرہ اور قریب البیضوی کی برابر مربع بنانے کا بیان کیا ہے۔ اسنے اُن مجسمات کی نسبت بھی تحریر کیا ہے جو مخروط اور کرہ سے مشابہت رکھتے ہین۔ ایک خط منحنی پیچان ایجاد کیا جو اسی کے نام سے موسوم ہے علوم طبیعیہ مین اوسنے علم آب کی بنا کو قائم کیا ثقل نوعی یا وزن مخصوص کے دریافت کرنے کی ترکیب ایجاد کی سباحت اجسام کی موازنت پر ایک بحث لکھی ہے ـــ لیور یعنی بیرم کا صحیح اصول تحقیق کرکے دریافت کیا۔ ایک پیچ ایجاد کیا جو اُسکے نام سے ابتک یاد کیا جاتا ہے اس سے دریاے نیل کا پانی اوپر اوٹھایا جاتا تھا۔ اُسنے ایک اور پیچ ایجاد کیا جسکے دندانے ایک پہیہ کے دندانہ دار محیط کے دندانون کے اندر کام کرتے تھے۔ آتشی شیشہ کی شکل ایسی بنائی کہ جب سای راکیوز کو رومیون کے بیڑے نے محاصرہ کیا تو اس مین اس شیشہ سے آگ لگادی +

(۱۳) ایراطوس تھی نیز۔ اپولونی یس۔ ہپارکس۔

ایراطوس تھی نیز مدرسہ اسکندریہ کے کتب خانہ کا داروغہ تھا۔ اوسنے بڑی بڑی بکار آمد مصنفات تصنیف کین خط سرطان و خط جدی کے درمیانی فاصلہ کا تشخیص کرنا اسی کا کام تھا کل زمین کی مساحت مین اوسنے کوشش کی۔ اوسنے روے زمین کو اقالیم مین تقسیم کیا۔ پہاڑون کے سلسلون کے مقامات تحقیق کئے۔ بادلونکے کامونکو بیان کیا۔ پانی کے اندر زمین کے داخل ہونے کو اور سمندر کے اندر سے زمین کے باہر نکلنے کو علم طبقات الارض کے موافق بیان کیا۔ آبناے داردنیلز کو جو ایشیا و یوروپ کے درمیان ہے اور آبناے جبرالٹر کو دریافت کیا اور سمندرون کے تعلقات کو دکھلایا۔ ریاضیات و تواریخ کے موافق زمین کا بیان تین کتابون مین لکھا۔ زمین جسقدر اس وقت معلوم تھی اوس کا نقشہ بنایا۔ اوس نے شاہان مصر کی تاریخ بقید ازمنہ لکھی تھی وہ مدتون تک مذہبی تاریخ بقید ازمنہ کے سبب سے بیکار پڑی رہی

خیالی باتین بہ نسبت عقلی باتون کے زیادہ من بہلاؤ ہوا کرتی ہین جب اسکندریہ مین عقل کا ضعف پیدا ہوا تو ان قواعد فلسفیہ کا تسلط ہوا جنمین کاہلی سے کام پڑتا تھا اور وہ قواعد نکال لیے گئے جنمین مشاہدات کی محنت اور عقلی عمل کی مشقت سے کام پڑتا تھا جدید افلاطونیہ مدارس قائم ہوئے جنمین علوم مکتومہ کے سوچنے والون کا اژدھام ہوا اور قدیمی میوزیم بے سخت جفاکش مہندسون کے قائم مقام وہ علماء ہوگئے جو خیالات سے ہی کام رکھتے تھے اونمین سے بعض نے بڑی شہرت حاصل کی۔

(۱۰) مادی سائنس یعنی علوم طبعیہ میوزیم مین ⁂

مدرسہ اسکندریہ ہی پہلی مثال اس نظام علمیہ کی ہے جو زمانہ حال مین عالمان طبعیات کے ہاتھ آئی ہے جسکے سبب انھون نے آج کل عجیب و غریب نتائج دکھارکھے ہین جنہون نے خیال کو بالکل ترک کیا ہے اور واقعیتون سے جو تجربات اور مشاہدات سے معلوم ہوتے ہین اور علوم ریاضیہ سے وہ تھیوری یعنی مسائل نظری بناتے ہین۔ اسی اصول پر بڑا زور لگایا گیا ہے کہ نیچر کے مطالعہ کرنیکا صرف یہی صحیح طریقہ ہے کہ خود نیچر سے استفسار اور استفہام کرین۔ ارشمیدس نے جو ثقل نوعی مین تحقیقات کین اور ٹولومی نے جو علم مناظر و مرایا مین تدقیقین کین وہ بالکل مشابہ زمانہ حال کے فلسفیہ تجربیہ کے ہین اور متقدمین مصنفین کی پریشان خیالی کی متضاد ہین۔ لاپلاس لکھتا ہے کہ مدرسہ اسکندریہ سے قبل صرف علم ہیئت مین نقطہ اعتدال ربیعی کو سنہ ۳۰۰ ق م اہل یونان نے تحقیق کیا صرف یہی ایک مثال قابل توجہ ہے۔

اول یہی زمانہ ہے کہ مدرسہ اسکندریہ کے مشاہدات کے نظام مین زاویون کی پیمائش مین آلات کا استعمال کیا اور علم مثلث کی ترکیب کے موافق انکا حساب لگایا گیا جسکے سبب سے علم ہیئت کی فقط تکمیل متاخرین کے لیے باقی رہی۔

اس مختصر مین گنجایش نہین کہ ہم مفصل بیان کرسکین کہ اسکندریہ کے میوزیم نے انسان کے لیے کسقدر سرمایہ علمی جمع کیا مگر ہان اسقدر مختصر بیان کیے دیتے ہین کہ اس میوزیم کا ایک چھوٹا سا فوٹوگراف طلبہ کے تصور مین آجائے +

(۱۱) اقلیدس اور ارشمیدس

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ فلسفہ ستوئکیہ مین یہ امر مشتبہ ہے کہ حق مطلق تحقیق ہو جبکہ ہم یونان ان شبہات مین مبتلا تھا کہ اقلیدس نے کتاب لکھی جسکا نام تحریر اقلیدس مشہور ہے اور اسنے کل انسانون سے کہہ دیا کہ اگر کسی کو اس کے حق ہونے مین شبہ ہو تو میرے سامنے آئے اسکی کتاب جسکی تصنیف پر بائیس سو برس ۲۲۰۰

اسکندریہ کے میوزیم مین کی سی بی ئیس نے آتشی انجن ایجاد کیا جسکو اسکے شاگرد ہیرو نے ترقی دی کہ اہمین دو سطوانہ قائم کئے - اسطرح دخانی کل کا اول ایجاد ہوا اُسنے اور اپولونی ئیس نے پانی کا گھنٹہ ایجاد کیا تہا جسنے پانی کے قطرون کے نکلنے سے وقت کا اندازہ کیا جاتا تھا جب مصری تقویم بیکار ہوگئی تو جولیس سیزر نے سوسی جی نیس کو اسکندریہ سے بلوا کر تقویم کو درست کرایا اور وہ تقویم قیصری کے نام سے مشہور ہوئی +

(۱۵) بطلیموسیونکی پولیسی یعنی شاہان مصر کی تدابیر مملکت

اہل یونان اپنی فتوحات عظیمہ کے سبب سے ساری دنیا کی قومون مین سب سے زیادہ سرافراز ہوگئے انمین سے اہل مقدونیہ تے جو ملک مصر مین فرمانروائی کی اونپر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اونہون نے مذہب کے ساتہ برا سلوک کیا اور اپنی حکومت کے لئے مذہب کی بری مدارات کی - عاقلون کو اونہون نے فلسفہ سکہایا اور احمقون کو مذہبی آڑ مین غلام بنایا - اونہون نے دیکھا کہ اونکے باپ دادا کا جو ملک تھا اوسکے خرافات خیالات محض کہانیون مین باقی رہے ہین - قدیمی شاعرون نے جو خیالات تعجب خیز و حیرت آمیز پیدا کئے تھے وہ بالکل بے اصل دہوکے کی ٹٹی نکلے - اولمپس کے دیوتا غائب ہوگئے جو دراولمپس محض خیالی پتلا نکلا - حادیس (برزخ) کا خوف بہی اُٹہ گیا - ہمین اسکے لئے عالم مین جگہ باقی نہین ہے اور شاہانہ جنگلون دریاؤن گوشون سے مقامی دیوتا اور دیبیان جنبت نبنے - یہانتک کے اونکے معتقدین کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ معلوم نہین وہ یہان رہتے ہی تہے یا نہین - ایران مین بہی انقلابات سلطنت سے مذہب مین تغیرات واقع ہوئے - زردشتی الہامات کی بجاے وہ دو خدا اہرمن و یزدان کو ماننے لگے - جب ملکی انتظام جدید ہوا تو وہ مانیچی یعنی مانی کا مذہب ماننے لگے آتش پرست و آفتاب پرست ہوگئے پہاڑون مین آتش کدے بنانے لگے جنمین ہروقت آگ دہکتی رہتی تہی جب سکندر نے ایران پر حملہ کیا ہے تو ایرانیون کا مذہب ہمہ اوست کا تہا - غرض مذہبی سارے کارخانے ٹھنڈے ہوئے - مصر مین وہ عمارات جو دیوتاؤن کی شان و عظمت کے لئے بنائی گئی تہین ڈہائی گئین - بت کدے اجنبی فتح کرنیوالون کی تلوارون سے منہدم ہوئے - بتون مین جان باقی نہین رہی جو اونپر اعتقاد باقی رہتا - اسکندریہ کے بازارون اور دکانون مین ہزارون یہودی رہتے تھے وہ اپنے ہی خدا کو بہول گئے کہ وہ انکی عبادتگاہ کے حجاب کے پیچھے رہتا ہے - یورپ کو خرافات کی احادیث کا - ایشیا کے الہامات کا مصر کے معتقدات کا جلدہی تنزل ہوگیا بطلیموسیون کو معلوم ہوگیا کہ معتقدات مذہبی کیسے سریع الزوال ہین - بطلیموسیون نے

مگر اب اسکی بڑی قدر کی جاتی ہے اور اوسکا اگر اور مذہبی تاریخ بعید ازمنہ لغو سمجھی جاتی ہین۔ اسکی کچھ ضرورت نہین ہے کہ حکماء اسکندریہ کی ان دلائل کو بیان کرین جنسے کہ وہ زمین کی کرویت ثابت کرتے تھے۔ وہ کرہ کی حقیقت سے خوب ماہر تھے قطبین و محور و خط استوا و دوائر قطبیہ نقاط اعتدال ۔راس السرطان ۔و راس الجدی تقسیم اقالیم جو حرارت و برودت و اعتدال کے اعتبار سے ہے خوب واقف تھے۔ ابولونی لیس نے رسالہ تراشہاے مخروطی یا فصل مخروطی اور حد زیادتی و کمی کے باب مین لکھا۔ بیضوی اور بعید البیضوی کے الفاظ اسی نے اول وضع کئے ہین۔ ہپارکس نے نقاط اعتدال کی یعنی ان نقاط کی جنپر معدل النہار طریق الشمس کو قطع کرتا ہے حرکت دریافت کی۔ اسی حکیم نے چاند کا اوسط حرکت سے انحراف کرنا اور مساوات مرکزی یعنے کسی سیارہ کی حرکت کو دائرہ مین مانکر اوسکے مقام کا فرق کا دریافت تحقیق کیا۔ اسنے فلک تدویر و فلک خارج المرکز کے اصول کو قایم کیا۔ ستارونکی فہرست بنائی جس سے معلوم ہو کہ کونسے ستارے بظاہر ایک خط مستقیم مین معلوم ہوتے ہین اس فہرست مین ۱۰۸۰ ستارے تھے۔ اسنے آسمان کا نقشہ بنایا جسمین ان ستارونکے نام اور مقام معلوم ہوتے تھے۔ روے زمین کا نقشہ ایسا بنایا کہ اسمین شہرون کے مقام معلوم ہوتے تھے خطوط طول و عرض بلد اس مین مرتسم تھے۔ یہی اول شخص تھا جسنے چاند سورج کی زیچ بنائی +

(۱۳) مجسطی بطلیموسی

مہندسین ہیارت دانون علماء طبیعین کے ستارون مین ٹولومی (بطلیموس) آفتاب کی طرح چمکتا تھا اسنے وہ کتاب عظیم لکھی جسکا نام مجسطی ہے جسمین افلاک کا بیان ریاضیہ لکھا ہے۔ پندرہ سو برس تک اوسکے اصول قائم رہے۔ نیوٹن کے برنسی پیا نے اوسکی بنیاد مین خلل ڈالا۔ اس کتاب مین اول لکھا ہے کہ زمین کی شکل کروی ہے اور وہ فضاء عالم مین ساکن ہے۔ اسنے راس الجدی و راس السرطان مشاہدات کے لیے ادوات اور آلات کی فہرست مرتب کی۔ اوسنے طریق الشمس کے ترچھے ہونے کو ثابت کیا۔ اوسنے افق پر ایک عمود قائم کر کے آفتاب کے سایہ کی پیمائش کر کے اسکا ارتفاع افقی دریافت کیا۔ اقالیم کا بیان باعتبار حرارت و برودت و اعتدال لکھا اسنے معمولی وقت کو سال کوکبی مین تحویل کرنے کا قاعدہ بنایا اور سال شمسی کو سال کوکبی پر ترجیح دی۔ نظام بطلیموس کا پورا بیان ہم علم ہیارت کی کتاب مین کرینگے۔

(۱۴) دخانی کل کا ایجاد و وقت کا اندازہ

باب دوم

عیسائی مذہب اور سائینس کی رزم و بزم

(۱) سائینس اور عیسائی مذہب کی مباینت و معاندت

مذہب مسیحائی اور سائنس مین مباینت تھی۔ اس مذہب کے علماء کا یہ عقیدہ تھا کہ کتب مقدسہ اور احادیث کلیسا مین کل علم موجود ہین۔ الہامی نوشتون مین جو کچھ ہمکو جاننا چاہئے تھا خدا نے بتلا دیا ہے وہ کافی ہے کسی اور علم کی ضرورت نہین۔ کتب مقدسہ کل علوم کا مجموعہ ہے اور انہین کل علوم کی علت غائی موجود ہے علم کی بدولت حضرت آدم جنت سے نکالے گئے ہین اس لئے علم کے حاصل کرنے کی بہت قیود ہین علم مین کوئی چیز سانپ کی سی ہے جو پھنکارے مارتی ہے۔ حضرت سلیمان فرماتے ہین کہ بہت کتابین بنانے کی انتہا نہین ہے اور بہت پڑھنا جسم کو تھکاتا ہے بہت حکمت مین بہت دقت ہے جسکا عرفان زیادہ ہوتا ہے اسکا دکھ زیادہ ہوتا ہے (واعظ کتاب ۱ باب ۱۲ آیت ۱۹ باب ۱۸ آیت) پولوس مقدس ارشاد کرتے ہین کہ بیہودہ فلسفہ سے آدمی خراب ہوتا ہے عرفان پھولاتا ہے پر محبت بڑھاتی ہے (۱۔ قرنتیون باب ۸ آیت) تجربہ بتلاتا ہے کہ عالم ہمیشہ بے دین اور بدعتی ہوتے ہین وہ مسبب الاسباب دل کو بھول جاتے ہین اور اور اسباب ثانیہ پر توکل کرنے لگتے ہین۔

علماء مذہبی نے علم کے دو نام رکھے تھے منقولات مذہبی کے علم کو وہ متبرک و مقدس کہتے تھے اور علم معقولات کو پلید و ناپاک غرض ان دونو علمون کے عالم میدان جنگ مین مسلح ہو کر آئے اور خوب لڑے۔ ایک نے عقل انسانی کو دوسرے نے الہام ربانی کو اپنا مورچہ بنایا خوب لمبے گولے چھوڑے مرشدان مذہبی الہامات پر بھروسہ کرتے معقولی حکماء الہی حکمت پر +

کلیسا نے علم کا اجارہ لے لیا تھا وہ خود حاکم بن کر جو چاہتا فیصلہ کرتا اور اپنے فیصلہ کی تعمیل زبردستی سلطنت کی حمایت لیکر کراتا اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ آئندہ زمانہ اسکے اختیار مین آگیا اور ایک ہزار برس سے زیادہ تک یورپ کی عقلی ترقی کا سنگ راہ رہا اسکو بڑھنے نہین دیا +

جب روم کے شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب اختیار کیا تو مذہب اور سلطنت دونو متحد ہو گئے اس اتحاد کا نتیجہ یہ تھا کہ مذہب مین بت پرستی اور خرافات یونانیہ بڑھ گئے جس سے عیسائی مذہب کا تنزل ہو گیا۔ یہ مقولہ جیسا کہ مکینک مین صادق آتا ہے ایسا ہی تمدن و معاشرت مین کہ جب دو جسم ٹکراتے ہین تو

سوچا کہ کوئی چیز ایسی ہے کہ وہ صور مذہبیہ سے زیادہ دیرپا ہے اونہون نے سمجھا کہ اس بے اصل سریع الزوال دھوکون کے عالم مین صدق جاوید کا بھی ایک عالم موجود ہے۔ دنیا کی تحقیقات اُن احادیث واہیہ سے نہین ہوتی جو ہم تک اُن پہلے آدمیون کی راویون کو ہم تک پہنچاتی ہین کہ تہذیب کی حالت طفلی مین رہتے تھے اور نہ ان اسرار دانون کے خوابون سے جو اپنے تئین ملہم کہتے تھے۔ دنیا کی تو تحقیقاتین علم ہندسہ سے اور تجربے استفسارات اور استفہامات کرنے سے ہوتی ہین وہ بے شمار مستحکم بے بہا برکات انسانیت کو عطا کرتی ہین کبھی وہ زمانہ نہین آئیگا کہ اقلیدس کی کسی ایک شکل سے بھی انسان کو انکار کرنے کی مجال ہو۔ کوئی شخص زمین کی کرویت پر جو ایراطوس تھی نیس نے ثابت کی ہے اعتراض نہین کریگا۔ کبھی عقل اجازت نہین دیگی کہ اسکندریہ اور ساری رسے کیوزیمن جو بڑے بڑے مادی ایجادات اور انکشافات ہوئے وہ فراموش کئے جائین۔ ہپارکس۔ ایو لونی ایس بطلیموس ارشمیدس کا نام جب تک انسان مین قوت ناطقہ باقی ہے ادب و تعظیم کے ساتھ لیا جائیگا۔

(۱۶) میوزیم اسکندریہ اور زمانہ حال کا سائنس

اسی میوزیم مین زمانہ حال کے سائنس کی آنول نال کٹی ہے یہین اسکی جنم بھوم ہے۔ یہ سچ ہے کہ اوسکے قائم ہونیسے قبل چین و میسوپوٹامیا جزیرہ مین علم ہیئات کے مشاہدات ہوئے تھے اور ہندمین علوم ریاضیہ نے ایک حد تک نشو و نما پایا تھا مگر ان ملکون مین سے کسی ملک مین تحقیقات کی صورت مربوط و منضبط نہ تھی۔ تجربات مادیہ کی طرف رجوع نہین کی جاتی تھی۔ اسکندریہ کے میوزیم مین علوم کی وہی صورت تھی جو اب زمانہ حال مین سائنس کی حالت ہے کہ وہ بالکل تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے اور تجربے سے عملی استفسارات اور استفہامات کرکے اسپر اعتبار و اعتماد کیا جاتا ہے +

(۱۷) اوپر کے بیانات کا ماحصل

یہ سائنس اور مذہب کی اول رزم کا بیان ہے۔ یونانی سائنس کے موجد لوگ تھے۔ انھین کے مذہب کو سائنس نے ایسا اڑا دیا جیسا کہ گدہے کے سر پر سے سینگ اُڑ گئے۔ گو مذہب نے اسپر ظلم و ستم کئے مگر وہ کبھی مذہب کا ہمرزم نہ ہوا۔ لڑتا رہا آخر کو میدان جنگ اسکے ہاتھ رہا اور اسنے یونانی مذہب کا نام و نشان باقی نہ رکھا جڑ پیڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اب اس کی دوسری رزم عیسائی مذہب سے بیان کرتے ہین +

اوسپر حملہ کیا اوسکو برسر بازار برہنہ کیا چرچ مین اسکو گھسیٹتے ہوئے لے گئے - اور وہان پیطر دی ریڈر کے عصاء سے اس بیچاری عورت کو مار ڈالا - لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے - سنکھہ سے لاش کے گوشت کو ہڈیون سے جدا کیا - ہڈیون کو آگ مین ڈال دیا - اس سخت جرم پر بھی بشپ صاحب سے باز پرس نہ ہوئی بلکہ وہ ثواب کا کام سمجہا گیا + ہمیشہ عیسویت نے فلسفہ کے خلاف مین بہت کچھہ کارروائی کی ہے قسطنطین اول نے بت پرستون کی جنمین فلسفی بھی تھے عبادت گاہین گرادین اور فلسفہ اور طب کے مدرسے بند کردئے - والن ٹی نین بادشاہ نے حکماء پر جادوگری کا الزام لگا کے بہت ستایا اور لوگون نے ڈر کے مارے خود فلسفی کتابین پھاڑ ڈالین اور جلادین - تھیوڈوسیوس بادشاہ نے فلسفیون کو بہت ستایا اور یوستی نیوس نے تو فلسفہ کا خاتمہ سے کردیا - اسکا زمانہ سلطنت شرقیہ قسطنطنیہ مین چھٹی صدی مین ۵۲۷ء سے ۵۶۶ء تک ہے - فلسفہ یونان کی تعلیم منع کردی تھی اور ملک یونان کے شہر اسے تھنز مین فلسفی مدرسے اور تعلیم گاہین بند کردی تھین جہان وفیانوس فیلسوف (پیدائش ۴۱۲ء وفات ۴۸۵ء) کی وجہ سے فلسفہ مین کچھہ رونق آچلی تھی ۵۲۹ء مین اس بادشاہ نے مدارس فلسفہ بند کئے - اور فلاسفہ کو ستانا شروع کیا تو حکیم پروقلس کے سات شاگرد یونان سے جلاوطن ہوکر خسرو نوشیروان عادل کے دربار مین چلے گئے تھے +

آگسٹس نیان ڈر مورخ نے لکھا ہے کہ جب شہنشاہ مذکور نے معلوم کیا کہ شہر اثینیہ (اسے تھنز) مین ہنوز بت پرستی جاری ہے اور بت پرست فلاطونی مسلک کے اسلئے ہنوز وہان تعلیم دیتے ہین تو اس مقام مین فلسفہ کے درس کو بند کردیا - ان مصیبتون کی وجہ سے وہان کے بت پرست فلوسفرون نے جنمین دمسقیوس اور ایسی دوروس اور مشہور سمپلی قیوس بھی تھے خسرو شاہ فارس کی پناہ لینے گئے جسکے فلسفہ دوست ہونے کے مبالغہ آمیز خبرین انکو ملی تھین اس بادشاہ نے سچ ہے کہ انسے دوستانہ سلوک کیا مگر انکی توقعات کسی طرح پوری نہین ہوئین - پارسیت انکو اسیقدر کم مطبوع خاطر تھی جسقدر عیسویت اور اونکو یونانی رسم و عادت کی بڑی خواہش تھی خسرو نے اپنے صلحنامہ مین شاہنشاہ یوسطنیانوس کو مجبور کیا کہ وہ انکو ممالک رومیہ مین آزادانہ رسوم مذہبی ادا کرنے دے +

بعض مورخ یہ بھی لکھتے ہین کہ ۵۳۳ء مین یہ حکما پھر یونان کو واپس آئے اور بعدہ افریقہ کے جنگلون مین منتشر ہوگئے اور وہین مرکھپ گئے - ان سات حکیمون کے نام یہ ہین -

دیوجانس - دمسقیوس - ہرمیاس - اسی دورس - ابلالیوس سمپلی قیوس - پرسس گیلن - اور ان ساتون حکیمون کا شاگرد یا جانشین کوئی نہین ہوا - اور انہین پر گویا کہ ان علوم فلسفیہ کا خاتمہ ہوگیا - جو چھہ سو برس پہلے قبل میلاد مسیح سے

دونو کی صورت مین تغیر واقع ہوتا ہے بت پرستی نے عیسائی مذہب کی صورت مین اور عیسائی مذہب
نے بت پرستی کی صورت مین تغیر پیدا کیا۔

(۲) اسکندریہ کے کتب خانہ کو عیسائیونکا برباد کرنا

تھی او ڈوسی اس شہنشاہ روم کے زمانہ مین یونانی زبان کی تعلیم مغربی سلطنت روما مین جاتی
رہی اسوقت اسکندریہ مین تھی او فلس بشپ تھا۔ قدیمی مندر اوسی رس کا شہر مین عیسائیون کو گرجا
بنانے کے لئے دیا گیا تھا عمارت جدید کے لئے جو بنیاد کھودی گئی تو اتفاق سے اس مین قدیمی
عبادات کے نشانات نکلے جنکو بشپ نے شہر کے بازارون مین تشہیر کراکے بڑی تذلیل کی جسپر بت پرستو
کو اشتعال طبع ہوا اور اونہون نے ہنگامہ فساد برپا کیا انکا سیری پی آن صدر مقام تھا۔ خونریزی
اور دنگہ فساد کی نوبت یہانتک پہونچی کہ شہنشاہ روم کو دخل دینا پڑا۔ اسنے سکندریہ کو لشکر روانہ کیا
اور بشپ کو حکم بھیجا کہ وہ اس مقام کو تباہ و غارت کر دے۔ اوسنے حکم کی تعمیل کی جس کے سبب سے
اس مقام مین وہ کتب خانہ جو بطلیموسیون نے جمع کیا تھا اور وہ جولیس سیزر کی آگ سے محفوظ رہا
تھا پراگندہ و پریشان ہوگیا۔ ارسیوس ایک عیسائی مورخ نے جو اسپین سے مصر کو ۱۴۱۶ء مین
گیا تھا۔ اس بتخانہ کی تباہی کے بعد کتب خانہ کو جا کر دیکھا تو وہ لکھتا ہے کہ مینے خالی الماریان کتبخانہ کی دیکھین

(۳) ہائی پی شیا کا مارا جانا

بشپ تھو فلس کے بعد اسکا بھتیجا سائی ریل اسکندریہ مین بشپ ہوا۔ اس کا وعظ بہت
لوگونکو پسند تھا۔ اسنے حضرت مریم کو معبود بنایا۔ ایک عورت ہائی پے شیا دختر تھیون مہندس کی
بڑی عالمہ تھی وہ افلاطون اور ارسطو کے مسائل کو براہین کے ساتھ بیان کرتی تھی اور مہندسین کی
تصنیفات کی خوب تشریح اور تفسیر کرتی تھی۔ ہر روز اسکی اکاڈمی (درس گاہ) کے آگے سواریون کا
ہجوم رہتا تھا۔ دولتمند اور وضعدار آدمی اوسکے لکچرون کے سننے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اور
اسنے یہ سوالات پوچھتے تھے کہ مین کیا ہون ؟ مین کہان ہون ؟ مین کیا جان سکتا ہون۔ اسکے
جواب وہ دیتی تھی اور سامعین شوق سے سنتے تھے یہ سوالات ہر زمانہ مین پوچھے گئے مگر کسی نے اسکا
جواب ابتک کافی نہین دیا۔

فلسفہ اور تعصب ساتھ نہین رہ سکتے تھے سائی رل کا تعصب مذہبی۔ ہائی پی شیا کے فلسفیانہ وعظونکا
کب متحمل ہوسکتا تھا۔ یہ عورت اپنے اکاڈمی (درس گاہ) کو جاتی تھی کہ بشپ کے راہبون کے ایک گروہ نے

بڑے گرم رہتے تھے۔ اور علوم فلسفیہ کو نہایت رفعت و متانت حاصل تھی جب روم مین سچے دین
نے قدم رکھا تو اسنے علم حکمت کے علم کو سرنگون کردیا۔ اسکے نشانات اور علامات کو مٹا دیا۔ اس کے
طریقون کو بگاڑ دیا جو بالعین یونانیون نے ظاہر کی تہین اونکو مخفی کردیا۔ اور متقدمین نے جن امور
کی توضیح کی تھی اونکو پوشیدہ کردیا اور خاک مین ملادیا۔ مگر عیسائیون نے علوم حکمیہ مین سے
صرف علم موسیقی کو اسلئے باقی رکھا کہ وہ غذا روحانی اور حظ نفسانی تھا طبیعت کو اوس سے مسرت
اور اوسکی سماعت کی طرف رغبت ہوتی ہے حکمت اوسکی شرافت اور نفاست محل پر آگاہ کرتی ہے

دوم ۳۷۷ھ مین ابن ندیم محمد بن اسحاق کتاب الفہرست مین لکھتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام
کی شریعت سے قبل یونانیون اور رومیون مین فلسفہ درس مین جاری تہا مگر جب اہل روم نے مذہب
عیسوی اختیار کیا تو اونہون نے فلسفہ کی ممانعت کردی اور فلسفہ کی بعض کتابین خراب کین اور
ممانعت کی کہ کوی آدمی فلسفہ کی کسی شئی کا ذکر نہ کرے اسلئے کہ شرائع نبویہ کی ضد علوم فلسفہ ہے۔

سوم ۸۰۸ ہجری علامہ عبدالرحمن ابن خلدون اپنی تاریخ مین علوم عقلیہ کے بیان مین ذکر
کرتا ہے کہ ہم جانتے ہین کہ اسلام سے پہلے دو قومین فارسی اور رومی دولت مین بڑی عظمت رکھتی تھین
اور ان مین علوم عقلیہ کی بڑی گرم بازاری رہتی تھی وہ بڑی قومین تہین اور دولت اور سلطنت موفور رکھتی تھین ان
شہرون مین علوم کے بحر ذخار بہتے تھے کلدانی اور اونسے پہلے سریانی اور اونکے معاصرین قبطی سحر و نجوم
اور اونکے تابع علم طلسمات پر بڑی توجہ کرتے تھے۔ اور یہ لوگ یہ علوم فارس اور یونان مین پہنچے قبطیون
کے ساتھ یہ علوم مخصوص ہے اور ان ہی پر ختم ہوگئے چنانچہ قرآن مجید مین ہاروت اور ماروت کا
قصہ سحر مذکور ہے اور اہل علم نے برابی مصری کے حالات کو نقل کیا ہے۔ بعد اسکے جو ملتین ہوئین
اونہون نے اس علم کی ممانعت کی اور اس کی حرمت بیان کی۔ پھر یہ علوم ایسے مندرس ہوگئے
کہ گویا تھے ہی نہین اور جو قدرے باقی رہ گئے وہ وہی علوم تھے جنکو اس صناعت والی نقل کر
چلے آئے ہین اسکی صحت پر خدا کو علم ہے ان علوم کے پشتون پر انکے قلع و قمع کے لئے شرعی تلوار
کھنچی رہتی تھین اور اونکے اختیار کرنے کی مانع تھین۔ فارس مین علوم عقلیہ کی شان بڑی عظمت وسعت
رکھتی تھی کیونکہ اونکی دولت اور سلطنت بہت بڑی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یونان مین علوم عقلیہ
اسوقت سے آئے کہ سکندر نے دارا کو قتل کیا اور مملکت کیانیہ پر اوسکا تسلط ہوا اور اونکی کتابین اور علوم بے
جنکا حصر نہین ہوسکتا قبضہ کیا۔

روم کا حال یہ ہے کہ یونان مین اول تو رومیونکی سلطنت رہی اور ان علوم کی وہان بہت ترقی ہوئی تھی

شروع ہوئے۔ عیسائی قیصران روم علمی طبابت کے مخالف تھے۔ اور مذہبی یا جاہلی طبابت یعنی انار کی طبابت کے قائل تھے۔ جھاڑ پھونک۔ جنتر منتر۔ گنڈے تعویذ کا عمل موجب صحت سمجھتے تھے اور معجزہ و کرامات و استحضار جنات اور تسخیر روحانیات کے ذریعہ سے امراض سے نجات پانے پر مائل تھے۔ برکات اور درگاہجات اولیاء اللہ کے مس کرنے اور مشائخ مسیحین کی قبور پر جانے سے شفا حاصل ہونے کا یقین کرتے تھے اور رفع امراض کے لئے ان ہی بزرگون سے دعا و استعانت و استغاثہ کرتے تھے۔

قسطنطین اول نے جو سب سے پہلا اور بڑا عیسائی قیصر روم گذرا ہے (جسکا زمانہ ۳۰۶ء سے ۳۳۷ء تک تھا) قدیم اور مشہور مطب سقلابیون کو بند کر دیا تھا۔ اگرچہ رومی عیسائی قیصرون نے بیمارون کے لئے بہت کچھ سامان آسائش و آرام کا مہیا کر دیا تھا اور بیمارستانون کا باضابطہ قیام اور مسلسل انتظام ان ہی عیسائی بادشاہون کی بدولت ہوا۔ مگر طبابت کا کام یعنی امراض کی شفا اونہون نے اُن یونانی اور مصری طبیبون سے جو فلسفی حکیم اور صاحب علم و عمل تھے نہین لیا بلکہ یہ کام پادریون کے حوالہ کیا جو ہر قسم کے علوم و فنون سے بے بہرہ تھے۔ اور فن طبابت کو علمی طور سے نہین جانتے تھے اور بعوض تشخیص مرض و تجویز دوا و نسخہ نویسی یا عمل جراحی خرق عادت کے طور سے شفا دیتے تھے اور جھنڈ منتر کے زور سے مرض رفع کرنا جانتے تھے اور جسطرح کہ پہلے زمانہ بت پرستی (وثنیت) مین بتخانون مین عوام الناس شفا حاصل کرنے کی غرض سے جایا کرتے تھے اب عہد عیسویت مین قبور مشائخ مسیحیہ کی زیارت اور طواف سے طالب شفا اور استشفاء کرتے تھے ان واقعات سے اسکندریہ مین یونانی فلسفہ کا خاتمہ ہوگیا جس علم کی بطلیموسیون نے بلند پایہ پر پہنچایا تھا اوسکی نا وقت موت آگئی۔ سیرپی ان کا کتب خانہ جو اسکندریہ کے کتب خانہ کی دختر کہلاتا تھا پراگندہ پریشان ہوگیا ہائی پے شیا کی بے رحم قتل نے معقولات کے علم کے شائع کرنے والون کو متنبہ کر دیا۔ یہ حال ۴۱۵ء کا ہے۔ اسے تھوڑے ہی عرصہ مین فلسفہ اپنی قسمت کا انتظار کر رہا تھا شہنشاہ ٹہیوڈوسیس نے آخر کو حکم دیدیا کہ شہر مین سارے مدرسے جنمین فلسفہ سکھایا جاتا ہے بند کر دئے جائین +

(۴) ان واقعات مین سے بعض جو مسلمانون نے اپنی تواریخ مین بیان کئے ہین

اول ۳۴۶ ہجری ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی مروج الذہب و معدن الجواہر مین تحریر کرتا ہے کہ یونانیون کی سلطنت تک تو علم حکمت اپنے پایہ بزرگ سے گرا نہین اور رومیون کی ابتدائی سلطنت مین علوم فلسفیہ جاری رہے علماء کی نہایت تعظیم و حکما کی غایت تکریم ہوتی تھی۔ طبعیات و جسم و عقل و نفس و تعالیم اربعہ یعنی علم ارثماطیقی (علم اعداد)۔ علم جومطریقی (علم ہندسہ) علم مساحت و ہندسہ استرنومیا (علم نجوم) اور علم موسیقی (علم تالیف لحون) کے باب مین اونکی آراء تسلیم کی جاتی تھین علوم حکمیہ کے بازار

سمجھا جائے ۲ اس سائینس نے کل روحانی وقدرتی مظہرات کو انسان کے کامون کے مشابہ کردیا ازلی
خدا مین صرف انسان اکبر کو دکھا دیا۔

اس سائینس مین زمین بسیط سطح بیان کی جاتی ہے جسکے اوپر آسمان کا برج قائم ہے سینٹ آگسٹاین فرماتے ہین کہ وہ کھال کیطرح تنا ہوا ہے اور اسمین سورج چاند تارے اسلئے پہرتے ہین کہ انسان کو ونرات روشنی پہونچائین۔ خدا تعالی نے زمین کو معدوم سے موجود کیا ہے اور اسکے سب بسنے والون حیوانات اور نباتات کو کچھ دن مین پیدا کیا ہے۔ آسمان کے اوپر بہشت بنایا ہے اور زمین کے نیچے ایسے مقام پر کہ آتشناک اور تاریک ہے جہنم بنایا ہی۔ زمین کو مرکز عالم بنایا ہے وہ سبسے زیادہ عالم مین عظیم الشان ہے ساری اور چیزین اسکے ماتحت ہین۔ زمین کی مٹی سے آدمی بنایا گیا ہے۔ اول وہ مجرد تھا پہر اوسکی پسلی سے عورت پیدا کی گئی۔ دریائے فرات کے ساحل پر اسکا مسکن بہشت بنایا گیا۔ آدم بڑا دانا اور پاک تھا مگر اسنے ایک میوہ کھالیا جسکے کھانے کی ممانعت خدا نے کی تھی اس نافرمانی کی سزا مین خدا نے اوس کے لئے محنت اور موت مقرر کی مگر حضرت آدم کی اولاد اولے کے بھاوین بہی یہ سزا نہ ہوئی وہ بڑی شریر ہوئی اور ایسے پاپ کئے کہ اونکا مٹانا ضرور ہوا۔ اسلئے ایک طوفان آب وے زمین پر ایسا آیا کہ اوس کا پانی آسمان کی چوٹیون پر چڑہ گیا جب طوفان اپنا کام کرچکا تو اوسکا پانی ہوا سے خشک ہوگیا۔

اس حادثہ جانکاہ سے صرف نوح اور اوسکے تین بیٹے مع اپنی تین بیویون کے ایک کشتی مین بچ گئے جنمین سے سام نے ایشیا کو دوبارہ آباد کیا حام نے افریقہ کو اور یافث نے یوروپ کو بسایا مرشدان مذہبی کو یہ معلوم نہ تھا کہ امریکہ بھی دنیا مین ہے اسلئے اسکے آدمیون کے لئے کوئی جد بزرگ نہین مقرر کیا یا امریکہ ایشیا کے کسی حصہ مین داخل سمجھ لیا۔

لیکٹینٹی یس ایک بڑا ادیب کہتا ہے کہ زمین کی کرویت کا مسئلہ بدعت سیہ ہی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی ایسا واہی ہوجائے کہ اس بات کا یقین کرنے لگے کہ زمین کی دوسری طرف یعنی تحت الارض درخت اور کھیت اوندھے ہین جڑ اوپر پھلنگ نیچے اور آدمیون کے پاون اونچے سر نیچے جو لوگ زمین کے کروی ہونے کے قائل ہین اُنسے پوچھا جائے کہ تحت الارض چیزین کیون نہین گر پڑتین تو اسکا جواب وہ یہ دیتے ہین کہ اشیا کی خاصیت یہ ہی کہ جو اونمین بھاری ہوتے ہین وہ مرکز زمین کی طرف اور جو انمین ہلکے ہوتے ہین جیسے دہوان بادل آگ ہین مرکز زمین سے آسمان کی طرف جانے کا میلان رکھتے ہین۔ اب مین حیران ہون کہ انکی حماقت کی نسبت کیا کہون جو ایک دفعہ غلطی مین پڑکر اپنی حماقت پر جم گئے ہین اور ایک لغو رائے سے دوسری لغو رائے قائم کرتے چلے جاتے ہین۔ زمین تو ایک مستطیل فرش ہے جسکے گرداگرد سیدھی دیوارین کھچی ہوئی ہین اور اوسکے

اور انکا میدان بڑا وسیع رہا اور بڑے بڑے مشہور اور نامور آدمی ان علوم کے ماہر وہان رہے اور خاصکر حکماء مشائین تو علوم عقلیہ کے اراکین تھے اور ان حکماء مشائین مین سے اہل رواق تھے جنکا طریقہ تعلیم نہایت مستحسن تہا یہ لوگ ایک رواق مین جو انکو حرارت آفتاب اور سردی سے محفوظ رکھتا تھا پڑھتے پڑہاتے تھے اور اپنی سلسلہ تعلیم کی سند یہ بیان کرتے تھے کہ لقمان حکیم سے بقراط نے علم حاصل کیا اور بقراط سے افلاطون نے اور افلاطون سے ارسطو نے اور ارسطو سکندر کا معلم تہا جسنے ملک فارس کو فتح کر لیا۔

جب یونان کی حکومت جاتی رہی اور ان قیاصرہ روم کا اسپر تسلط ہوا جنہون نے دین عیسوی اختیار کیا تہا تو ان علوم نے یہان سے ہجرت کی کیونکہ ملل و شرائع کا اقتضاء یہی ہے کہ وہ علوم عقلیہ کو ترک کرین پس اسوقت سے ان علوم عقلیہ نے محض کتابون اور کتب خانون مین رہ کر اپنے خزانون کو باقی رکھا۔

جب قیاصرہ روم ملک شام کے بادشاہ ہوئے تو بھی ان علوم کی کتب معطل و متروک پڑی رہین۔ پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور اسلام کو قوت اور سطوت حاصل ہوئی جنکا مقابل اور ہمسر دوسرا کوئی نہ تھا۔ اور اہل اسلام نے روم پر قبضہ کیا اور سلطنت روم ضعیف ہو گئی اور صنائع وغیرہ سے اونکو غفلت ہو گئی

(۵) پادریون کا فلسفہ

سینٹ اگسٹاین یا اگستینس ایک عیسائی ولی گذرے ہین انکی تصنیفات سے ایک کتاب موسوم بہ اقرارات ہے جسکے دس بابون کا ترجمہ اردو زبان مین مرزا پور کے مشن نے کیا ہے اور آخر کے تین بابون کا ترجمہ چہوڑ دیا ہے جنمین زمین اور آسمان کے باب مین بڑے باریک باریک خیالات بیان ہوئے تھے۔ اس ولی نے سائینس اور مذہب کی عداوت کو بہت بڑہا دیا اور ایسی اپنی ایک مثال قائم کی کہ بہت سے اوسکے مقلد ہو گئے۔ اوسنے بائبل کو جسکا سچا اور اصلی طریق یہ تھا کہ وہ انسان کی زندگی کو متبرک و مقدس بنائے اس راہ سے موڑ کر ایک پرخطر مقام مین کھڑا کر دیا۔ یونانی حکماء اجل کی تصنیفات ناپاک اور پلید ٹھیرین۔ سکندریہ کے ذی شان کارہاء نمایان کے آفتاب پر جہالت کی گھٹا چھا گئی جسمین سے مذہب کے انتقام و حسد و عداوت کی بجلی چمکا کرتا تھا اور غیر مسیر گیت باتون کی گرج گرجا تا جو سمجھ مین نہ آتی تہی

الہام الہی جو سائنس مقرر کرے اسمین کوئی تغیر نہین پیدا ہو سکتا ہے نہ وہ بہتر ہو سکتا ہے + نہ اوس کی ترقی ہو سکتی ہے۔ جدید تحقیقاتون کا وہ مانع ہوتا ہے کیونکہ وہ اس امر کو جائز نہین سمجھتا کہ ارادہ الہی مین جن باتون کا انسان سے چہپانا منظور ہو اُن کو انسان منکشف کرے بس انسان پر تحقیقات جدید کا دروازہ بند کرتا ہے ؛

کیا یہ بات متبرک و مقدس ہے کہ مرشدان مذہب جس سائنس کو الہامی قرار دین وہ کل علوم کا مجموعہ

اپنی معینہ راہون مین چلتے ہین انمین شمالی ستارے چھوٹے دائرہ مین چکر کرتے ہین آسمان اعلیٰ سب
حدود رکھتا ہے اسپر صفات ملکیہ رہتی ہین جو پتھر کا جسم بنا کے زمین پر آتے ہین اور خدمات انسانی
بجالاتے ہین اور پھر واپس چلے جاتے ہین۔ آب یخ بستہ سے آسمان کا مزاج معتدل کیا گیا ہے مبادا
کہین اسمین آگ نہ لگ جائے۔ آب بالا کو آب زیرین سے سما دنیا جدا کرتا ہے۔ یہ آب سمائی آسمان
روحانی سے نیچے ہے اور کل اشیاء جسمانی سے اونچا ہے بعض کہتے ہین کہ طوفان ثانی کے لئے یہ
پانی امانت رکھا گیا ہے اور جو زیادہ سچ بولتے ہین وہ کہتے ہین کہ ثوابت کی آتش مزاجی کو یہ پانی
معتدل رکھتا ہے۔

عقل کے برخلاف ان باتون نے جو جہالت نے دلیری کے ساتھ پیدا کی تھین فلسفہ یونان کو
اڑا رکھا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد بڑے بڑے عیب و صواب مین مصلحین پیدا ہوئے کہ جنہون نے
ان اغلاط کو رفع کیا اور مذہبی اور فلسفی تحریرات کا آپسمین مقابلہ کرکے محاکمہ کیا اور عیسائیون کو بتلایا
کہ یہ اوپر کی ساری باتین مذہب سے کچھ تعلق نہین رکھتین انکو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھا کرو۔

اس مغرورانہ نظام مین سب سے زیادہ عجیب و غریب منطق اور براہین منطق تھین۔ اسکی سب سے بڑی
برہان قطعیہ معجزات کی شہادت تھی۔ ایک واقعیت کا اثبات کسی دوسری حیرت انگیز کی توضیح سے
کیا جاتا تھا۔ ایک عرب کے عالم نے اس منطق کی نسبت خوب فرمایا ہے کہ اگر کوئی ساحر مجھ سے کہے
کہ تین بڑے دس سے ہوتے ہین اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ مین اپنے ہاتھ کی لاٹھی کو سانپ بنا دیتا
ہون تو مین اسکے سحر پر متحیر و ششدر ہونگا مگر اسکے اس کہنے کو کہ تین بڑے دس سے ہوتے ہین ہرگز نہین
مانونگا۔ ہزار برس تک یہ منطق عیسائیون کے مقبول خاطر رہی جسکے قضایا لغو و بے معنی اور ادان کا
ثبوت ہنسی کے قابل تھا۔

سلطنت مین جو فرقہ کہ فرمان روا ہوتا اس مین ایسی قابلیت نہ ہوتی تھی کہ وہ غیر عیسائیون کے
بڑے بڑے عالمون کا معقولات مین مقابل ہوتا اور یہ بھی ناممکن تھا کہ وہ اپنے تئین انسے فروتر اور کمتر
سمجھتا ناگزیر یہ ہوا کہ علوم معقول کی بیخ کنی ہونے لگی اور دومین ٹی نین کے عہد حکومت مین عالمون کو
ایذائین اور تکالیف پہنچنے لگین۔ انپر سحر کا الزام لگایا جاتا اور بہت سے انمین مارے جاتے تھے۔ بے ہستی
اور توہمات باطلہ نے فلسفہ عقلیہ کی جگہ لے لی جن علماء متبحر نے میوزیم کو حیات جاوید عطا کی تھی۔
مجرد راہبون اور تارک الدنیا باکرہ عورتون کا گروہ ان کا قائم مقام ہوا جس نے میوزیم کو
پامال کیا +

اوپر ایک برج ہے جسکے نیچے اجرام فلکی گردش کرتے ہین اور اس بلند پہاڑ کا طواف کرتے ہین جو زمین کے شمالی حصون مین واقع ہے جسسے آفتاب کی روشنی رُک جاتی ہے اور رات ہوجاتی ہے وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ قدرتی چیزون کے اسباب کی تحقیق کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ آفتاب اتنا ہی بڑا ہے جتنا دکھائی دیتا ہے چاند محدب ہے یا مجوف۔ آسمان پر ستارے ثابت ہین یا ہوا مین آزادانہ حرکت کرتے ہین۔ آسمان کا قد و قامت کتنا ہے یا کسی مادی شئے سے بنتے ہین وہ ساکن ہین یا متحرک زمین کتنی بڑی ہے کسی بنا پر قایم ہے یا آویزان ہے۔ ان سب باتون مین بحث کرنی اور قیاس کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی بعید ملک کے شہر کا نام سنکر اُسپر بحث کرے کہ وہ کیسا ہوگا۔

سینٹ اگسٹاین تحت الارض کے باب مین بیان کرتے ہین کہ زمین کے دوسری طرف آبادی کا ہونا ناممکن ہے کتب مقدسہ مین کہین یہ ذکر نہین آیا کہ تحت الارض کوئی نسل آدم آباد ہوئی ہے شاید سب سے زیادہ دلیل لاجواب کرویت زمین کے رد کی یہ تھی کہ قیامت کے دن جب خداوند مسیح ہوا مین نزول فرمائینگے تو تحت الارض کے آدمی اونکو نہ دیکھ سکینگے۔

چھٹی عیسوی صدی مین ایک کتاب تصنیف ہوئی جسمین جغرافیہ عیسائی مذہب کے موافق تحریر ہوا ہے اس تصنیف کی علت غائی یہ تھی کہ ضرورت زمین کی کرویت کا مسئلہ اور یہ مسئلہ کہ منطقہ محترقہ کے جنوب کی طرف منطقہ معتدلہ ہے باطل ثابت کئے جائین۔ اسمین لکھا ہے کہ مذہب مسیحائی کے موافق جغرافیہ کا نظام یہ ہے کہ زمین ایک سطح ذوار بعۃ الاضلاع یعنے چار ضلع کی شکل ہے جسمین مشرق و مغرب کے درمیان چارسو دن کے سفر کا فاصلہ اور جنوب و شمال کے درمیان اسکا نصف فاصلہ ہے اسپر پہاڑ ہین اور زمین شمال کیطرف بہ نسبت اور اطراف کے زیادہ وہ اونچے اور بڑے ہین۔ آفتاب کی شعاعین جب انسے رک جاتی ہین تو رات ہوجاتی ہے سطح زمین شمال کی طرف سے ذرا مائل ہے یعنے افقی نہین اسلئے دریاء فرات و دجلہ اور دریا جنوب کی طرف تیزروی سے بہتے ہین اور دریاء نیل پہاڑون کے اوپر کی طرف آہستہ رو ہے۔

ساتوین صدی مین وینرابل بیڈ کہتا ہے کہ کل مخلوق چھ دن مین کامل بنائی گئی ہے اسکے مرکز پر زمین ہے جسکا پیدا کرنا اصل مقصود تھا آسمان کی طبیعت آتشی اور لطیف ہے وہ مدور ہے اوسکا ہر ایک حصہ مرکز زمین سے برابر فاصلہ رکھتا ہے وہ زمین کا چھتر ہے وہ ہر روز ایسی تیزی سے حرکت کرتا ہے جو بیان مین نہین آسکتی اس تیز حرکت مین سات سیارونکی مزاحمت اعتدال پیدا کرتی ہے جنمین تین زحل مشتری مریخ آفتاب سے نیچے اور زہرہ عطارد قمر اسکے اوپر ہین ستارے

کسی فضاء وحیز (اکاش) مین رات بہر پہرتا رہا - یا زمین کے اندر کوئی بڑا کہیرا غار وقعر ہے اوسکے اندر گہسکر رات بہر چلتا رہا - یا سمندر مین غوطہ لگایا اور شب بہر اس مین تیر کر اپنے تئین ٹھنڈا کرتا رہا سویرے اشنان کرکے ہمکو درشن دینے آیا - لیکن بھلا اس بچھلی بات کو کب عقل باور اور تسلیم کرتی ہے افق پر ہمیشہ آفتاب اپنے طلوع وغروب کے مقامات بدلتا رہتا ہے تم اگر چند روز تک یا سال بہر تک نظر غور سے دیکہتے رہو کہ آفتاب نے طلوع وغروب کے مقامات افق ظاہری پر کہان کہان بدلے ہین - تو تمکو معلوم ہوگا کہ افق ظاہری کا ایک بڑا حصہ ہے جسپر یہ تغیر مقامات واقع ہوا ہے پس اب اگر آفتاب کا قعر وغار مین جانا یا سمندر مین غوطہ لگانا پایا جائے - تو ہر طلوع وغروب کے ساتہہ ایک نیا قعر وغار وسمندر ماننا پڑیگا - پس زمین کیا ٹھیری ایک کھکل بے شمار غارون کا گھر ٹھیرا جس سے مادہ جامدہ کی صفات کا بطلان ہوتا ہے سوا اسکے ستارے زمین کے گرد بے شمار راہون پر چلتے ہین اسپر اس سے تہوڑا یا بہت زمین کے گول ہونیکا خیال پیدا ہوا اور ثابت ہوا کہ زمین کے نیچے کوئی صاف راہ ہے -

اب الہام اور واقعات مجددہ کی تطبیق کی یہ تدبیر کی گئی کہ جغرافیہ مین جو عیسائی مذہب کے موافق تصنیف ہوا یہ لکھا گیا کہ زمین کے شمالی حصص سطحہ مین ایک بے انتہا بلند پہاڑ ہے جسکے پیچھے آفتاب گذرتا ہے اور اوس سے رات پیدا ہوتی ہے - بعید تاریخی زمانہ مین گرہن کے سبب بھی معلوم ہوگئے تھے - چاند گرہن مین یہ معلوم ہوگیا تھا کہ زمین کا سایہ ہمیشہ چاند پر گول پڑتا ہے - اسلئے چاہیئے کہ زمین بھی گول ہو اسلئے ایک جسم جو اپنے ہر مقام مین سایہ گول ڈالتا ہے وہ گول ہوتا ہے - اور اسباب جنسے کہ لوگ سب واقف ہوگئے تھے اسکا شبہہ نہین رہا کہ زمین گول ہے -

زمین کے گول ثابت ہونے نے اوسکی عظمت وجلال مین خلل نہین ڈالا - بلکہ عالم مین زمین سب چیزون سے بڑی معلوم ہوتی تھی وہ فقط مرکز عالم ہی نہ تھی بلکہ کل عالم اور چیزون کا مجموعہ بھی اوسکے سامنے ہیچ معلوم ہوتا تھا +

زمین کے گول ماننے سے جو نتائج پیدا ہوئے اونسے جو مذہبی خیالات پر اثر ہوا اسکی کچھ حقیقت اس اثر کے سامنے نہ تھی جو زمین کے جثہ کے تشخیص ہونے نے پیدا کیا - علم ہندسہ کے اصول سے جو شخص واقف ہے وہ یہ خوب جانتا ہے کہ زمین کے جثہ کے دریافت ہونے کے لئے اوسکے ایک درجہ کا ناپنا کافی ہے اس درجہ کی پیمایش مین جو ابتدائی کوششین کی گئین وہ تو سب معدوم ہوگئین - مگر ایراطوس تھنیس نے سب سے اول مصر مین اسکندریہ اور سائینی کے درمیان اس پیمایش کے لئے کوشش کی مگر سائینی عین خط

باب سوم - دنیا کی سرشت کی بابت مذاہب و سائنس کی مناظرت

(۱) زمین کی نسبت خیالات مذہبی

اگر نیچر یعنے مخلوق کو بہ نظر سرسری دیکھیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین ایک ہموار سطح ہے - آسمان کا گنبد اسپر تھما ہوا ہے - اجرام فلکیہ سورج چاند تارے اپنی اپنی راہون مین مشرق سے مغرب کو چلکر زمین کے گرد طواف کرتے ہین اور زمین ساکن ہے - زمین کے مقابلہ مین وہ خفیف الجثہ ہین - زمین کو برتری انپر حاصل ہے - انسان اشرف المخلوقات ہے یعنی تمام خلقت پر شرف رکھتا ہے - یہ سورج چاند فقط اس مطلب کے لئے بنائے گئے ہین کہ دنرات اسکو روشنی پہنچائین -

جب انسان کی عقل حالت طفلی مین تھی تو علی العموم کل مذاہب مین مخلوق کی نسبت یہی خیال تہا کہ دنیا کے کل حصون مین ہر قوم اپنی ابتداء تہذیب و شائستگی مین زمین کو مرکز عالم مانتی تھی - زمین کی نسبت یہ خیال خود بخود یون ہی نہین پیدا ہوا - کہ ہم نے لمعات عالم کو غور سے نہین دیکھا بلکہ وہ بناء فلسفیانہ بہت سے الہامی مذہبون کا تہا اور وہ انسان کے دل مین بے خوف و خطر ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ مین چلا آتا تھا - الہامات الہی نے سوا اسکے یہ تبلایا ہے کہ اس آسمان کے گنبد بلورین کے اوپر مسرت دائم و نور جاوید کا مقام ہے یعنی عرش الہی ہے جسکے گرد فرشتون کے لشکر ہین - وہان بہشت ہے جسمین ہر نیک انسان موت کے بعد داخل ہوگا - زمین کے نیچے ظلمت ابدی مصیبت جاوید ہے یعنی جہنم جس مین بد آدمی جائینگے پس اس عالم مرئی مین عالم غیر مرئی کی ایک تصویر موجود ہے -

اس عالم کی سرشت مذکور کے موافق بڑے بڑے نظام مذہبی قائم ہوئے ہین - اسکی حمایت مین مذہب اپنے اغراض کی وجہ سے نہایت سرگرمی کرتا ہے اور ان اغلاط کے صحیح ثابت کرنے مین کوشش کرتا ہے کہ انکی صحیح ہونے مین کلام نہین - اس بات مین مخالفین کی خونریزی پر آمادہ ہو جاتا ہے اسکو شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ مبادا کوئی اثر بہشت و دوزخ کے مقامات پر اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر نہ پیدا ہو جائے -

مذہب کو یہ کوششین ناگزیر ہین جب آدمی نے اس مضمون پر استدلال سے بالکل کام لیا تو زمین کی سطح مستوی کے ہونے کا اعتقاد اکھڑ گیا اسنے دیکہا کہ آفتاب افق پر مشرق سے طلوع ہوا - دن بہر آسمان پر جلوہ افروز رہا شام کو افق کے نیچے غروب ہو گیا - مجھے تو اسکا یقین ہے کہ کسی احمق کو بھی اسمین شبہہ نہ ہوگا کہ یہ وہی سورج ہے جو شام کو ہم سے سدہارا تہا اور رات کو بسیرا لے کر پہر سویرے ہم سے آن ملا - اب سوال یہ ہے کہ رات کو آکے بسیرا کہان کیا اور رات کو ہم سے کہان غائب رہا - اب اسکی دو ہی صورتین ہو سکتی ہین کہ گیا تو وہ زمین کے نیچے

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین سے ستارے آفتاب سے بھی زیادہ دور ہین - لاپلدس نے لکھا ہے کہ حکماء
متقدمین مین سب سے زیادہ صحیح خیال وسعت عالم کی عظمت کا ارسٹارکس کو تھا اسکے نزدیک زمین کے
اوپر سوا فضاء بحت اور ستارون کے اور کچھ نہین تھا +

(۳) نظام بطلیموس

ارسٹارکس کے خیالات کو اجرام سیارات کے باب مین متقدمین نے قبول نہین کیا بلکہ بطلیموس نے جو
اپنی کتاب مجسطی مین نظام فلکی قایم کیا اوس کو سب طرح سے بہتر جانا - اس نظام مین زمین مرکز عالم تھی - اس
زمانہ مین طبیعیات کا علم ایسا ناقص تھا کہ بطلیموس نے نظام فیثاغورثی پر یہ اعتراض کیا کہ اگر زمین متحرک ہوتی تو ہوا
اور تمام ہلکے اجسام اُس سے پیچھے رہ جائین - اسلئے اس نے زمین کا مقام مرکز عالم مین ٹھیرایا - اور اوس کے
گرد چاند عطارد - زہرہ - آفتاب - مریخ - مشتری - زحل کو طواف کرایا - اور زحل کے فلک کے بعد فلک الثوابت
ٹھیرایا - اور ان آسمانون کو بلورین کُرے قرار دیا جنمین سے ایک مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتا تھا اور
دوسرا شمال سے جنوب کو - یہ خیالات یوڈوکسی اس کے تھے - اوس کی طرف بطلیموس نے ذرا بھی اشارہ نہین کیا -
اصل مین نظام بطلیموسی مین زمین مرکز عالم ہے پس وہ زمین کو اپنے اعلی مقام مین رہنے دیا
جسکے سبب سے عیسائیون کے دلون مین کوئی ناراضی اور رنجیدگی نہین پیدا ہوئی جیسے کہ آج مسلمانون
کے دلون مین بھی رنجش نہین ہے بطلیموس کی شہرت و ناموری کی کچھ انتہا نہین ہے - اسکی کتاب
اعظم مجسطی کی خوبیون کا ایک عالم قائل ہے - غرض یہ نظام بطلیموسی چودہ سو برس تک دوسری صدی سے
سولھوین صدی تک سب کے نزدیک مسلم الثبوت رہا عیسائیون کا یہ زمانہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات
کی مباحث مین گذرا جو مذہبی حکومت کے آئے کرتے رہے - مرشدان مذہب کے احکام نے اور اس اعتقاد
نے کہ کتب مقدسہ مین کل علم کا مجموعہ ہے نیچر کی تحقیقات مین اونکی ہمتون کو قاصر رکھا - اگر بحسب اتفاق
ہیارت کے کسی مسئلہ کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی تو آگسٹاین اور لیک مین لی اس کی تصنیفات کیطرف
رجوع کی گئی اور اونکے فیصلہ کو تسلیم کر لیا - مطہرات سماوی کی طرف توجہ نہین کی - مذہب کو وہ تسلط اور اختیار
حاصل تھا کہ اوس نے پندرہ سو برس تک کسی عیسائی کو ہیارت دان نہین ہونے دیا +

(۴) زمین کے گرد تین بڑے سفر - زمین کے قد و قامت کا تحقیق کرنا

عیسائیون کے ملکون پر ایسی افسوسناک جہالت چھائی ہوئی تھی کہ انکو سائنس کی طرف ذرا بھی توجہ
نہ تھی - انکی ساری ہمت اور توجہ ایسے قضیون مین مصروف رہتی کہ مذہب مین ہیکل پرستی کا رواج ہو سیکرمینٹ
(عشاء ربانی) مین جو شراب و روٹی ہوتے ہین وہ یہ سمجھی جائین کہ حقیقت مین انکی قلب ماہیت ہو کر وہ حضرت

سرطان کے نیچے واقع تہا اسلئے اِن دونو مقامون کا نصف النہار ایک تھا اسلئے فاصلہ کا صرف تخمینہ کیا گیا مگر وہ ناپا نہین گیا۔ دو صدی بعد کے سی ڈو نی کس اسکندریہ اور ہیوڈس کے درمیان اس پیمائش کے لئے سعی کی جسوقت اسکندریہ مین روشن ستارہ سہیل ۷ ½ درجہ پر تھا اسوقت وہ رہوڈوس پر افق پر نکلا تھا مگر دونو شہرون کے درمیان سمت سمندر پڑتی اسلئے فاصلہ کا تخمینہ ہوا مگر وہ ناپا نہین گیا آخر کو خلیفہ مامون رشید کے عہد مین یہ عقدہ حل ہوا کہ ایک دفعہ بحر قلزم کے کنارہ پر اور دوسری دفعہ کوفہ کے قریب نصف النہار کا ایک درجہ کا فاصلہ ناپا گیا اور اِن مشاہدات کا نتیجہ عامہ یہ نکلا کہ زمین کا قطر سات آٹھہ ہزار میل کے اندر تحقیق بالیقین ہوگیا۔

(۳) فیثاغورثی نظام

زمین کے حجم کی تقریباً تشخیص ہونے نے زمین کو عظیم الجثہ ہونے کی شان سے گرایا (خواہمخواہ مرد آدمی) اسے مذہب کے برخلاف ایسے نتائج پیدا ہوئے کہ اصحاب مذہبی کو اونکی بیخ کنی کے لئے توجہ کرنی پڑی ۲۸۰ سنہ قم حکیم ارسٹارکس نے سورج اور چاند کے فاصلون اور جسمانی مقدارون کے دریافت کرنے کے باب مین ایک رسالہ لکھا تھا اور اس مین بڑی ذہانت اوسکے تحقیق کرنے کی ترکیب میں کہائی تھی۔ مگر وہ ناقص تھی۔ مدتون پہلے فیثاغورث ہندوستان مین آیا تھا اور یہ مسئلہ یہان سیکھ گیا تھا کہ نظام عالم کا مرکز آفتاب ہے اور اسکے گرد مدور مدارون مین یہ سیارے عطارد۔ زہرہ۔ زمین۔ مریخ۔ مشتری۔ زحل علی الترتیب طواف کرتے ہین اور اپنے محور پر بھی گردش کرتے ہین نامور عالمون سسرو اور ٹالیمی ٹس نے بیان کیا ہے کہ اگر زمین کا اپنے محور پر گردش کرنا مان لیا جائے تو آسمانون کی رفتارین جو خیال مین بھی نہین آئین دشواری سے خالی ہوجائین قیصر کے عہد مین جو سکندریہ کے کتب خانہ مین آگ لگی تھی اسمین ارسٹارکس کی تصنیفات جل گئی تھین۔ فقط یہ ایک رسالہ جدید سورج کے فاصلون اور جسمانی مقدارون کے دریافت کرنے کا اس آفت سے بچ رہا تھا جو اب ہمارے ہاتھہ آیا ہے +

حقیقی واقعیتون کے بیان کرنے کے لئے نظام فیثاغورثی کو ارسٹارکس نے اختیار کیا جسمین آفتاب کا فاصلہ زمین سے تعجب خیز تھا اور اسکا حجم بھی بہت بڑا تھا۔ نظام شمسی نے جس مین آفتاب مرکز تھا زمین کا درجہ بہت گہٹا دیا۔ اس کو اور چھہ آفتاب کے گرد صدقہ ہونے والون مین شامل کر دیا انسان کو پہلے یہ خبط دامنگیر ہوچکا ہے کہ مرکز ہونے مین اعزاز و اکرام ہے اور محیط ہونے مین ذلت و خواری ہے۔

ارسٹارکس نے یہ بھی بیان کیا کہ زمین کی حرکت سے ستارون کے ظاہری مقام مین کچھہ فرق نہین پڑتا

اگر مین انکو شائع کرونگا تو کلیسہ مجھے سزا دئے بغیر نہین رہیگا وہ احتیاطاً یہ بہانے بتاتا رہا کہ زمین کی حرکت کو فقط اسلئے مین نے مانا ہے کہ سیارات کی حرکات کی توضیح متقدمین کی نسبت اچھی طرح کر سکون اسلئے اوسنے اپنی کتاب کے دیباچہ کا مخاطب پوپ پال سوم کو بنایا غرض وہ غلط نمایان کرتا رہا اور خوف کے مارے چھتیس برس تک اپنی کتاب کو اسنے شائع نہین کیا اور اسنے حق مین یہی بہتر سمجھا کہ فیثا غورث کی طرح اپنے مضامین کو زبانی تعلیم کرتا رہون اور انکو دوستون کو سمجھاتا رہون - مگر آخر کار ایک دوست نے اوس کی کتاب کی اشاعت کے لئے اصرار کیا جسکی وجہ سے اوسنے اپنی کتاب کو شائع کیا - بستر نزع کی حالت مین پڑا تھا کہ اسکی ایک جلد اوس پاس آئی -

اس کتاب کے سبب سے علم ہیأت کی قلب ماہیت ہوگئی - اوسنے نظام شمسی کو جسمین آفتاب مرکز تھا اس خوبی سے بیان کیا کہ اوسکے ماننے مین کسی کو کلام نہین رہا - اوسنے ثابت کردیا کہ زمین سے ثوابت کا فاصلہ بے انتہا بڑا ہے - اجرام فلکیہ مین زمین کی بساط کیا ہے فقط ایک نقطہ ہے اوسنے یہ غلطی کی کہ سیارون کی مدارون کو دائرہ مانا

اب یہ کوپرنی کس کا نظام الہامی مذہب یعنی عیسائی مذہب کی ضد تھا - زمین کو مرکز کے مقام سے ہٹانا اور اجرام فلکی کو اسکے برابر کرنا اور زمین سے بہت کو اسسے بزرگ ٹھیرانا مذہباً گناہ عظیم تھا کہ اس زمین کو جو خدا تعالی نے عزت دی تھی اوسکا خاک مین ملانا تھا پس اسلئے حکومت مذہبی کو اسکے نتائج کی طرف خیال ہوا اور یہ سوالات پیش ہوئے کہ اگر بے شمار سیارون مین سے ہر ایک آفتاب ہے اور اوسکے گرد اور اجرام گردش کرتے ہین اور وہ ایسے ہی آباد ہین جیسے کہ ہم تو کوئی آدم اسکا بہشت سے نکالا گیا ہوگا یا نہین ؟ ان انون کے گناہون کا کفارہ جیسے کہ ہمارے گناہونکا کفارہ ابن اللہ کی موت سے ہوا ہے ہوا ہوگا یا نہین ؟ کوئی انکا شفیع المذنبین ہوگا یا نہین ؟

(۶) ٹیلس کوپ یعنی دوربین کا ایجاد — اور گیلے لیو کے اکتشافات

۱۶۰۸ء مین ایک شخص نامی لیپرشے نے ہولنڈ مین یہ دریافت کیا کہ دو محدب شیشے ایک خاص ترکیب سے ایسے جوڑے جاسکتے ہین کہ اونکے اندر دور کی چیزین بڑی ہوکر دکھائی دینے لگتی ہین - سال آیندہ گوان شیشون کا حال گیلی لیو کو نہین معلوم ہوا کہ وہ کیا تھے اور کیونکر تھے (وہ فلورنس این کا رہنے والا تھا اور علوم ریاضیہ مین ماہر اور سائنٹفک تحریرات مین نامور تھا) اوسنے دوربین کو وہ ترقی دی کہ وہ اشیا کو بیس گنا کرکے دکھانے لگی چاند مین مثل زمین کے وادیان دکھائی دین اور پہاڑ اور اون کے سائے پڑتے ہوئے نظر آئے - سات سہیلیون کے جھمکے مین جسکو عربی مین ثریا اور فارسی مین پروین کہتے ہین

مسیح کا خون اور گوشت بن جاتے ہین - لوگون کو یقین ہو کہ ولیون کی درگاہون کی زیارتون سے امراض کو شفا ہوتی ہے - ولی اللہ کرامات و خرق عادات و معجزات کرتے ہین - پندرہوین صدی تک انکو سائنس کی طرف سے بالکل بے پروائی رہی - کوئی بات بھی ایسی نہ تھی کہ انکو سائنس کی طرف رغبت دلاتی مگر پھر عیسائی قومون مین تجارت نے تحریک پیدا کی اور وہ آپس مین ایک دوسرے کے رقیب بنین اور اسکی وجہ سے تین جہازرانون کولمبس - واسکوڈی گاما - فرڈیننڈ میگلن نے دنیا مین سفر کر کے زمین کی صورت شکل قد و قامت کو تحقیق کر لیا - سین وٹ ڈرا نے مغرب کی طرف سفر شروع کیا اور بغیر جہازون کے رخ موڑنے کے وہین آ گیا جہان سے چلا تھا - پس مذہبی عقیدہ جو زمین کے سطحہ ہونے کا تھا وہ عیسائیون کے دلون سے دور ہو گیا +

میگلن کے سفر کے پانچ برس بعد عیسائی قومون کی توجہ اس طرف ہوئی کہ زمین کا قد و قامت یعنے محیط تحقیق کیا جائے - ایک فرانسیسی حکیم فرنیل نے پیرس مین قطبی تارے کا ارتفاع کو دیکھ کر شمال کی طرف کوچ کیا اور وہان پہنچا جہان اس قطبی تارے کا ارتفاع ایک درجہ زیادہ تھا - ان دونو مقامون کے درمیان فاصلہ اسنے اپنی گاڑی کے پہیہ کی حرکتون سے ناپا جس مین ایک انڈیکیٹر (حرکتین بتلانیوالا) لگا ہوا تھا اور اوس سے اوس نے یہ نتیجہ نکالا کہ زمین کا محیط اٹلی کے میلون مین چوبیس ہزار چار سو انسٹھی میل ہے - پھر اور ملک والون نے بھی اس امر کی تحقیق کی سب کا نتیجہ تقریباً ایک ہی تھا +

حکیم نیوٹن نے علم مکینک کے موافق یہ نتیجہ نکالا کہ چونکہ زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے تو وہ کامل کرہ نہین ہو سکتی ضرور ہے کہ وہ قطبون کی طرف چپٹی ہو جسکا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ قطبین کے قریب ایک درجہ کا طول بہ نسبت خط استوا کے ایک درجہ کے زیادہ ہو چنانچہ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ خط استوا کا قطر ۷۹۲۵ میل اور قطبی قطر ۷۸۹۹ میل ہے دونوں مین ۲۶ میل کا فرق ہے - پس ان تحقیقاتون نے عیسائی مذہب کے موافق جو زمین کی صورت شکل و قد و قامت کی نسبت اعتقادات تھے اونکو دور کیا ان دو معارضون مین سائنس کو مذہب عیسائی پر فتح حاصل ہوئی - اب تیسرا معارضہ مذہب سے یہ شروع ہوا کہ زمین کا مقام آفتاب اور سیارات کی نسبت کہان ہے

(۵) کوپرنیکس

سنہ ۱۵۴۳ء مین کوپرنیکس نے ایک کامل کتاب لکھی جسکا نام اجرام فلکیہ کی گردشین رکھا تھا - اسنے علم سیارات مین نظام بطلیموسی اور نظام فیثاغورثی کو بہت غور و خوض سے مطالعہ کیا اور آخر کو اوسنے نظام فیثاغورثی کو ترجیح دی اور یہ سمجھ کر کہ جو مسائل علم سیارات کی اس کتاب مین ہم نے لکھے ہین الہامی مذہب کی بالکل ضد ہین -

جرم کا مجرم قرار دیا گیا کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کی حرکت کو مانتا ہے۔ وہ اس معصیت کا مجرم اپنے تئین آپ بناتا ہے۔ اسکے گھٹنے ٹکوائے گئے۔ بائیبل پر اسکا ہاتھہ رکھوایا گیا اور زبردستی بقسم حرکت زمین پر اسی لعنت کہلوائی گئی۔ یہ بھی عجیب تماشا تھا کہ اس شخص کو کہ علم و دانش مین یگانہ روزگار تھا موت کی دہمکی دی گئی کہ وہ اس واقفیت سے انکار کرے جسکو وہ خود اور اسکے جج سچ جانتے تھے پہر اسکو قیدخانہ مین بھیجدیا۔ جہان اسپر دس برس تک بے رحمی کے ساتھہ سختی کی گئی اور پہر اسکا انتقال ہوا اسکو کسی متبرک زمین مین دشمنون نے دفن نہین ہونے دیا۔ کیا وہ بات جہوٹ نہ ہوگی جسکی حمایت کے لئے اسقدر دغا فریب و وحشی پنے کی ضرورت ہو اس عدالت نے جن رایون کی حمایت کی تھی اب اونپر کل مہذب قومین ہنستی ہین۔ دوربین کے ایجاد نے کوپرنیکس کے نظام کو فتحیابی کے ساتھہ قائم کردیا۔ تہوڑے دنون کے بعد یورپ مین کوئی ہیئت دان ایسا نہ تہا کہ جو اسکو تسلیم نہ کرتا ہو اور زمین کی دو حرکتون کو جنمین سے ایک اپنے محور کے گرد اور دوسری آفتاب کے گرد نہ مانتا ہو اور اس نظام کا مرکز آفتاب کو نہ جانتا ہو اور اسکا اور زیادہ ثبوت بریڈلے اور رومر کی تحقیقاتون نے کردیا +

(۸) زمین کا فاصلہ آفتاب سے

اب یہ ضرور تہا کہ نظام شمسیہ کے ابعاد دریافت کئے جائین اور اس سوال کی خاص صورت یہ بتائی جائے کہ زمین کا فاصلہ آفتاب سے دریافت کیا جائے۔ بعد بہت سی تحقیقاتون کے یہ امر محقق ہوگیا کہ زمین کا فاصلہ آفتاب سے نو کروڑ بیس لاکھہ میل ہے۔ اس فاصلہ کے اعداد نے انسان عالم کی قلعی کہول دی یعنے اس عقیدہ کو کہ کل چیزین انسان کے لئے بنائی گئی ہین بے حقیقت کردیا۔ اگر آفتاب سے زمین کو کوئی دیکھے تو وہ اسکی شعاع مین ایک ذرۂ خاکی نظر آئیگا۔ اگر اسکی مقدار کو زیادہ صحیح سمجھنا چاہو تو تم کسی کتاب کے کسی صفحہ کو آنکہون سے دو فیٹ کے فاصلہ پر رکھو۔ تو اسکا ہر ایک نقطہ کی مقدار وسعت مین اس وسعت زمین سے جو آفتاب سے دکھائی دے گی سوگنی ہوگی +

(۹) ستارون کا فاصلہ (ستارون سے مراد ثوابت ہین)

ستارونکے فاصلے جو ناپے گئے ہین تو وہ اس سے خدا کی خدائی غیر متناہی معلوم ہونے لگی کیا کیا عمدہ [illegible] فاصلے ہین جو تصویر مین بہی شکل سے آتے ہین آسمان کے نصف کرہ جنوبی مین ایک ڈبل ستارہ کے دو نجم جو توام نظر آتے ہین کا فاصلہ زمین سے اسقدر دور ہے کہ زمین اور آفتاب کے درمیانی فاصلہ سے دو لاکھہ بیس ہزار گنا ہے۔ اگر آفتاب اتنا بڑا ہو جائے کہ زمین کے مدار کو بہر دے اور ایک سو اسی کروڑ میل اسکا قطر ہو جائے تو وہ اس ستارہ پر سے ایک نقطہ کی برابر دکھائی دیگا بعض ستارے اتنی دور ہین کہ انکی شعاعین ہزارون برسون مین کیا لاکہون برسون مین ہم تک دنیا سے نکل کر پہنچتی ہین جیسے ریگستان مین ریت کے ذرے بے شمار پہیلے ہوئے ہوتے ہین

پہلے سات ستاروں کا ہونا اور اونمین سے ایک ستارے کا غائب ہو جانا مشہور تھا گیلی لیو نے جو اپنی دوربین
اونکی طرف لگائی تو آسانی سے چالیس ستاروں سے کچھ ہی کم اوسنے تارے گنے جس سمت کو اوسنے اپنی دوربین
لگائی وہان آسمان پر بہت سے ستارے دیکھے جو چشم عریان سے نہان تھے۔ ۷ جنوری سنہ ۱۶۱۰ع کی رات کو
اوسنے مشتری کے چار اقمار دریافت کئے جو اوسکے گرد اسی طرح پھرتے تھے جیسے کہ ہمارا چاند ہماری زمین کے گرد
پھرتا ہے۔ اب ہزارون تارے جو پہلے نہین دکھائی دیتے تھے دیکھنے مین آئے اور ایک عجائبات کا عالم
نظر آنے لگا جسپر عوام کو توجہ ہوئی۔ مذہبی عقیدہ یہ تہا کہ یہ کل عالم انسان کے لئے بنایا گیا ہے اور سارے تارے
اسلئے روشن کئے گئے ہین کہ انسان کے واسطے رات کو روشن کرین۔ اب یہ دوربین اور ہی گل کھلانے لگی اسلئے
صاحبان مذہبی کو فکر پیدا ہوا کہ کہین ان انکشافات سے مذہبی عقائد مین خلل و فساد پیدا نہو

(۷) گیلی لیو کی سزا یابی

گیلی لیو نے اپنی دوربین کے مشاہدات سے کوپرنیکس کے نظام کے برحق ہونے کو خوب ثابت کیا
تو کلیسہ مین ایک تہلکہ عظیم برپا ہوا عیسائی کٹ ملانے جو کم علم اور جاہل تھے وہ یہ کہنے لگے کہ یہ دوربین کے
کرشمے دھوکہ کی ٹٹی اور ڈھٹہ بندی ہے۔ بعض نے کہا کہ دوربین کے مشاہدات پر اعتبار اجسام ارضیہ کے باب
مین ہوسکتا ہے جتنے اجرام فلکیہ غیر ہین اونکے مشاہدات کرنے مین دوربین کو کیا دخل ہے۔ بعض نے کہا
کہ یہ دوربین کا ایجاد فقط ارسطو کے اس اصول کا استعمال ہے کہ دن کو چاہ عمیق کی تہ پر سے ستارے دکھائی دیتے
ہین۔ غرض گیلی لیو پر بدعتی۔ مکار۔ کافر مشرک ہونے کا الزام لگایا گیا۔ گیلی لیو نے اپنی حفاظت کے خیال سے
ایک خط اپنی کیسٹلی یعنی کلیسیہ کو لکھا کہ جسمین یہ بیان کیا کہ کتب مقدسہ کو سائنس کے استناد و استشہاد سے
کچھ تعلق نہین ہے وہ تو اخلاق کی ہادی ہے۔ اس تحریر سے اسکا معاملہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ اور اوس مذہبی عدالت
مین اسکی طلبی ہوئی کہ اہل بدعت کو سزا دیتی تھی۔ اسپر یہ جرم قرار پایا کہ وہ اس مسئلہ کی تعلیم کرتا ہے کہ زمین آفتاب
کے گرد گردش کرتی ہے جو صریح کتب مقدسہ کے خلاف ہے۔ اسکو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بدعتانہ کی باتون کو
چھوڑ دے نہین قید خانہ مین عمر بسر کرے اسکو چاہئے کہ آیندہ وہ کوپرنیکس کے نظام کی تعلیم سے توبہ کرے
اسکی حمایت و اشاعت سے دست بردار ہونے کا اقرار نامہ لکھے۔ گیلی لیو نے یہ خوب جانکر کہ حق اپنے لئے شہیدون
کا محتاج نہین ہے اپنے اوپر کی باتون سے انکار کرنے کا اقرار کرلیا۔

سولہ برس تک جرچہ امن امان مین رہا سنہ ۱۶۳۲ مین گیلی لیو نے جرارت کرکے اپنی کتاب کو چھاپ کر
شائع کردیا اور اسکا نام نظام عالم رکھا جسکا مقصود اصلی یہ تھا کہ کوپرنیکس کے نظام کو وہ ثابت کرے
پھر تو اوسکی پوری شامت آئی اور روم کی اس عدالت کے سامنے جو اہل بدعت کو سزا دیتی ہے طلب ہوا اور اسی

اب یورپ مین کوئی شائستہ قوم نہین ہے کہ وہ اِن اوپر کی پانچون باتون کو ساینس کے موافق یقین نہ کرتی ہو اور اون کو مذہب کے مخالف جانتی ہو عیسائی مذہب نے مذہب و ساینس کی تطبیق کے کیا عمدہ اصول یہ اختیار کئے ہین - اول جب ساینس اور مذہب مین جھگڑا کھڑا ہوتا ہے اور لوگ ساینس کے خیالات سے ماہر ہو جاتے ہین تو نیک دل ارباب مذہب کے دل مین اضطراب و اضطراب پیدا ہوتا ہی پس وہ الہامی کتب مقدسہ کے معانی ساینس کے موافق بیان کرنے لگتے ہین - دوم وہ مسائل ساینس کا جب تک مقابلہ کئے جاتے ہین کہ ان مسائل کا ثبوت کامل نہین ہوتا - جہان ثبوت کامل ہوا تو وہ اوسکو آزادی کے ساتھ قبول کرتے ہین وہ نیک دل خدا پرست یہ اپنا فرض جانتے ہین کہ جیسی کتب مقدسہ کی تعظیم و تکریم و تسلیم ہم پر فرض ہے - ایسے ہی حق و سچ کا ادب کرنا اور اون کا ماننا فرض ہے پھر کتب الہامی کے جدید معانی کو ساینس کے موافق بیان کر کے مذہب و ساینس کو ہم بزم بناتے ہین -

باب چہارم زمین کی عمر کے باب مین گفتگو

(۱) زمین کی عمر

مذہب اور ساینس مین جو بہت سی معرکہ آرائیان ہوئین اونکا نتیجہ یہ تہا کہ عالم مین زمین کو وہ جگہ مل گئی جو اوسکا حق تھا کلیسہ یا چرچ کی طاقت جتنی تھی وہ اوسکو ساینس کے دبانے مین اور اپنے خیالات کی ترویج مین کام مین لایا - اپنے مخالفین کو موت تک کی سزا دینے مین اوسنے دریغ نہین کیا مگر اسسے اوس کو کچھہ فائدہ نہین حاصل ہوا - کوپرنیکس کے نظام کے مقابلہ کی سکت اب مذہب مین باقی نہین رہی تھی آخر کار عیسائیون نے تسلیم کر لیا کہ آفتاب مرکز عالم ہے اور وہی ہمارے نظام کا فرمان روا اور کار فرما ہے زمین بھی سیارات کے بھائی بندون مین ایک ہے اوسکو کوئی فضیلت نہین ہے - مذہب کو اِن معرکہ آرائیون مین شکست پانے سے آیندہ چرچ کو ایسی نصیحت ہوئی کہ جب زمین کی عمر کے باب مین مذہب و ساینس مین رزم شروع ہوئی تو چرچ اس معرکہ آرائی مین لڑنے کے لئے ایسا سرگرم نہین ہوا جیسا کہ پہلے لڑائیون مین ہوا تھا - گو احادیث مذہبی اس جنگ مین معرض خطر مین تھین - مگر اس نے اس خطر کو بڑا نہ جانا تسلط مذہبی کے نزدیک جیسا کہ زمین کا اپنے سطوت سے معزول ہونا مذہب کی بیخ کنی کرتا تہا ایسا دنیا کی تاریخ ولادت کا معین کرنا مذہب کی جڑ پیڑ نہین اکھیڑتا تھا - اس معرکہ مین مذہب نے ساینس کو ایک خاص حد تک اجازت دیدی مگر ساینس نے بہت جلد اس حد سے اپنے بڑے پیر پھیلائے تو پھر اس مسئلہ کی

السی اس فضا یعنی اکاش مین بے شمار عالم پھیلے ہوئے ہین - الحمد للہ رب العالمین بے اختیار منہ سے نکلتا ہے
بھلا اب اس بات کو جسکی تلقین مذہب کرتا ہے کب عقل باور کرنے دیتی ہے کہ یہ لاکھون چراغ جو بے انتہا
فاصلہ پر روشن ہین اور وہ آنکھون کو جبتک دوربین نہ لگاؤ دکھائی نہین دیتے فقط اسلیئے خدا تعالی نے
بنائے ہین کہ ہماری زمین پر روشنی پہنچائین -

(۱۰) ایک عالم متبحر برونو کا جلایا جانا

برونو ایک کامل فاضل تہا اوسنے ایک کتاب لکھی جسمین اوسنے بیان کیا کہ فقط یہ ایک ہی دنیا نہین ہے بلکہ
ایسی ایسی ہزارون کیا بے شمار دنیائین ہین - یہ مسئلہ عیسائی مذہب کی کتب مقدسہ الہامی کے بالکل برخلاف
تھا - اسمین ایک ہی دنیا کا بیان ہے - اور نجات دہندہ ایک ہی ہے - نجات کا طریقہ ایک ہی ہے -
کہین یہ بیان نہین کیا گیا کہ بہت ساری دنیائین ہین - اور اونکے رہنے والون کی نجات کیونکر ہوگی -
بس برونو کو اس کتاب کے لکھنے کے جرم مین اول دو برس کی قید کی گئی - آخر کار وہ روم مین ۱۶ - فروری سنہ ۱۶۰۰ع
مین زندہ جلایا گیا - اس جوانمرد نے اپنی حق بات سے انکار نہین کیا - وہ خوب جانتا تہا کہ ظالم میرے جسم کو مردم
کر دینگے - مگر میرے خیالات انسانون کے دلون مین ہمیشہ زندہ رہینگے - اوسنے اپنے ججون سے کہا کہ تم کو مجھپر
موت کا فتویٰ دینے مین جتنا خوف ہے مجھے اوس کے قبول کرنے مین خوف نہین - مذہب کے لیے جو
سیکڑون آدمی شہید ہوجاتے ہین وہ تو یہ سمجھتے ہین کہ ہم اس دنیا کے عذاب سے چھوٹ جائینگے - اور خدا تعالی
ہمارا ہاتھہ پکڑکر جنت مین لیجائیگا لیکن برونو کو یہ امید نہین تھی اوسنے فقط سچ پر اپنی جان قربان کی +

(۱۱) مذہب عیسائی اور سائینس کے محاربات مذکور کا نتیجہ و خلاصہ

پہلے رزم مذہب مین کی تسطیح کا قائل تہا اور کرویت کا مخالف اور سائینس زمین کی تسطیح کا منکر
اور کرویت کا حامی جسمین سائینس نے پکار کر دنیا کو سنادیا کہ مذہب کو وہ پچھاڑا وہ پچھاڑا +
دوسری جنگ مذہب زمین کو مرکز عالم مانتا تہا اور آفتاب کو زمین کے گرد گردش کرتا تہا سائینس اسکی بالعکس دعوی کرتا تہا - انجام کو
سائینس کا علم فتح بلند ہوا -

تیسرا محاربہ مذہب زمین کو ساکن مانتا تہا سائینس زمین کو متحرک کہتا تہا اس مین مذہب کو شکست ہوئی -
چوتھی لڑائی یہ تھی کہ مذہب کا دعوی تہا کہ زمین سارے عالم سے افضل ہے اور انکے لیئے سارے چیزین مخلوق
ہوئی ہین سائینس زمین کو ایک خاک کے ذرہ کی برابر کل عالم مین ذلیل و حقیر جانتا تہا - اسمین سائینس فتحیاب ہوا
پانچوان معرکہ یہ تہا کہ مذہب یقین دلاتا تہا - دنیا ایک ہی سائینس بے شمار دنیا کہتا تہا - اس مین مذہب
کو پیچھے ہٹنا پڑا +

علماء مسیحی نے کتب مقدسہ سے جو مقدس سائنس بنایا اوسکا خلاصہ یہ ہے۔ اول حضرت مسیح علیہ السلام
کی ولادت سے چار یا پانچ ہزار برس پہلے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ دوم دنیا کے بنانے مین صرف چھہ
دن لگے ہین۔ سوم ساری دنیا مین طوفان عام آیا تھا اور صرف وہی حیوان زندہ رہے جو کشتی نوح مین بچگئے
تھے۔ چہارم آدم عقل و اخلاق مین کامل پیدا کیا گیا تھا مگر گناہ کے سبب سے وہ بہشت سے نکالا گیا اور اس گناہ
مین اوسکی اولاد بھی مبتلا ہوئی۔ اس صدی مین ان چار باتون مین سے پہلے اور تیسری بات مین مذہب اور
جیولوجی (علم طبقات الارض) کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی ہے ابھی محاربہ کی نوبت نہین آئی کہ شکست و فتح کا
فیصلہ ہوتا۔ ہر ایک اپنی دلائل دوسرے کی دلائل باطل کرنے کے لئے پیش کر رہا ہے مذہب نے اپنی دلیل یہ پیش
کی کہ بلند پہاڑون کی اونچی چوٹیون پر بحری گھونگے پائے جاتے ہین اونکی کوئی وجہ سوا اسکے نہین ہوسکتی
کہ طوفان عام کا پانی اونپر چڑھا ہو جیولوجی نے اس دلیل کو بہت اچھی طرح رد کردیا کہ سطح زمین کی ہمواری مین
ایسے انقلابات اور حادثات ہمیشہ ہوتے رہتے ہین کہ ایک قطعہ زمین کبھی خشک ہوتا ہے کبھی اوسپر آب شیرین
کبھی آب شور سمندری ہوتا ہے۔ مذہب اور جیولوجی مین معلوم ہوتا ہے کہ وہ محاربات نہ واقع ہون جو علم ہیئت
اور مذہب مین واقع ہوئے جنمین دونو خوب خم ٹھوک کر لڑے۔ اور آخر کو مذہب پچھڑ کر چت ہوگیا۔ اس صدی
کا اقتضاء یہ ہے کہ مذہب کو سائنٹفک بنا پر قائم کرنا چاہتے ہین جسکے سبب سے اوسکی بنیاد ایسی مستحکم ہوجائے
کہ ابد الاباد تک نہ ہلے جہان کوئی مذہب کی بات سائنس سے رد ہوتی ہوئی دیکھتے ہین فوراً کتب مقدسہ
کے معانی سائنس کے موافق بیان ہونے لگتے ہین پہلے معانی کی طرفداری مین تعصب کو کام مین
نہین لاتے بلکہ یہ دیکھتے ہین کہ سچ کیا ہے۔ یورپ و امریکہ کے عیسائیون نے اس بات کو خوب
سمجھہ لیا ہے کہ سچا مذہب وہی ہے جو ترقی کا مانع نہ ہوا اونھون نے جہانتک ممکن تھا نا واجب
مذہبی تعصبات اور جہالت آمیز توہمات و احمقانہ خیالات و وحشیانہ و مہمل و لغو رسومات ملکی اور
قومی سے اپنے مذہب کو پاک صاف کر لیا ہے اسلئے اونکی ترقی جو ہو رہی ہے اظہر من الشمس ہے
یہ بات سنکر تم کو تعجب ہوگا کہ اب وہان جو تعلیم مذہبی ہوتی ہے وہی تعصبات مذہبی کو گھٹاتی ہے اور
تعصبانہ باتون کو دور کرتی ہے اگر مذہب اس سچ سے مخالفت کرتا ہے تو وہ مذہب مین تاویلات
کرکے تطبیق کرادیتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پادریون نے جو مذہب کی زنجیرون و سلاسل مین لوگون کو جکڑ رکھا تھا وہ سب
ٹوٹ گئین اور ایک بڑی جنگ کے بعد جس مین بڑی گران بہا عزیز جانین گئین تقلید کی قید سے
رہائی ہوئی اور آزادی حاصل ہوئی +

بھی جنگ ایسی خطرناک ہوگئی جیسے کہ پہلے لڑائیان تھین +

افلاطون نے اپنی ایک کتاب مین جہان عالم کی اصل پر بحث کی ہی یہ نصیحت کی ہے کہ مین جو بول رہا ہون اور تم جو فیصلہ کر رہے ہو دونو کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم آدمی ہین نہ ہی احادیث پر گفتگو کو اس باب مین زیادہ طول دین اور آپسمین مل جائین ممکن نہ تھا کہ اس نصیحت کو عمل مین لاتی مذہب اور ساینس متشتا اور رہا تا وقتیکہ سینٹ آگسٹائن کے زمانہ سے ساینس کی اسناد کے لئے کتب الہامیہ سب سے بڑی سند سمجھی و مانی جاتی تھین علمائے مسیحی نے اسی عالم کی ولادت کی تاریخ بقید زمان اور اوسکی ولادت کے بیان کے لئے جو تجاویز ٹھیرائین وہ علم کی ترقی کے لئے سنگ راہ تھین۔

ان تجاویز مین سے چند کا بیان کر کے اونکی خصوصیات پر مطلع کرتے ہین حضرت موسی کی کتاب پیدائش یعنی توریت کے اول باب مین لکھا ہی کہ خدا تعالی نے دنیا کو چھہ روز مین پیدا کیا اور ساتوین دن پیدایش کے کام سے فراغت پا کر آرام کیا۔ علی العموم یقین کیا گیا ہے کہ دنیا کی پیدایش سے چار ہزار سال بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی ہے۔ اسطرح کہ پیدایش سے دو ہزار سال بعد طوفان آیا اور طوفان سے دو ہزار سال بعد حضرت کی ولادت ہوئی۔ مگر اس باب مین اختلافات ایسے ہین کہ اونکی نسبت محققین نے اپنی آرائے ایک سو تئیس کے قریب قائم کی ہین۔ اسلئے عہد عتیق مین سنون کے اعداد پایہ اعتبار سے ساقط شمار کئے جاتے ہین معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انتظام الہی ایسا نہین کیا گیا کہ عہد عتیق کے نسخے ہمیشہ ایک ہی رہین۔ اور اونکے ترجمے صحیح کئے جائین۔ عہد عتیق کے جو نسخے معتبر سمجھے جاتے ہین اونمین بھی ایسی غلطیان ہین کہ جنسے کسی طرح انکار نہین ہو سکتا۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ قبل از طوفان سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے تھے بعض محققین اسی کو دائرہ کے تین سو ساٹھ برابر حصون مین تقسیم ہونے کی اصل ٹھیراتے ہین۔ بہت سے علمائے مسیحی یہ بیان کرتے ہین کہ طوفان کے زمانہ سے آفتاب کی حرکت مین فرق آگیا ہے جسکے سبب سے سال مین پانچ دن اور چھہ گھنٹے کا اضافہ ہو گیا ہے انہین سے بعض کا ارشاد یہ بھی ہے کہ قوس قزح یعنی کمان طوفان سے پہلے نہین دکھائی دیتی تھی اسکی نسبت کتاب پیدایش کے ۹ ب ۱۶ و ۱۷ آیتون مین لکھا ہی کہ کمان بادل مین ہوگی اور مین اوس پر نگاہ کرونگا تاکہ اس ہمیشہ کے عہد کو جو خدا کے اور زمین کے سب طرح کے جاندارون کے درمیان ہے یاد کرون پس خدا نے نوح سے کہا کہ یہ اس عہد کا نشان ہی جو مین اپنے اور اپنی زمین کے سب جاندارون کے درمیان جو زمین پر ہین قائم کرتا ہون۔ طوفان سے پہلے آدمی گوشت خوار نہ تھا نباتات کھاتا تھا۔ کشتی سے اوتر کر اوسنے گوشت کھانا شروع کیا ہے +

جلا وطن کئے جاتے ۔ مقید ہوتے اور طرح طرح کی ذلتیں اوٹھاتے تھے جب خلیفہ مامون رشید نے
محیط زمین کے ایک درجہ کی پیمایش کے لئے اپنے ریاضی دانون اور ہیئت دانون کو حکم دیا ہے
تو تقی الدین نے جو اُس زمانہ کے علماء متبحر و فضلاء اجل مین سے ایک تھا فرمایا کہ خلیفہ بڑا خبیث ہے
خدا اوسکو یقینی جہنم مین ڈالے گا جو مومنین کے ایمانون مین فلسفہ کا ذمانہ و ملحدانہ کو داخل کرکے
خلل ڈالتا ہے مگر خلیفہ نے اسکے کہنے کو سُنا بھی نہین کہ کون بکتا ہے ۔ علامہ ابن تیمیہ مامون رشید کو
ترس ہی کھاتے رہے کہ دیکھیے فلسفہ کے رواج دینے کے جرم مین خدا اس سے کیا مواخذہ کرتا ہے
مولوی چراغ علی مرحوم کے مضمون مطبوعہ تہذیب الاخلاق ۱۳۱۲ھ کی مضامین نقل کئے جاتے ہین
معتضد باللہ خلیفہ عباسی نے ۲۷۹ھ مین تخت نشین ہوتے ہی پہلے سال کی فرمانروائی میں
فرمان نافذ کیا کہ کتب فروش فلسفہ کی کتابین نہ بیچنے پائین ۔ ملک طاہر غازی نے اپنے والد
سلطان صلاح الدین کے حکم سے ۵۸۶ھ مین بموجب فتوے فقہا حکیم سہروردی کو اس جرم مین
پھانسی دی کہ حکیم مذکور معتقد مذہب فلسفہ تھا ۔ اندلس مین بزمانہ طوائف الملوکی منصور نے علامہ ابوالولید ابن رشد کو
بمقام شہر لیسانہ قریب قرطبہ (جو سابقاً مقام اقامت یہود تھا) بجرم اشتغال علوم حکمت قید کردیا تھا اور حکم دیا تھا کہ اس
شہر مین کسی بادیہ جائے اور نیز ابوجعفر ذہبی فقیہ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم قاضی بجایہ ابوالربیع الکفیف حافظ ابوالعباس شاعر
قرابی یہ سب لوگ بھی بوجہ اشتغال علوم فلاسفہ بحکم منصور قید کیے گئے تھے اور ۵۹۵ھ مین جب اعیان و اکابر اشبیلیہ نے گواہی دی
کہ جو الزام ابن رشد پر لگایا گیا ہے وہ غلط ہے تب ابن رشد اور سب علماء محبوسین قید سے چھوڑے گئے ۔ اور یہی منصور بادشاہ کے خوف سے
علامہ ابن رشد نے اپنی مصنفات تصنیفات فلسفیہ سے انکار کیا کہ یہ میری تصنیفات نہین ہین ۔ مامون بن منصور نے ابن حبیب کو بجرم فلسفہ دانی
قتل کیا ۔ اسلام مین ہمیشہ سے فقہاء کا ایک گروہ ایسا رہا کہ جسنے علوم فلسفی و معقولات و طبعیات و منطق کے
پڑھنے پڑھانے کو منع کیا ہے اور اسکی تعلیم کو حرام اسلئے بتلایا کہ اوسنے عقائد اسلام سے برگشتگی پیدا ہوتی ہے
علم کلام کو بھی جسکو دیندار مسلمانون نے حکمت یونان اور فلسفہ کے مقابلہ اور رد مین بنایا ہے ۔
بعض متعصب مسلمان بُری نظر سے دیکھتے تھے اور بدعت و حرام بتاتے تھے +
(۳) ۹۱۱ھ ہجری ۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ علوم فلسفہ جیسے کہ منطق باجماع سلف و اکثر
مفسرین متاخرین حرام ہین ۔ اور فن منطق ایک فن مذموم و خبیث ہے اشتغال اس مین حرام ہے
کیونکہ اسکے کچھ حصہ کی بنیاد وجود ہیولے پر ہے جو کفر ہے اور فن منطق بہ انجر ہوتا ہے طرف فلسفہ اور
زندقہ کے اور کوئی دینی ثمرہ اس مین ہرگز نہین ہے بلکہ دنیاوی فائدہ سے بھی خالی ہے اس علامہ نے
بڑے بڑے علماء کے نام لکھے ہین جنہون نے علوم فلسفہ کے سیکھنے کو حرام بتلایا ہے اور احادیث سے

اور حکمت و فلسفہ کا چشمہ جو بند ہو گیا تہا وہ پہر جاری ہو گیا اور دماغون کی بنجر زمینون کو شاداب و تر و تازہ کرنے لگا۔ لوگون نے علم کی غلامانہ اطاعت چہوڑی اور صداقت کی تحقیق اختیار کی۔ غیرون کی رایون کے اوپر منازعت و مناظرہ چہوڑا اور بجاے اسکے کہ پہلے آدمیون کا کہا مانین خود دیکھنا شروع کیا جسکے سبب سے سائنس کا آفتاب نصف النہار پر آیا جسکو آج ساری دنیا دیکھ رہی ہے اور جو نہین دیکھتے تو چشمۂ آفتاب را چہ گناہ +

باب پنجم

مسلمانون کے علم و مذہب کی بزم و رزم

(۱) مسلمانون مین علوم معقولات و علوم شرعیہ کی رزم آرائی

زمانہ جاہلیت مین تمام عرب مین کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی اور بجز علم الانساب و شاعری کے کوئی تعلیم نہ تھی پس پہلی کتاب مستطاب جو عرب مین مدون ہوئی وہ قرآن شریف ہی جس نے اہل عرب کے مذہب و معاشرت کے ساتھ اونکی علمی زندگی بھی بدل دی اسلام کے ساتھ ہی کل مذہبی علوم پیدا ہو گئے۔ یہ علوم قرآن شریف سے ماخوذ ہین۔ فقہ۔ فرایض علم الحدیث و اسماء رجال علم الدرایتہ سب مذہب کے لئے مدون ہوئے علم صرف و نحو و بیان و بدیع و معانی اور علوم ادبیہ گو مذہبی علوم نہین مگر ان کی تدوین بغیر مذہبی علوم کا کام نہین چلتا تہا مسلمانون نے اپنی ذہانت کا کمال علم اسماء الرجال و علم حفظ اسناد اور اصول درایت اور علم کلام کی ایجاد مین ایسا دکھایا ہے کہ اوسکی نظیر دوسری قومون مین موجود نہین۔

اسلام مین آیات قرآنی اور احادیث نبوی بہت سی موجود ہین جنمین علم حکمت و فقہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ان کی تحصیل و تعلیم کے لئے تاکید ہوئی ہے مگر اون مین علم کے معانی خاص خدا عز و جل کی ذات و صفات و آیات و افعال کے جاننے کے اور حکمت کے معنی صرف ذات و صفات باری تعالیٰ جاننے کے اور فقہ کے معنی آخرت کے طریقہ جاننے کے لئے ہین گو علما کا ایک گروہ ایسا ہے کہ ان الفاظ کے معانی کی توسیع کر کے اور علوم دنیویہ پر حاوی کرتا ہے۔ مسلمانون مین دوسری صدی ہجری مین علوم کی ترقی اور حکمت فلسفہ یونان کی تحصیل شروع ہوئی مگر مسلمانون مین علوم کی بنا مذہب کی زمین پر رکھی گئی تھی جسکا لازمی نتیجہ یہ تہا کہ مذہبی پیشواؤن کی اجتہادی رائین جدہر رخ کرتین علوم بھی انکا ساتھ دیتے اس وجہ سے مملکت اسلامی کے ہر گوشہ مین رہ رہ کر فلسفی کو صدمے اوٹھانے پڑتے اور اہل فلسفہ کی جانین ضیق مین آئین۔ اون پر کفر کے فتوے دئے جاتے

اصل اور تقویم کل ذہن کی تھی۔ غرض مسلمانون کے ایک گروہ کے دلون مین یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ۔

علم دین فقہ است وتفسیر وحدیث   ہر کہ خواند غیر ازین گردد خبیث

(۵) منقول و معقول کی بزم آرائی

اب اسکے خلاف دوراندیش اور دانشمند مسلمان عالمون نے فلسفہ اور منطق و معقولات یونانیہ سے کچھ اندیشہ نہین کیا اسکے پڑھنے پڑھانے کو جائز رکھا اس باب مین سب سے اول حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء العلوم اور تہافتہ الفلاسفہ و منقذ من الضلالت مین جو لکھا ہے اور اوس کا ترجمہ تہذیب الاخلاق ۱۳۱۴ھ مین نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی مرحوم نے کیا ہے اوسکو نقل کرتے ہین

(۱) ہندسہ اور حساب دونون علم تو جائز اور مباح ہین اور اُن کی ممانعت کسی کو نہین ہے البتہ اوس شخص کو منع ہے کہ جس سے یہ خوف ہو کہ وہ حساب اور ہندسہ سے متجاوز ہو کر علوم مذمومہ کی طرف چلا جائے گا۔

(۲) منطق ہے اور اوس مین تعریف دلیل۔ شرط دلیل۔ تعریف حدود۔ شروط حدود سے بحث ہوتی ہے اور یہ دونو امر علم کلام مین داخل ہین۔

(۳) الہیات ہے۔ اس علم مین بحث ذات وصفات باری تعالی سے کی جاتی ہے البتہ اس علم مین فلاسفہ اور حکمانے چند مذاہب ایسے اختیار کئے مین جو بعضے کفریات کے قبیل سے ہین اور بعضے حد بدعت کو پہونچتے ہین +

(۴) طبیعیات ہے اسکے مسائل دو قسم کے ہین (۱) بعضے مخالف شرع ہین (۲) بعضے یہ ہین کہ صفات اجسام و خواص و کیفیت و استحالہ و تغیرات اجسام اونمین بیان ہوتے ہین۔ اور یہ دوسری قسم تو ایسی ہے جس طرح اطبا کے مسائل اور اون کی نظر ہوتی ہے فرق اتنا ہے کہ طبیب تو خاص بدن انسان ہی مین براہ صحت و مرض نظر کرتا ہے اور فلسفی جملہ اجسام کو براہ تغیر و حرکت دیکھتا ہے۔ ہان یہ بات ضرور ہے کہ طب کو طبعیات پر عرف ہے کیونکہ علم طب کی حاجت اور ضرورت ہے اور علوم طبعیہ کی ضرورت اور حاجت نہین +

(۵) اور نیز امام غزالی نے کتاب المنقذ من الضلال مین علوم فلسفیہ کی چند قسمین فرمائی ہین (۱) ریاضیہ۔ (۲) منطقیہ (۳) طبعیہ (۴) الہیہ (۵) سیاسیہ (۶) خلقیہ۔ اور ہر ایک علم کی نسبت تصریح کی ہے کہ کہانتک اسکو مذہب اسلام سے تعلق ہے۔

چنانچہ ریاضی کی نسبت لکھا ہے

اسکا استناد کیا ہے اور کئی کتابین منطق کی تحریم مین لکھی ہین +

(۳) سنہ ۹۷۰ھ - کتاب الاشباہ والنظائر مین مولانا زین العابدین نے لکھا ہے کہ بعض علوم کا حاصل کرنا حرام ہے جیسے کہ فلسفہ - شعبدہ - نجوم - رمل - علوم طبایعین - سحر - اور فلسفہ مین منطق بھی داخل ہے اور علم حروف و علم موسیقی بھی شامل فلسفہ ہے - اور بعض علوم کی تحصیل مکروہ ہے مثلاً اشعار باطلہ مولدین اور بعض علوم کی تحصیل مباح ہے جیسے کہ وہ اشعار مولدین جن مین امور باطلہ کا ذکر ہی نہ ہووے -

(۴) سنہ ۱۰۶۷ھ - کشف الظنون مین لکھا ہے کہ بازار فلسفہ و حکمت روم مین بعد فتح اسلامی تا اوسط دولت عثمانیہ خوب گرم رہا اور انسان کی عزت و بزرگی و علوشان اسی مقدار سے خیال کیجاتی تھی جسقدر اسکو علوم عقلیہ و نقلیہ مین مرتبہ و رسوخ حاصل ہوتا تھا اور دولت عثمانیہ مین تو بہت سے لوگ ایسے صاحبان کمال موجود تھے جو علوم حکمت و شریعت دونو کے جامع تھے جیسے کہ علامہ شمس الدین فناری - فاضل قاضی زادہ رومی علامہ خواجہ زادہ علامہ علی قوشجی - فاضل ابن المؤید میرم چلپی علامہ ابن الکمال - فاضل ابن الحنائی - ان ہی ابن الحنائی پر جامعیت علوم حکمیہ و شرعیہ کا خاتمہ ہوگیا انکے بعد کوئی جامع نہین ہوا اور جب زمانہ انحطاط علوم عقلیہ آیا تو علوم عقلیہ ہوا اون کے جھونکے کہ تھپیڑے کھا گئے - اور وجہ انحطاط و نقصان علوم عقلیہ یہ ہوئی کہ بعض مفتیون نے فلسفہ کے پڑھنے پڑھانے کو قطعاً منع کردیا اور کتاب ہدایہ و اکمل کے پڑھنے پڑھانے کی ترغیب و تاکید کی بایں ہمہ بسبب علوم عقلیہ کا اندراس ہوگیا اور برائے نام باقی رہ گئے پس وہ اصل سبب اندراس و انقراض علوم عقلیہ کا ملک روم سے وہی مفتی صاحب ہوئے مولانا شہاب الدین خفاجی نے خبایا الزوایا مین ایسا ہی لکھا ہے اور اصل تو یہ ہے کہ انحطاط علوم در اصل علامت انحطاط دولت ہی جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے ذکر کیا ہے +

اندلس مین فقہا کے خوف سے علم فلسفہ نہایت مذموم ہوگیا تھا اور یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص فلسفہ دانی کا اظہار کرے اور اسی وجہ سے مصنفات فلسفیہ وہان مخفی کی جاتی تھین اور اندلس مین منطق کی تو اسقدر سخت و شدید ممانعت کی جاتی تھی کہ کوئی منطق کا نام نہین لے سکتا تھا - فقہا کے خوف کے سبب سے اہل منطق نے منطق کا نام بطور اصطلاح و چیستان فعل رکھ چھوڑا تھا - اور منطق کی ممانعت کی اسقدر شدت ہوئی تھی کہ کسی وزیر سلطنت کو اپنے بیٹے کے لئے کسی منطق کی کتاب کی ضرورت تھی مگر وہ باعلان اس منطقی کتاب کو خرید نہ کرسکا بلکہ بطور اخفا اسی نے خرید کی - باوجودیکہ منطق کل علم کی

امور مذکورہ طبعیات کے انکار پر دین موقوف خواہ مشروط نہین ہے - ہان چند مسائل طبعی جو تہافۃ الفلاسفہ مین ہمنے بیان کئے وہ البتہ خلاف عقائد دینی ہین - اور علاوہ مسائل مذکورہ تہافۃ الفلاسفہ جو مسائل طبعی واجب المخالفۃ ہین تو بامعان نظر و بعد تامل ظاہر ہوتا ہے کہ وہ باقی مسائل انہین مسائل مذکورہ تہافۃ الفلاسفہ کے تحت مین مندرج و داخل ہین - اور اصل کلی ان سب مین یہ ہے کہ آدمی اسکا یقین رکھے کہ طبیعت مسخر خداوند عالم کی ہے خود بخود کوئی کام نہین کرتی بلکہ بحکم خدا کام و نفس کرتی ہے اور آفتاب ماہتاب ستارے طبایع مختلفہ سب حکم خدا کی مسخر و منقاد ہین کسی کو بطور خود اختیار نہین ہے - اور فلسفہ یونان کے علم الہیات کے حق مین فرماتے ہین یعنی الہیات پس اس مین تو خود ہی اکثر فلسفہ کی اغلاط ہین اور جو جو شروط علم منطق مین اونہون نے درباب ادلہ و براہین مقرر کئے تھے وہ یہان پورے نہین چل سکے اور ادن کا عمل پورا ان قواعد پر نہین ہو سکا - اور یہی وجہ ہے کہ انکے باہم ہا اختلاف کثیر ہو گیا ہے ہان ارسطاطالیس کا مذہب درباب الہیات البتہ مسلمانون کے قریب قریب ہے جیسا کہ فارابی اور ابن سینا نے نقل کیا ہے مجموع اغلاط فلسفہ کا رجوع تین اصلون کی طرف ہوتا ہے جسمین تین اصلین تو ایسی ہین جو موجب تکفیر فلسفہ ہین اور سترہ اصول سے اونکی تبدیع ہوتی ہے اور انہین مسائل کے ابطال مین ہم نے تہافۃ الفلاسفہ لکھی ہے - وہ تین مسائل جو موجب تکفیر قایل مخالف جملہ اہل اسلام ہین یہ ہین -

(۱) اجساد کا حشر نہ ہوگا ثواب عذاب روح پر ہوگا عقوبات روحانی ہین جسمانی نہین ہین روحانیات کو جو وہ ثابت کرتے ہین اوسمین تو سچے ہین کیونکہ روحانیات ضرور موجود ہین - انکار جسمانیات مین البتہ اونسے غلطی ہوئی ہے اور شریعت کے خلاف اونہون نے کیا ہے -

(۲) خدا کلیات کو جانتا ہے جزئیات کو نہین جانتا - یہ بھی کفر صریح ہے بلکہ خدا کے علم سے کوئی ذرہ سموات اور ارض مین مخفی نہین ہے -

(۳) قول قدم عالم اور عالم کا ازلی ہونا یہ بھی خلاف شرع ہے اور کوئی مسلمان ان مسائل سہ گانہ کا قایل نہین ہے -

اب رہے علاوہ انکے اور مسائل مثلاً یہ مسئلہ کہ صفات باری تعالیٰ ازلی ہین یا یہ کہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے مگر وہ علم ذات سے جدا کوئی شے نہین ہے - اسی طرح کے اور مسائل جو اسکے مشابہ ہین پس ان مسائل مین تو انکا مذہب قریب قریب مذہب معتزلہ کے ہے

علم ریاضی کا تعلق علم حساب و ہندسہ و علم ہیئت عالم سے ہے اور ان امور کو امور دینی سے کسی طرح کا تعلق نہین ہے نہ اونکے ثبوت پر امور دینی موقوف ہین نہ اونکی نفی پر بلکہ اِن علوم کو امور برہانیہ مین مدخل ہے ۔ یعنی منطقیات کو کوئی تعلق امور دینیہ سے نفیاً وا ثباتاً نہین ہے بلکہ علم منطق کا محصل یہ ہے کہ دلائل اور قیاسات اور شروط مقدمات دلیل اور کیفیت ترکیب دلیل اور شرائط حد صحیح و کیفیت ترکیب حد کے قواعد اور طریقے اوسمین بیان ہوتے ہین ۔ اور یہ بات بیان ہوتی ہے کہ جو علم ہے وہ دو قسم سے خارج نہین ہے تصور و تصدیق اور یہ کہ تصور ہے تو اوسکی حد کی معرفت اور تصدیق ہے تو اوسکی دلیل کی معرفت کیونکر ہوتی ہے اور یہ امور جو مذکور ہوئے اُن مین کوئی ایسی بات نہین جو قابل انکار ہو بلکہ یہ امور تو اُسی قسم کے ہین جیسے متکلمین اور اہل نظر دلائل کے طرق مین بیان کیا کرتے ہین ۔ منطقیین اور متکلمین مین باہم فرق محض براہ عبارات و اصطلاحات و اجمال و تفصیل کا ہے ۔ اور منطقیین کے کلام کی مثال اون امور مین یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہین کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ ہر (ا) (ب) ہے تو اس قول سے یہ لازم ہوگا کہ بعض (ب) (ا) ہے یعنی جب یہ قضیہ مسلم ہوگیا کہ ہر انسان حیوان ہے تو اوس سے یہ لازم آئے گا کہ بعض حیوان انسان ہین اور اسی لزوم کو وہ یون بیان کرتے ہین کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوتا ہے ۔ اور اس مسئلہ کو بھلا امور دینی مین کیا دخل و تعلق ہے جو اوسکا یا اوسکے ہم مثل مسائل کا انکار کیا جائے ۔ اور اگر ایسے امور و مسائل عقلی کا انکار اہل دین کی طرف سے کیا جائے تو بجز اسکے کہ اہل منطق منکر کو بے عقل کہین بلکہ اوس کے دین کو بُرا جانین (جو دین ایسے امور کے انکار پر موقوف ہو) اور کیا نتیجہ پیدا ہوگا ۔ ہان ایک بات منطقیین کے دخل کی ظلم اور خلاف ہے کہ وہ دلیل مین چند امور ایسے جمع کرتے ہین جو یقیناً باعث یقین نتیجہ معلوم ہوتے ہین لیکن مقاصد دینیہ مین ان شرائط کی پابندی اُن سے نہین ہو سکتی بلکہ دینی امور کے دلائل مین حد درجہ کا وہ تساہل کرتے ہین +

اور علوم طبعیات کے لئے لکھا ہے

علم طبعیات مین بحث ہوتی ہے اجسام سماوی و کواکب اجسام مفردہ اربعہ عناصر و اجسام مرکبہ حیوانات و نباتات و معادن سے اور اسباب تغیرات و استحالہ و امتزاج اجسام مرکبہ سے اور یہ بحث و نظر ایسی ہے کہ جیسے طبیب جسم انسانی و اعضاء رئیسہ و خادمہ انسانی و اسباب استحالہ مزاج انسانی مین نظر کرتا ہے ۔ اور جس طرح انکار علم طب کا شرط دین کی نہین ہے یون ہی

س پیدا نہین ہوتا لیکن اوسکو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ اسلام اس دلیل قطعی کے انکار اور جہل پر مبنی ہے
خر یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ کی محبت اور اسلام کی طرف سے بغض روز بروز ترقی پاتا ہے پس جس شخص
ے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اس نے حقیقت مین دین اسلام
سخت ظلم کیا + دوسرے مقام پر وہ فرماتے ہین کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ان مسائل محققہ علم
ہیئت پر ہندسہ وحساب کی روسے ایسی دلائل قطعی قائم ہوچکے ہین کہ اون مین شک کی مجال نہین
جو شخص ان دلائل سے واقف ہو اور اوس نے اون کی خوب تحقیق کرلی ہے اور وہ حساب کی رو
سے کسوف وخسوف کی پہلے سے خبر دیدے اور یہی بتادے کہ کسقدر اور کتنی دیر تک کسوف وخسوف
رہیگا اوسکو اگر یہ کہا جائے کہ تمہارا قول خلاف شرع ہے تو اوسکو اپنے قول کے یقینی ہونے مین
وشک ہونے سے رہا ہو نہ ہو شرع کی صداقت مین ۔ اوسکو شبہ پیدا ہوگا پس بقول شخصی کہ
جاہل دوست سے عاقل دشمن بہتر ہے جو لوگ شرع پر معقول طریقہ سے طعن کرتے ہین ۔ اونسے مذہب اسلام
واسقدر ضرر نہین پہنچا جسقدر اون لوگون سے پہنچتا ہے ۔ جو بیڈھنگے طور پر شرع کی مدد کرنا چاہتے
ہین پھر اسکے آگے امام صاحب نے ایک حدیث کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کسوف وخسوف
کا اس طور پر بتانا اوس حدیث کے الفاظ کے خلاف ہین کہ جب کسی شے پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے ۔ تو وہ
شے اوسکے آگے سرنگون ہوجاتی ہے ۔ تو اوسکا یہ جواب ہے کہ اول تو ان زائد الفاظ کی صحت مشتبہ ہے ۔
اندرین صورت راوی کی تکذیب واجب ہے ۔ اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو امور قطعیہ کے انکار کی بہ نسبت
ایسی روایت کی تاویل کرنا سہل تر ہے ۔ بہتیری جگہ بعض ایسے دلائل قطعیہ کی وجہ سے جو وضوح
مین اس حد تک نہین پہونچتے ہے جسقدر دلائل دربارہ کسوف وخسوف پہنچتے ہین ۔ ظاہر آیات کی
تاویل کرنی پڑی ہے ۔ غرضکہ یہ امر کہ حال کے علمی مسائل پر غور کیا جائے اور اوسکی تردید یا تطبیق مذہبی
مسائل سے کی جائے بلاشبہ نہایت ضروری امر ہے اور اوسکے لئے اون علوم کا سیکھنا لازم ہے اور
اور ہمارے تمام عالمون پر یہ فرض کفایہ ہے +

(۷) اخوان الصفا جسکو امام احمد ابن عبداللہ نے دوسری صدی مین لکھا ہے جسکی نسبت اوس
زمانہ کے ایک عالم نے اس کتاب کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ جو سبب امام کو اس کتاب کے چہرہ سے برقع اٹھانے
اور گرہون کے کہولنے کا باعث ہوا وہ یہ ہے کہ سلطنت اسلامی نے جب مسلمانون کے لئے ملکون کو شرقا
وغربا تسخیر کرلیا اور اپنی زبردست طاقت سے مسلمانون کے مقابلہ مین صلح وجنگ سے طاقتور لوگونکو شکست
دیدی اور تمام اطراف سے فتح ونصرت پہنچی اور خدا کے دین مین لوگ فوج فوج داخل ہونے لگے اور مذہب حنفی و

اور معتزلہ کی تکفیر ان مسائل ور ایسے معتقدات سے نہین کی جاتی - اور ہمنے کتاب التفصیل مین
تفرقہ اسلام و زندقہ کو بیان کیا ہے اور اوس شخص کی راے پر بحث کی ہے جو عموماً ہر مخالف
کو کافر قرار دیتا ہے -

اور سیاست مدن کی نسبت تحریر فرمایا ہے

یعنی سیاست مدن مین اقوال حکما و فلسفہ کا مآل تو حکم و مصالح دنیاوی سلطنتی کی طرف ہے
اور ان امور کو اونہون نے کتب سماوی منزل علی الانبیاء سے لیا ہے یا جو حکمتین اولیاء سلف سے منقول
ہین وہ اونکا ماخذ ہین -

اور بابت علم اخلاق کے لکھتے ہین

یعنے علوم اخلاقیہ مین مآل حکما تعداد و حصر صفات نفسانی و اخلاق نفس و اقسام اخلاق و معالجہ
اخلاق کی طرف ہے اور یہ امور کلام صوفیہ سے اونھون نے لئے ہین -

یہانسے ظاہر ہوتا ہے کہ جملہ علوم فلسفیہ حرام اور مذموم نہین ہین الا بعضے اقسام علم فلسفہ
مین کچھہ باتین مذہب کے خلاف ہین اور یہ خلاف مذہب باتین الہیات اور طبعیات مین ہین اور
منطق جو حرام ٹھیرائی گئی ہے وہ وہی منطق ہے جسمین یونانی فلسفہ کی الہیات کے مسائل شامل
اور مختلط ہین اور منطق صرف اور محض حرام نہین بلکہ وہ جو مرکب ہے اور یونانی الہیات کی چند باتین
اوسمین داخل ہین اور درحقیقت یہ فلسفہ الٰہی اور یہ منطق حرام ہین -

کیا خوب فرمایا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے - کہ کسی مذہب کی تردید کرنا قبل اسکے کہ اوسکو
سمجھین اور اوسکی حقیقت سے مطلع ہون اندھیرے مین تیر چلانے ہین - اور بے سمجھے بوجھے محققہ
مسائل کو غلط کہدینا اور جو باتین علم کی دلائل ہندسیہ کی طرح مستحکم دلیلون سے ثابت ہو چکی ہیں
اونکو نہ ماننا مذہب کی حمایت نہین ہے - بلکہ ایسی حمایت کرنیوالون کو وہ اسلام کا جاہل دوست
سمجھتے ہین - چنانچہ وہ اپنی ایک کتاب مین فرماتے ہین کہ ریاضیات مین ایک آفت اسلام
کے جاہل دوستون سے پیدا ہوئی ہے جنکا یہ خیال ہے کہ دین کی فتحیابی یہ ہے کہ جو علم فلسفہ کی
طرف منسوب ہوا اوسے انکار واجب ہے - اسلئے اونہون نے جملہ علوم فلسفہ سے انکار کیا ہے اور اونکی
جہالت نے اونکو یہانتک آمادہ کیا ہے کہ جو کچھہ فلسفیون نے کسوف و خسوف کے باب مین لکھا ہے
اوس سے بھی انکار کیا - اور یہ سمجھا کہ اونکے اقوال بھی خلاف شرع ہین جب یہ بات ایسے شخص
کے کان مین پڑتی ہے جسکو یہ امور دلیل قطعی سے معلوم ہو چکے ہون تو اوسکو اپنی دلیل مین تو کچھہ

پایہ کا عالم متبحر ہے)

(۹) ابن حجر مکی نے شرح اربعین مین لکھا ہے کہ علوم شرعیہ فقہ و حدیث و تفسیر کا علم منطق (جو آجکل زمانہ مین رائج ہے) ایک آلہ ہے اور وہ منطق تو ایک مفید علم ہے اور کوئی خرابی اور ممانعت اس علم مین نہین ہے اور جو منطق شرعًا ممنوع ہے وہ وہی ہے جسمین فلسفہ خلاف شرع ممزوج ہوا اور یہ منطق مروج تو مثل علوم عربیہ نحو و صرف معانی بیان لغت کے مادہ اصول فقہ ہے کیونکہ جو علم شرعی ہے اسکا تصوریا تصدیق بطور یقینی اثبات ہونا ضرور ہے اور منطق سے یہی مقصود ہے کہ وہ احکام تصوری اور تصدیقی کو بیان کرے تو اب ضرور ہوا کہ منطق بھی علم شرعی ہو کیونکہ علم شرعی تین قسم کا ہے (۱) وہ ہے جو خود شرع سے صادر ہوا ہے (۲) وہ ہے جسپر علم شرعی اپنے وجود مین موقوف ہے (یعنی جب وجود خالق و صفات ثبوتیہ و سلبیہ و ثبوت انبیا و معاد کو آدمی جان لے اور ان سب کا اسکو یقین ہو اسوقت علم شرعی یعنی فقہ حدیث تفسیر کا یقین کرسکتا ہے (۳) وہ علم ہے کہ جسپر علم شرعی اپنے کلام مین موقوف ہو جیسا کہ علم عربیہ و منطق کیونکہ بدون نحو و صرف وغیرہ جانے ہوئے کامل طور سے علم شرع حاصل نہین ہوسکتا اور بایں وجہ غزالی نے فرمایا ہے کہ جو منطق کو نہ جانے یا جسکے ذہن مین قواعد منطق خود بخود مرتکز نہین اسکی فقہ پر اعتماد نہین ہے اور از جملہ مادحین علم منطق فخر رازی۔ آمدی ابن حاجب شراح کتاب ابن حاجب وغیرہ وغیرہ ائمہ اعلام ہین اور قول بحرمت منطق محمول ہے اس منطق پر جو مختلط بفلسفہ ہے ہو۔

(۱۱) سنہ ۹۵۷ھ محمد بن احمد المعروف نے مدینۃ العلوم مین لکھا ہے

پہلا شعبہ بیان علوم آلی مین جو چیز کسب کتاب مین خطا سے بچاتی ہے وہ علم منطق ہے اور اوسکا نام علم المیزان بھی ہے بعض حکما نے تو منطق کو قائم مقام رئیس علوم عقلیہ قرار دیا ہے بلکہ علوم شرعیہ کا مبادی بتایا ہے۔ اور بعض علمار نے منطق کو فرض عینی کہا ہے اس بنا پر کہ معرفت خالق تعالیٰ بدلیل و برہان واجب ہے اور دلیل و برہان کی تکمیل بغیر منطق نہین ہوسکتی۔ پس جس چیز پر امر واجب موقوف ہو وہ خود واجب ہے اور خدا جزائے خیر دے اسے جسنے یہ اشعار کہے ہین جنکا خلاصہ یہ ہے کہ ۔ مذمت کی منطق کی ان لوگون نے جنکو خود عقل نہ تھی اور منطق کو کوئی ضرر اُن کی مذمت سے نہین ہوسکتا کچھ نقصان آفتاب کو بحالت طلوع نہین ہوسکتا گو نابینا اوسے نہ دیکھے۔

اور نحو و منطق کی مدح و ثنا مین یہ اشعار بھی ہین جنکا ترجمہ یہ ہے ۔ اگر تو قاصد علوم تحصیل ہے ۔ تو تجھے واجب ہے کہ نحو اور منطق کو حاصل کر منطق تو عقل کی ترازو ہے اور نحو موجب اصلاح زبان ہے گویائی

ملت ابراہیمی کی تُند ہواؤن کے چلنے سے منسوخ مذہبون کے منہدم ارکان دریا کے گردابون اور موجون کی صورت مین جھاگ لانے لگے تو ملاحدہ ایسی حالت مین سامنے آئے کہ اُنکے نفس مین برائیان بہری ہوئی تہین اور وہ خلافت عباسیہ کے معاون بن گئے مذہبی امور سے وہ نفرت رکہتے تہے اور فلسفی اور سوفسطائی لوگون کی باتون پر رات دن راغب کرتے - اسواسطے ان ملاحدہ کو بہت قوت ہوگئی - جیسے کہ ہم اس زمانہ مین مذہب سے اعتراض کرنے والون کی قوت کو دیکھہ رہے ہین اور اونکا ستارہ ایسا ہی بلند ہوا جیسے کہ اس زمانہ مین دولت نصرانی کے معاون مسلمانون کا خلافت نے ان ملاحدہ کے قوانین کی پسندیدگی کی طرف میلان کیا اور اُن کی قوتون کو اپنے دل مین پسند کیا اعدا ابلیس انکی شکلون مین سامنے آیا اور روز بروز مذہبی لباسون کے اتارنے مین مستعدی کی - ملاحدہ نے فلسفہ کے ذریعہ سے مسلمانون پر بڑا جادو کیا اور شریعت کے بیکار کرنے اور الحاد کو فلسفہ کے لباس مین رواج دینے مین انہین شیطانون کی رائے کی پیروی کی ایسے وقت مین نحن انزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے موافق خدا کی مہربانی نے اپنے ایک ولی کو جنبش دی تب تو وہ بہری ہوئی دوات اور جاری قلم کی مدد سے دل کے باغون کو ان رسالون کے لکہنے سے سیراب کرنے لگا اور وہ علم کہ حفاظت شریعت کے لئے سب سے بڑہ کر قابل تہا پس خدا کی نعمت اور اس ولی کی سعی سے دین کی صبح روشن ہوگئی اور دین کا باغ تر و تازہ ہوگیا اور یہ بات ظاہر ہوگئی کہ خود فلسفہ ہی لوگون کو شریعت روشن کی طرف بلاتا ہے اور وہ شریعت کے فیصلون کی تائید کرتا ہے اسلئے کتاب اخوان الصفا شریعت اور فلسفہ کے لئے میزان انصاف بن گئی اور سماوی کتابون کی طرح پاک اور مقدس کتاب ہوگئی جسکے سامنے اور پیچہے سے باطل نہین آتا - اور اسکو کسی تعریف کرنے کی ضرورت نہین رہی غرض اس کتاب کا مصنف وہ مجتہد ہے جس نے اس کتاب کو واجب الوجود کی ذات کی معرفت اور نفس کے وجود و اثبات پر لکہا ہے اور ایسی قطعی دلیلین اور روشن مثالین بیان کی ہین جس سے ان ملحدون کے جو اپنے آپ کو فلسفہ سے منسوب کرتے ہین سارے قول باطل کردئے - اس کتاب کے لکہنے پر اسلامی محبت نے ان کو آمادہ کیا اور انکو اس کتاب سے ثابت ہوگیا کہ خود فلسفہ شریعت محمدی کی جولانگاہ اور شریعت کے احکام اور مسائل کی تائید کرتا ہے +

(۸) سنہ ۹۰۳ کتاب فتح المبین مین لکہا ہے کہ حلیمی وغیرہ نے فلسفہ و فروع فلسفہ الہی طبیعی ریاضی کے پڑہنے پڑہانے کو جائز بتایا ہے کیونکہ یہ علوم حاصل کرکے آدمی فلسفہ کا رد کرسکے اور اونکے حملے جو شریعت پر ہوا ان اون کو دفع کرسکے پس فلسفہ جاننا از قبیل فراہمی سامان و اسباب جنگ ہے (حلیمی ایک بہت بڑے

کسی علم مین نہین اور بعض علماء کی رائے ہی کہ منطق جاننا فرض کفائی ہے اور بعض نے کہا کہ فرض عینی۔ شیخ بوعلی سینا نے کہا کہ جملہ علوم کی تحصیل کے لئے منطق عمدہ ذریعہ اور معین ہے اور جو منطق نہین جانتا اور اوسکو نہین سمجھتا اوسی نے اوسکو چھوڑ دیا اور اوسکے فوائد سے انکار کیا۔ باین وجہ کہ جو شخص جو چیز نہین جانتا وہ اوسکا دشمن ہوا کرتا ہے اور بعض لوگون کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ علم منطق باعث تشویش وبرہمی عقائد دینیہ ہو جاتا ہے حالانکہ منطق برائے حفظ ہے اور منشاء اس خیال کا یہ ہوا کہ بعض اذکیا جنکو علوم شرعیہ مین کامل مہارت نہ تھی اور وہ علم منطق مین مشتغل ہوئے اور بعض علوم کی ادلہ وبراہین کو اونہون نے اپنے ذہن مین مشکل جانا اور اوسکا جواب دے سکے تو وہ شریعت اور اہل شریعت کو بہ نظر تحقیر دیکھنے لگے۔ پس یہ خرابی خود اوس شخص کے فہم کی ہے کچھہ علم کا قصور نہین ہے۔ اور اہل علم نے کہا ہے کہ مؤید من اللہ جو لوگ ہین یا جنکا علوم ضروری (بدیہی) ہے وہ تو منطق سے مستغنی ہین اور علاوہ انکے ہر شخص منطق کا محتاج ہے۔

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب اس درجہ کی منطق کی حاجت وضرورت ہی تو ائمہ اسلام مقتدایان انام مثل مالک۔ شافعی۔ ابوحنیفہ کی بابت کیا فیصلہ ہوگا کیونکہ انکا منطق مین مشغول ہونا تو نہین سنا گیا نہ کسی نے نقل کیا حالانکہ منطق از جملہ علوم فلسفیہ ہے اور جن لوگون نے منطق کو عربی مین یونانی سے ترجمہ کیا یا علوم اسلام مین منطق داخل کی اونکی نہایت مذمت اور توہین علماء اسلام نے کی ہے۔ ابن تیمیہ سے تو منقول ہے وہ کہتے ہین مجھے ہرگز گمان نہین ہے کہ خداوند عالم مامون عباسی کو چھوڑ دے اور اسلام مین فلسفہ داخل کرنے کی سزا اوسکو نہ دے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ مالک۔ شافعی۔ ابوحنیفہ کی طبائع سلیمہ فطرۃ مستقیمہ مین علم منطق خود بخود بدون تعلیم وتعلم کے مرتکز تھا صرف عبارات واصطلاحات منطق وہ لوگ نہ جانتے تھے جیسا کہ نحو کا حال ہے کہ قبل تدوین علم نحو اصطلاحات نحویہ سے عرب واقف نہ تھے مگر خلقۃً صحیح طور سے بولتے تھے ۔ (۱۳۳) سنہ ۱۲۵۲ھ۔ محمد امین الشہیر لکھتا ہے کہ حرمت فلسفہ مین منطق بھی داخل ہے کیونکہ وہ فلسفہ کا جزو دوم ہے جیسا کہ ہمنے سابقاً بیان کیا اور مراد اس منطق حرام سے وہی ہے جو کتب فلسفہ مین اونکی ہدایت باطلہ کے استدلال کے لئے مذکور ہوتی ہے۔

اب رہی منطق اسلامیون کی جسکے مقدمات قواعد اسلامی ہین اوسکے تو حرام ہونے کی کوئی وجہ نہین بلکہ امام غزالی نے تو اسے معیار العلوم کا نام دیا ہے اور بہت سے علماء اسلام نے اس مین کتب تصنیف وتالیف فرمائی ہین اور جملہ علماء مصنفین محقق ابن الہمام ہین جنہون نے

اور روزمرہ مین +

(۱۱) ۹۶۹ھ - شرح اشباہ مین لکہا ہے

بعض فاضل کہتے ہین کہ ہم نے اپنے اصحاب کی کتب مین منطق حرام ہونیکا قول نہین دیکھا اگر مصنف نے دیکھا تھا تو اونکو مناسب تھا کہ وہ حوالہ دیتے - کلام شافعیہ خصوصاً متاخرین شافعیہ مین تو حرمت منطق کی تصریح ہے - اور بعید نہین کہ اس تجویز حرمت کا باعث یہ ہو کہ تحصیل منطق مین تضیع عمر ہے علاوہ برین جو کوئی مشغول منطق مین ہوا تو اکثر اوقات اسکا میلان فلسفہ کی طرف ہوجاتا ہے پس گویا ممانعت منطق از قبیل سد ذرائع ہے ورنہ خود منطق مین کوئی امر منافی وخلاف شرع نہین -

اور بعض فضلاء نے کہا کہ شاید مراد مصنف کی حرمت منطق سے منطق فلاسفہ ہے کیونکہ اسلامیون کے منطق کے حرام ہونے کی تو کوئی وجہ نہین ہے کیونکہ مخالف قواعد اسلامیہ تو اس مین کوئی امر نہین ہے اور علمائے اعلام واساطین اسلام نے اس منطق مین کتب کثیرہ تصنیف کی ہین مثلاً قطب الدین رازی اور جملہ متقدمین اور متاخرین مین ابن عرفہ - شیخ الاسلام زکریا انصاری اور غزالی نے تو منطق کا نام معیار العلوم رکہا ہے اور جو کوئی منطق نہ جانتا ہو اسکے علم پر اعتماد نہین ہے - اور شیخ الرئیس ابن سینا نے منطق کو لقب خادم العلوم کا عنایت فرمایا -

(۱۳) ۱۰۶۷ھ - کشف الظنون مین منطق کی تعریف مین لکہا ہے -

علم منطق جسکا نام علم المیزان بھی ہے اور وہ ایسا علم ہے جسکے ذریعہ سے دریافت ہوتی ہے کیفیت تحصیل مجہولات تصوری اور تصدیقی کی معلومات تصوری اور تصدیقی سے اور اس علم کا نام معقولات ثانیہ ہے باین شرط کہ وہ معقولات ثانیہ مجہول چیزون کی طرف پہنچا دین اور اور علم منطق کا جو نفع وغرض وفائدہ ہے وہ اِس فن کی کتب مبسوطہ مین بیان ہوا ہے (یہ مضمون مصباح السعادۃ سے لیا گیا ہے) چونکہ منطق سے جملہ علوم کی صحت وغلطی اور قوت وضعف کا فیصلہ ہوتا ہے بنابرین فارابی نے اسکا نام رئیس العلوم رکہا ہے سو باین خیال کہ منطق آلہ تحصیل علوم کسبیہ ونظریہ عملیہ ہے اور مقصود اصلی وخود نہین ہے شیخ رئیس نے اسکا نام خادم العلوم تجویز کیا ہے اور ابن حبان نے تفسیر بحر محیط مین لکہا ہے کہ جزیرہ اندلس مین منطق کا نام اہل منطق نے بخوف دارو گیر فقہا فعل رکہا لیا تہا اور اس لفظ سے منطق مراد لیتے تہے تا کہ کوئی نہ جانے - تا اینکہ ایک وزیر نے اپنے بیٹے کے لئے منطق کی ایک کتاب خریدنا چاہا تو بوجہہ فقہا اسکو باخفا خریدکیا - باوجودیکہ منطق اصل جملہ علوم ہے اور ذہن کی مقوم ہے - غزالی نے فرمایا جو منطق نہ جانتا ہو اسکا اعتبار

جیسا کہ اور مذہبون مین اندھی تقلید ہر مذہب کا مدار کہا گیا ہے جسکی تند باد مین عقل کا چراغ روشن
نہین ہوتا اور عقل سے کام لینا کفر سمجھا گیا۔ تنقیح و تحقیق اور شریعت کی تطبیق فطرت پر بدعت اور کفر کا
الزام لگایا گیا ایسا اسلام مین نہین ہوا چنانچہ یہ امر ہمارے اوپر کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے
بڑے محقق مجتہد و امام ایسے گذرے ہین کہ جنہون نے دین کو عقل سے اور مذہب کو حکمت سے جدا نہین
سمجھا۔ اخلاق جلالی کی عبارت ذیل مین نقل کرتے ہین جسسے ثابت ہوتا ہے کہ اسمین حکما کے درجہ کو
انبیا تک پہنچایا ہے تنویر تحقیق خلافت السائر ابد و جبیر منوط است یکے حکمت بالغہ کہ عبارت است
از کمال علمی۔ دوم قدرت فاضلہ کہ عبارت است از کمال عملی و این سخن بر آن تقدیر است کہ حکمت را
تفسیر بمجرد علم باحوال موجودات کنند و نفس عمل را خارج از حکمت دارند۔ اما برین تقدیر کہ حکمت را
تفسیر کنند بخروج نفس بکمالے کہ او را ممکن است در جانب علم و عمل احتیاج بتقیید آخر نیست بلکہ خلافت
بمجرد حکمت حاصل است چون عمل در ان داخلست و در تفسیر ثانی است چہ فقہ است بمعنی اصلی زیرا کہ حکمت
در اصل لغت موضوع است بازاے راست گفتاری و درست کرداری و ایضاً نص وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا باین معنی انسب و الیق است و بر تفسیر اول مثل اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ از قبیل عطف
الفاظ مترادفہ باشد و شک نیست کہ حمل بر تاسیس اولی است از تاکید۔ انچہ قدماے حکما در تعریف
فلسفہ گفتہ اند اَلتَّشَبُّہُ بِالْاِلٰہِ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ معنی ثانی است چہ بمجرد علم بے تخلق باخلاق الٰہی تشبہ
تمام نمیشود و محقق است کہ انسان بمجرد علم بے عمل بذروہ کمال نمے رسد چنانچہ در حدیث نبویست
علی قائلہ افضل صلوات المصلین و اکمل تحیات رب العالمین اَلْعِلْمُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ وَبَالٌ
وَالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ و حضرت رسالت پناہ عَلَیْہِ اَفْضَلُ صَلَوَاتِ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ از علم
بے عمل پناہ بخدا بردہ حَیْثُ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ۔ و مراد
بعلمے کہ در تعریف حکمت مذکور است نہ حفظ اقوال متداولہ مشہورہ است بل مراد یقین بمطالب حقیقی است
خواہ بنظر و استدلال حاصل شود چنانچہ طریقہ اہل نظر است کہ ایشان را علما میخوانند و خواہ بطریق تصفیہ
و استکمال چنانچہ شیمہ اہل فقر است و ایشان را عرفا و اولیا مینامند و ہر دو طائفہ بحقیقت حکما اند بلکہ
طائفہ ثانیہ چون محض بموہبت ربانی فائز بدرجہ کمال شدہ اند و از مکتبخانہ عَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا سبق گرفتہ
اند و در ان طریق اشواک و شکوک و غوائل اوہام کمتر است اشرف و اعلی باشند و بوراثت انبیا کہ
کہ صفوۃ خلائق اند اقرب و ہر دو طریق در نہایت وصول سر بہم باز مے آرد اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّہٗ
و میانہ محققان ہر دو طریق ہیچ خلاف نیست چنانچہ منقولست کہ شیخ عارف محقق مدقق قدوۃ ارباب العرفان

بہت طولانی اور عمدہ بیان ارباب منطق کا اپنی کتاب تحریر الاصول کے مقدمہ مین لکھا ہے

(۱۴) قاضی شوکانی نے ادب الطالب مین لکھا ہے کہ جو شخص علوم شرعیہ مین راسخ القدم ہو اوس کے لئے فنون ریاضی۔ طبعی۔ ہندسہ۔ ہیئت (جو فکرون کو صیقل و طبائع کو صاف کرتے ہین) اور سرو قلمی اور الشیاح نفسی پڑہاتے ہین) کے حاصل کرنے مین کچہ خوف نہین ہے۔ حاصل یہ کہ ہر فن کا علم اوسکے نجاننے سے بہر طرح بہتر ہوتا ہے خصوصًا اس شخص کے لئے جسنے اپنے نفس کو طبقہ عالیہ اور منزلت رفیعہ کے لئے راسخ کر لیا ہو اور غیر علوم شرعی کی تحصیل پر جو تشنیعات تو سنتا ہے انکی جانب کچہ التفات نکر کیونکہ یہ تشنیعات تقلیدی ہین اور بعد ازین کہ تو کوئی علم از جملہ علوم حاصل کر کر اس علم جدید حاصل کردہ پر تو جبکہ علم سابق تو حاکم رہیگا اور علم سابق تیرا کچہ علم جدید کا محکوم نہو جائیگا! پہر تجہے اختیار ہے اپنے لئے جو چیز بہتر ہے اُسے پسند کرے اور جو شخص علم شرع مین راسخ القدم ہو اوسپر تو کسی چیز سے کچہ خوف نہین ہے۔ ہان جو کوئی علم کتاب اور سنت مین راسخ القدم نہ ہو اوسکی بابت البتہ خوف ہے کیونکہ اکثر اوقات وہ متزلزل ہو جاتا ہے اور اوسکی قوت تھک جاتی ہے اور جب تو علوم شرعیہ حاصل کر چکا ہو تو بہر حسب فن کو چاہے اشتغال اور بقدر استطاعت و فائق ہر فن مین تجہے کمال حاصل کر اور جو کوئی تیری اس باب مین مخالفت و ملامت کرے اسکا مقابلہ کر اور اسپر تشنیع کر۔

پہر اس کتاب مین ایک اور جگہ لکھا ہے کہ۔

جس کسی کا ارادہ اطلاع علم فلسفہ کا ہو تو وہ محتاج معرفت علم ریاضی۔ علم طبعی۔ علم الہی۔ علم ہندسہ کا اور جو کوئی ان چارون علوم کا جامع ہو وہ فیلسوف ہے اور علوم فلسفہ کا جاننا کچہ منافی علم شرع نہین ہے بلکہ فلسفہ خواہش و محنت علم شرع کی تشریح (راسخ القدم فی علم الشرع) مین زیادہ کر دیتا ہے اس لئے کہ متشرع جانتا ہے کہ اطلاع اس امر کی جسکی اطلاع کا قصد فلاسفہ نے کیا ہے بدون شرع ممکن نہین ہے

(۱۵) سنہ ۱۲۹۰ھ ـــ محمد بن سلیمان مجتہد المعظم کہتے ہین۔

کہ علم معقول بسیار خوب و محبوب ہست و فہم و ادراک بدون آن حاصل نمی شود بلکہ فہمیدن کتاب توحید و حدوث عالم از اصول کافی و ادراک معانی آن اخبار بدون تسلط در معقول ممکن نیست لیکن در اوائل امر اگر طالب علم در حکمت تحصیل کند ممکن است با شد کہ مشرب ایشان مانوس و از شرع عاری شود و از طالب تا احمد حکما نماید ـ بلکہ اول در علم معقول تسلط شود از ان پس در حکمت کوشد تا از جادہ شرع خارج نشود و فاضل قمی در آخر قوانین ہمین قسم تصریح فرمودہ

(۱۶) اگر کل مذاہب کی تواریخ سے مذہب اسلام کی تاریخ کا مقابلہ کر کے دیکہین تو دوسے ثابت ہوگا

الغوایة ازین جہت بیشتر علماء حشو مرحوم بر طریقہ نظر نمایند باآنکہ در طریقۂ تصفیہ نیز احتیاج باین طریق متحققست چہ اگر سالک بکلی از علم رسمی عاری باشد از ورطۂ افراط و تفریط ایمن نتواند بود و از مخالفت شریعت و حکمت فارغ نہ و شاید کہ بنا بر جہل بحد اعتدال احتمال ریاضات مفرطہ کند و مودی بفساد مزاج و بطلان استعداد گردد لہذا حضرت ہادی الثقلین الی الصراط المستقیم علیہ و علی آلہ افضل التسلیم میفرماید مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلِیًّا جَاہِلًا قَطُّ و در حدیث دیگر قَصَمَ ظَہْرِیْ رَجُلَانِ جَاہِلٌ مُتَنَسِّکٌ وَ عَالِمٌ مُتَہَتِّکٌ +

(۱۸) اوپر کے مضمون کی تائید میں نواب محسن الملک کا مضمون جو تہذیب الاخلاق ۱۳۱۲ھ ہجری میں مطبوع ہوا نقل کیا جاتا ہے

اگر میرے دوست ذرا تاریخ دیکھنے کی تکلیف گوارا فرماتے اور نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب کے اکابرین کے حالات پڑھتے تو اونکو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی بلکہ اونکو معلوم ہو جاتا کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جسمیں کورانہ تقلید پر مذہب کا مدار نہ سمجھا گیا ہو اور عقل سے کام لینے اور تحقیق و تنقیح کرنے اور شریعت کو فطرت سے تطبیق دینے اور حکیمانہ خیالات ظاہر کرنے پر بدعت اور کفر کا الزام نہ لگایا گیا ہو مسلمانوں میں تو خدا کی مہربانی سے کم کوئی بڑا امام اور مجتہد ایسا ہوا ہے جس کے خیالات ایسے عامیانہ ہوں — بلکہ برخلاف اسکے بڑے بڑے محقق اور حکیم ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے دین کو عقل سے اور مذہب کو حکمت سے جدا نہیں سمجھا بلکہ حقائق و اسرار کے بیان کرنے ہی کو اسلام کی اصلی تائید خیال کیا ہے۔ مگر ہاں دوسرے مذہبوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جو مذہب کے مصلح اور ریفارمر تھے اور جو مذہب کے بانی اور ہادی سمجھے جاتے ہیں حکمت اور فلسفہ اور تحقیق و تنقید سے کے ایسے دشمن تھے کہ اونکے ارشادات دیکھہ کر تعجب ہوتا ہے۔ ذرا لوتھر کو دیکھیے جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بانی اور عیسائیت کا مصلح ہوا ہے وہ حکیموں کا کیسا دشمن تھا اور افلاطون اور ارسطو کی نسبت کیا رائے رکھتا تھا ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ۔ لوتھر کا ارادہ یہ تھا کہ فلسفہ کی جڑ اور بنیاد کلیسیا سے نکال کر پھینک دیجاوے۔ وہ ارسطو کے فلسفہ کے دیکھنے کو فضول سمجھتا تھا اور اوسکی نہایت ہجو کرتا تھا۔ لوتھر ارسطو کی نسبت کہتا تھا کہ وہ حقیقت میں خبیث دیو۔ خوفناک تہمت لگانیوالا۔ بدذات خوشامدی اور تاریکی کا بادشاہ یعنی شیطان تھا وہ ایک جانور اور انسانوں کو نہایت خوفناک دہوکہ دینے والا تہا۔ اور پھر حضرت لوتھر مقدس نے اسی پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ فلسفہ کی زمین سے بھی ارسطو کو خارج کیا۔ اور کہا کہ یہ (یعنے ارسطو) ایک ایسا شخص ہے جسمیں بمشکل کوئی فلسفہ کی بات ہو وہ علانیہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ دروغ گوئی گویا اسکا پیشہ ہے وہ ایک تن پرور

صفوة اعیان الانسان شیخ ابوسعید بن ابی الخیر را با قدوة الحکماء المتاخرین شیخ ابوعلی بن سینا قدس الله روحهما اتفاق صحبتے افتاد۔ و بعد از انقضاء آن یکے گفت آنچه او می داند ما می بینیم و دیگرے گفت آنچه او می بیند ما میدانیم و هیچکس از حکما انکار این طریق ننموده بلکه همه اثبات کرده اند چنانچه ارسطاطالیس میگوید هٰذِهِ الْاَحْوَالُ الْمُتَدَاوِلَةُ کَالسُّلَّمِ نَحْوَ الْمَرْتَبَةِ الْمَطْلُوْبَةِ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یُحَصِّلَهَا فَلْیُحَصِّلْ لِنَفْسِهٖ فِطْرَةً اُخْرٰی و افلاطون الٰهی فرموده قَدْ تَحَقَّقَ لِیْ اُلُوْفٌ مِنَ الْمَسَائِلِ لَیْسَ لِیْ عَلَیْهَا بُرْهَانٌ۔ و شیخ ابوعلی در مقامات العارفین میفرماید۔ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَتَعَرَّفَهَا فَلْیَتَدَرَّجْ اِلٰی اَنْ یَصِیْرَ مِنْ اَهْلِ الْمُشَاهَدَةِ دُوْنَ الْمُشَافَهَةِ وَمِنَ الْوَاصِلِیْنَ اِلَی الْعَیْنِ دُوْنَ السَّامِعِیْنَ لِلْاَثَرِ و حکیم الٰهی شیخ شهاب الدین مقتول که محیی رسوم قدمای حکماست در تلویحات نقل میکند که در خلسهٔ لطیفه که باصطلاح این طائفه آنرا غیبت گویند۔ ارسطو را دیدم که در تحقیق ادراک که از غوامض مسائل حکمی ست ازو نکتهٔ چند پرسیدم۔ بعد ازان شروع در مدح استاد خود افلاطون نمود و اطراے عظیم در مدحت او کرد ازو سوال کردم که از متاخران کسے بمرتبهٔ او رسیده باشد گفت نه و نه بجزوے از هفتاد هزار جزو از کمال او۔ بعد ازان ذکر بعضے از فلاسفه اسلام میکردم او هیچ کدام التفات ننمود تا بذکر بعضے از ارباب کشف و شهود مثل شیخ جنید بغدادی و ابویزید بسطامی و سهل بن عبدالله تستری رسیدم گفت اُولٰئِکَ هُمُ الْفَلَاسِفَةُ حَقًّا۔ لیکن درین طریقه اخطار بسیار و مهالک بیشمار ست چه خطرات وساوس و ورطات هواجس و تسویلات باطله و تخیلات فاسده سالک را در بیابان طلب حیران و سرگردان داردو افسد مفاسد مقاصد آنکه باندک نمایشی کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاءً از راه رفته دست از طلب بدارد حَتّٰی اِذَا جَاءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا۔ و بعد از اطلاع بر حلیهٔ حال حالش غیر از حسرت و وبال نباشد شعر دو رست سراب درین بادیه هشدار + تا غول بیابان نفریبد بسرابت

خَلِیْلَیَّ قُطَّاعُ الْفَیَافِیْ اِلَی الْحِمٰی + کَثِیْرٌ وَّاَرْبَابُ الْوُصُوْلِ قَلَائِلُ + و ایضا اوستاد این طریقه که عبارت از مرشد کامل است نادرست و بر تقدیر وجود شناخت او متعذر یا متعسر چه کمالات انسانی را جز صاحب کمال نشناسد و قیمت جوهر را جز جوهری نداند شعر

ببر قصهٔ سیمرغ و غصهٔ هدهد — کسی رسد که شناساے منطق الطیر ست

و اکثر مردم بصورت موهومه و لفظ هر بے حقیقت از راه رفته شعر یاقوت را مقابل خرمهره می نهند سنگ سیه بنرخ زر سرخ می خرند + و ناگاه افتد که مبتدی به تلبیس و تدلیس فریفته شود و نقد عمر خود صرف خدمت ناقصی کند بظن کمال و مودی بخسران حال و مال او گردد نعوذ بالله من الغباوة و

مصنفون نے ہمکو فارغ کردیا جسطرح علم دین مین کوئی اب نئی بات نہین نکال سکتا اور نہ نئی شریعت کوئی لاسکتا ہے اسیطرح فلسفہ وحکمت اب کوئی نئی بات نہین کہ سکتا نہ کسی علم حکمت مین کوئی نئی بات معلوم ہوسکتی ہے جو نئی باتین بیان کی جاتی ہین وہ چند سودائیون کے مہمل خیالات ہین۔ جو دوربینون اور نئے آلات سے غلطیون مین پڑ گئے ہین۔ ایکدفعہ ایک حکیم صاحب فرمانے لگے جو عجیب و غریب آلات دوربین و خردبین سے دیکھکر بیان کیجاتی ہین وہ صرف شیشونکا اثر ہے ورنہ اصل مین کچھہ نہین ہے مین نے انسے عرض کیا کہ آپکا یہ کہنا ایسا ہے کہ کوئی کہے آنکھون کو جو آدمی دکھائی دیتا ہے وہ حقیقت مین سور ہوتا ہے اور جو سور نظر آتا ہے وہ آدمی ہوتا ہے یہ غلط نمائی آنکھونکا کام ہے کہ وہ آدمی کو سور اور سور کو آدمی دکھاتی ہین۔

(۳۰) پہلے بزرگان اسلام نے جو علم کلام ایجاد کیا کہ حکماء یونان کے فلسفی اور حکمت کے حملون کو جو مذہب اسلام پر ہوں روکین انمین جو مباحثے و مناظرے ہوتے تھے وہ عقلی تکون سے بہر ہوئی ہوتی اور لفاظی کا زیادہ ترخرچ ہوتا۔ ان باتون کی نسبت گفتگو ہوتین جنکا حق یا باطل ثابت کرنا نہایت مشکل تھا جیسے کہ عالم ازلی ہے یا ابدی حادث ہے یا قدیم ہے لفظونمین اسکی بحث جہانتک چاہو کیا کرو کوئی ثبوت یا ابطال اسکا ایسا نہین ہوگا کہ جس سے آگے سلسلہ منقطع ہوجائے۔ مگر اب زمانہ حال مین سائنس کی جدا کیفیت ہے کہ وہ شہود یہ و تجربیہ ہے جسکو نہ کوئی جھٹلا سکتا ہے نہ کوئی اونکے ماننے سے انکار کرسکتا ہے پس جب اس زمانہ نے سائنس اور شریعت مین اختلاف ہو تو بڑی مشکل آن کر پڑتی ہے۔ مگر ان مشکلات کے دور کرنیکے لئے ہم دیکھتے ہین کہ کل اسلامی سلطنت مین دور اندیش عاقبت بین جامع علوم معقول و منقول مسلمان ایسے پیدا ہوگئے ہین کہ وہ بڑی اپنی جان فشانی اور عرق ریزی اس باب مین کرتے ہین کہ علوم جدیدہ اور مذہب مین تطبیق کی جائے چنانچہ انکے نامہائے گرامی یہ ہین۔ میکائیل صباغ شامی۔ شیخ رفاعیۃ القاہری۔ شیف آفندی بیروتی۔ جنرل خیرالدین احمد خان وزیر مملکت ٹونس۔ شیخ احمد آفندی وغیرہ ان بندگون کی تصنیفات کا مقصد اعظم یہ ہے کہ اہل اسلام کو علوم جدیدہ کی طرف ترغیب لائی جائے اور انکی تطبیق علوم اسلامی سے کی جائے

ماشاءاللہ ہمارے ہندوستان مین بھی ارباب کمال اس باب مین کم نہین ہین۔

مولوی کرامت علی صاحب مرحوم جونپوری متولی امام باڑہ محسنیہ ہوگلی نے ماخذ العلوم مین مسائل جدیدہ علم ہیأت کو قرآن اور حدیث و اقوال ائمہ سے خوب تطبیق دی ہے۔

مولوی عبید اللہ عبیدی مرحوم تشحیذ الادراک فی تحقیق حرکتہ الارض و وجود افلاک تصنیف کی جسمین

اور نفس پرست ہی - وہ بکری ہے وہ بڑا ملعون ہے - اور یہ مقدس لوتھر صرف اسی نامور حکیم کی ہجو پر کفایت
نہین کرتے بلکہ زمانہ متوسط کے تمام فلاسفر کی نسبت فرماتے ہین کہ وہ ٹڈیان کیڑے مینڈک اور جوئین
تھے - اسلام مین کسی بڑے امام اور مجتہد کی زبان سے حکمت و فلسفہ کے خلاف ایسی باتین نہین نکلین اور حکیمون
اور فلسفیون کو اونہون نے ایسی گالیان نہین دین - البتہ عوام اور متقشفین فقہا اور متعصب علمانے
ہمارے یہان بھی حکمت کو برا سمجھا اور فلسفہ اور محققین کو ملحد کہا مگر ہر زمانہ اور ہر ملک مین ایسے لوگون کا
تخطیہ کیا گیا - اور ہمارے عالی دماغ علما ایسے خیالات اور ایسے اقوال کی ہمیشہ تردید - اور حکیمانہ خیالات
رکھنے والون اور شریعت کو حکمت سے مطابق کرنے والون کی تائید کرتے رہے - اسلام کی تاریخ مین کوئی حکیم
اور محقق مسلمان ایسا نہین ملتا جسکے محققانہ خیالات پر لوگون نے الحاد کا الزام لگایا ہو - اور بڑے بڑے
نامور روشن خیال عالمون نے اوسکو رد نہ کیا ہو - مین بطور مثال کے حضرت محی الدین ابن عربی کا کچھہ ذکر
کرتا ہون - کہ جب اونہون نے یہ باتین بیان کین جو حشویہ خیالات کے عالمون کی سمجھہ سے باہر تہین - تو
ظاہری علماء اون پر جھپٹ پڑے - اور فقہا قد کفر کا شور مچانے لگے کسی نے اونکی کتابون کے جلانے کا
حکم دیا کسی نے اونکے کفر کو یہود و نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر قرار دیا - کسی نے روزانہ دس مرتبہ اون پر
لعنت کرنیکو اپنا وظیفہ ٹھیرایا - اور بہتون نے اونکے مزار مبارک کو مزبلہ بول و براز بنایا - ابن مقری نامی
ایک بزرگ کو دینداری کا ایسا جوش اوٹھا - کہ وہ فرمانے لگے کہ من شک فی کفر طائفۃ ابن عربی فہو کافر -
کہ جو ابن عربی کے گروہ کے کفر مین شک کرے وہ بھی کافر ہے - مگر آخر کیا ہوا - ایک دوسرا گروہ بڑے بڑے
نامی عالمون کا اونکی تائید پر کہڑا ہوا - اور اونکے حقائق و دقائق کو سمجھہ کر اونکی ولایت اور قطبیت کا
مقر ہوا - اور تکفیر کرنیوالون کی نادانی اور غلطیون کو ظاہر کرنے لگا - اونکی تائید مین کتابین تصنیف
ہوئین معترضین کے اعتراضات رد کئے گئے اور اونکو شیخ وقت اور قطب الاقطاب کا خطاب دیا گیا +

اخوان الصفا کے رسالون مین مصنف جابجا فلسفہ و شریعت کی مطابقت کرتا ہے +

(۱۹) اہل اسلام کے علما کبار نے علم کلام ایجاد کیا جسمین اونہون نے حکماء یونان کے مسائل معقول وجوب
و امکان حدوث و قدم عینیت و غیریت و صفات و مباحث ہیولا و جزلا یتجزی و معجزات کے باب مین
جو باتین خلاف شریعت تہین اونکو رد کیا - بعض مسائل معقولی حکماء یونان کو خاص کر مسائل علم ہیات
کو اسطرح تسلیم کر لیا جسطرح قرآن اور حدیث کی نقلی احکام کو - اور انکا خیال اسطرف جم گیا کہ جیسے کہ
قرآن اور حدیث کی تفسیر و تفصیل سے علماء پر ختم ہو گئی اسیطرح فلسفہ اور معقولات کا علم ارسطو پر
ختم ہو گیا اور فارابی اور بوعلی سینا اسکی تشریح کر چکے - انکے اقوال اور خیالات کے جمع کرنے سے پچھلے

مین اوسکے اندر کی زردی و سفیدی -

کہتے ہین کہ بیچون بیچ مین زمین اسی طرح پر ہے جیسے انڈے مین انڈے کی زردی اوس کے اوپر پانی ہے مگر جسطرح کہ بعضی دفعہ انڈا او بالنے مین اوسکی زردی ایک طرف کو ہوجاتی ہے اور سفیدی سے باہر نکل آتی ہے اوسی طرح زمین بہی بیچ مین سے ٹل گئی ہے اور پانی کے ایک طرف نکل آئی ہے جسکے اوپر ربع مسکون یعنی دنیا ہے[1] پہر وہ کہتے ہین کہ پانی پر ہوا ہے اور ہوا پر کرۂ آتش ہے اور کرہ آتش پر اول آسمان ہے جسمین چاند ہے - پہر دوسرا آسمان ہے جس مین عطارد ہے پہر تیسرا آسمان ہے جسمین زہرا ہے - پہر چوتھا آسمان ہے جسمین آفتاب ہے - پہر پانچوان آسمان ہے جسمین مریخ ہے - پہر چہٹا آسمان ہے جسمین مشتری ہے - پہر ساتوان آسمان ہے جس مین زحل ہے پہر آٹہوان آسمان ہے جس مین یہ لاکھون ثوابت جڑے ہوئے ہین - پہر نوان فلک الافلاک ہے جو سب کو محیط ہے +

وہ یہ بھی کہتے ہین کہ فلک الافلاک کے اوپر کچہہ نہین ہے یعنی فلک الافلاک کے اوپر مکان کا اطلاق نہین ہے اور اسی سبب سے وہ نہین بتاتے کہ فلک الافلاک کی سطح محدب کسکی مماس ہے یعنے اوسکے اوپر کیا ہے مگر یہ کہتے ہین کہ اوسکی سطح مقعر فلک نہم کی سطح محدب کی مماس ہے اور اسیطرح تمام آسمانون کی سطح مقعر اوسکے نیچے کے آسمان کی سطح محدب سے مماس ہے اور اسی لئے وہ قائل ہین کہ زمین سے فلک الافلاک تک کہین خلا نہین ہے +

وہ اسکے بھی قائل ہین کہ تمام آسمان معہ کواکب کے جو اونمین جڑے ہوئے ہین زمین کے گرد پہرتے ہین اور زمین اونمین مثل مرکز کے ہے - کرہ مین انہین اصولون کو علماء اسلام نے بہی اختیار کیا ہے - کہ انہین اصول پر قرآن مجید کے مفسرون نے قرآن کی تفسیر کی گو کہ بعض بعض باتون مین کچہہ اختلاف بہی کیا ہو مگر نظام بہی تسلیم کیا ہے - اس تحریر کے ساتہہ جو ایک پرچہ شامل ہے - اوسمین جو شکل نمبر اول کی مندرج ہے اوس سے بخوبی تصویر آسمانون کی اور ستارون کی سمجہہ مین آسکتی ہے جسطرح پر کہ یونانی حکیمون نے مقرر کی ہے +

اب ہم دعویٰ کرتے ہین کہ جسطرح یونانی حکیمون نے آسمانون کا مجسم ہونا تسلیم کیا ہے اور

---

[1] یونانیون کو اس بات کی خبر نہ تہی کہ اس دنیا کے نیچے دوسری دنیا آباد ہے اگر اسکی خبر ہوتی تو ایسا خیال نہ کرتے +

مذہباً نظام بطلیموسی کو رد اور نظام کو برعکس کو قرآن اور حدیث سے ثابت کیا ہے سر ڈاکٹر سید احمد خان فردوس مکان نے تو اسکا بیڑا ہی اوٹھایا ہے کہ علوم جدید کے مسائل کو حدیث و قرآن سے بالکل مطابق و موافق کر دین۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان کی عالمانہ تحریرین اور حکیمانہ تقریرین جو مسلمانون کے دلون مین اثر کرتی ہین منقول اور معقول کی تطبیق کے باب مین ایسی ہین کہ انسے بہتر ہو نہین سکتین مولوی چراغ علی صاحب مرحوم نے علوم جدیدہ اور علوم منقول اسلامیہ کی تطبیق مین جسمین سے مینے اوپر بہت کچھہ نقل کیا ہے ایسا مبسوط مضمون لکھا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی کتب اسلامیہ پر بڑی نظر وسیع ہے اور انکی تحقیقات بڑی محققانہ و عالمانہ ہے۔

(۳۱) اب مضمون تفسیر السموات محررہ سر سید کے چند صفحے اور نواب محسن الملک کا مضمون وجود آسمان کی نقل کرتے ہین جنسے معلوم ہو جائیگا کہ علم ہیأت کے باب مین علم ہیأت جدیدہ قرآن و حدیث مین تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے۔

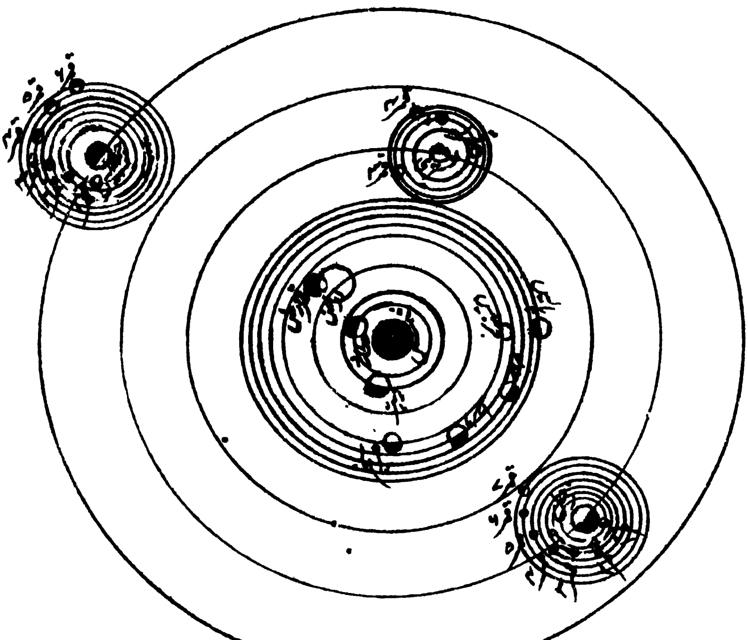
مضمون سر سید احمد خان فردوس مکان

(۳۲) ہمکو یہ بات معلوم نہین ہی کہ علماء اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہی جس کی بنا قرآن مجید یا حدیث پر ہو جہان تک ہمکو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیمون نے اختیار کیا تہا وہی بعینہ بذریعہ ترجمون کے جو یونانی زبان سے عربی زبان مین ہوئے ہم مسلمانون مین بہی پہیل گیا جب قرآن مجید کی تفسیرین لکہی گئین اور قرآن مجید کی کسی آیت مین کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہیئت سے علاقہ رکھتا تھا تو اونہون نے اوسکی تفسیر اوسی یونانی علم ہیئت کے اصول پر کی۔ یہانتک کہ قرآن مجید مین سات آسمانون کا ذکر تہا اور یونانی نو آسمان مانتے تہے تو علماء اسلام نے اُن سات آسمانون مین عرش و کرسی کو ملا کر پورے نو کر دئے پس ہم سمجھتے ہین کہ علماء اسلام نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اوسی کے اصول کو مذہبی کتابون اور قرآن مجید کی تفسیرون مین داخل کر دیا رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھہ اور مسائل مذہبی مین ایسا مل جُل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا گویا مسائل ضروریہ مذہب سے انکار کرنا خیال مین سما گیا۔ پس جسقدر کہ ہمکو انکار ہے اونہین مسائل علم ہیئت یونانیہ سے ہے جنکو علماء اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید مین شامل کیا ہے +

یونانی حکیم آسمانون کا ایک ایسا جسم مانتے ہین جو نہایت مضبوط اور سخت ہے اور وہ ایک مکان کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ مثل کرہ کے گول اور اندر سے خالی ہے جیسے انڈے کا چھلکا اور دنیا کے چارون طرف کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام دُنیا اُن کے اندر ایسی ہے جیسے کہ انڈے کے چھلکے

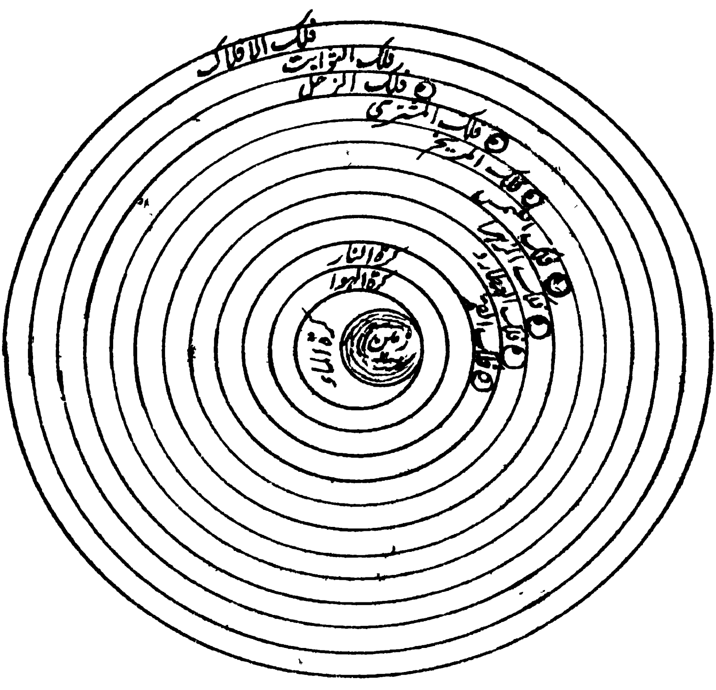
شکل دوم

نظام عالم مطابق مشاہدہ بذریعۂ دوربین



شکل اول

نظام عالم مطابق قیاس یونانیون کے



یہ بات غلط تھی وہ بھی بجائے خود ستارے ہین اور بہت دور چلے جاتے ہین اور پھر چلے آتے ہین اور
اُن کی حرکت ایسی بڑی ہے کہ تمام کواکب ورفلک الافلاک مقررہ حکما ویونان سے بھی اونچے ہوجاتے
ہین اور جو کہ دُم دار ستارے بھی متعدد ہین اسلیے متعدد سمتون پر حرکت کرتے ہین پس جس طرح کا جسم آسمانون
کا یونانی حکیمون نے قرار دیا ہے اگر ایسا ہی جسم آسمانون کا ہوتا تو دُم دار ستارون کا یا اس طرح پر حرکت
کرنا ناممکن ہوتا یا اُن کی حرکت سے تمام آسمان شیشہ کی طرح چکنا چور ہوجاتے ۔

دوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے کہ کواکب اسطرح پر واقع ہین جیسا کہ شکل دوم مین بنائے گئے ہین
اور اونکا دورہ بھی دوربین کے ذریعہ سے اوسی طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ اُس شکل مین دائرہ کھینچے
ہین پس اب خیال کرو کہ اگر آسمان اس طرح پر مجسم ہون کہ جس طرح کہ حکما ویونان نے قرار دیا ہے اور ایک
کا مقعر دوسرے کے محدب سے مماس ہو تو مشتری اور زحل اور جبیس کے چاند کیونکر اونکے گرد پھر سکتے ہین ۔
اور اگر آسمانون مین فاصلہ بھی مانا جاوے تو یہ ذوات الاذناب یعنی دُم دار ستارے کسطرح تمام آسمانون
کو توڑ پھوڑ چکنا چور کرکر نکل جاتے ہین +

اگر یہ بات کہی جاوے کہ ہم آسمانون کا جسم ایسا نہین مانتے جیسا کہ یونانی حکیمون نے مانا ہے بلکہ ہم
ایسا لچ لجا اور ڈھلم ڈھلا مانتے ہین جس مین سے سب چیزین نکل جاتی ہین جیسے پانی یا ہوا یا اوس سے
بھی زیادہ جسم لطیف مگر اس کہنے پر ہم پوچھتے ہین کہ ایسا جسم ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے اور ہمارے
دوست کہتے ہین کہ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید سے انکار لازم آوے +

ہم اوسکے جواب مین کہتے ہین کہ حضرت اگر ایسا ہی جسم آسمانون کا مانا جاویگا تب بھی مفسرین کی تفسیرون
سے تو انکار کرنا پڑے گا کیونکہ سبعًا شدادًا کے جو معنی اونہون نے قرار دیے ہین وہ کسیطرح ایسے
لچ لجے ڈھلم ڈھلا جسم پر صادق نہ آوینگے اور ضرور دوسرے معنی تمکو دینے پڑینگے ۔

پھر ہم اونکو دوسری طرح سمجھاتے ہین کہ قرآن مجید کے سبب سے کسی چیز کو مان لینا اور اوسکی واقعیت
پر کسی دلیل کا نہ لاسکنا کچھ کام کی بات نہین ہے ۔ جاہل مسلمانون کا یقین ہمارے یقین سے بہت
زیادہ مضبوط ہے ۔ اون کو تو نہین اس بات کے سمجھانے کی حاجت ہے کہ آسمانون کا جسم یونانی
حکیمون والا جسم ہے یا اور کسی طرح لطیف یا الطف لچ لجا اور ڈھلم ڈھلا جہان تک گفتگو ہے وہ
لکھے پڑھے آدمیون سے ہے اور مذہب کے سچے ہونے کی دلائل زیادہ تر اُن لوگون سے متعلق ہین
جو اس مذہب کو نہین مانتے تھے یا اُن لوگون سے متعلق ہین جو پہلے اس مذہب کو مانتے تھے مگر کسی
وجہ سے اب اوس سے پھر گئے ہین پس اگر ان دونون قسمون کے لوگون کے سامنے آپ فرمائیے کہ

اون کو معہ کواکب کے زمین کے گرد پھرنا مانا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے اور علماء اسلام نے بڑی غلطی کی ہے جو انہین اصولون کو اپنے مذہبی مسائل مین ملا دیا ہے اور قرآن مجید کی آیتون کی تفسیر اوسی یونانی علم ہیئت کے مطابق کی ہے کیونکہ وہ بناء فاسد علی الفاسد ہے

ہمکو مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے (جو ہمارے نزدیک و ہر ایک انسان کے نزدیک جو ذرا بھی واقفیت اور عقل رکھتا ہے دلیل قطعی ہے) برخلاف اوسکے ثابت ہوا ہے جو آسمانون اور کواکب کا نظام یونانی حکیمون نے قرار دیا ہے اور جسکی تفصیل ذیل مین مندرج ہے

اول ان سات سیارون کے سوا جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اور جن کے لئے یونانیون نے سات آسمان مثل انڈے کے چھلکے کے قرار دئے تھے اور بھی سیارے بذریعہ دوربین کے دکھائی دئے ہین جو اب تعداد مین دس یا گیارہ شمار ہوئے ہین پس یونانیون نے جو سات آسمان سیارون کے لئے قرار دئے تھے وہ بالکل غلط ہو گئے اور علماء اسلام نے جو لفظ **سبع سموات** کی تفسیر مین وہی یونانی حکیمون کے سات آسمان سمجھے تھے یقینی اون علماء نے غلطی کی تھی کیونکہ کلام الٰہی کبھی خلاف واقع نہین ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ **سبع سموات** سے یہ مطلب نہین ہے کہ جو علماء اسلام نے تفسیرون مین قرار دیا ہے

دوم مشتری کے گرد چار چاند اور زحل کے گرد سات چاند اور برجیس کے گرد جو نیا سیارہ دکھائی دیا ہے چھ چاند دوربین کے ذریعہ سے دکھائی دئے ہین اور وہ اپنے اپنے سیارہ یعنی مشتری و زحل و برجیس کے گرد پھرتے ہین اور ہم اونکی گردش کو اپنی آنکھ سے بذریعہ دوربین کے دیکھتے ہین پس اگر آسمان ایسے ہی مجسم ہوتے جیسے کہ یونانی حکیم قرار دیتے ہین اور جیسا کہ علماء اسلام نے غلطی سے قرار دیا ہے تو اون چاندون کا گرد اون ستارون کے پھرنا ممکن نہ تھا +

فرض کرو کہ ایک کوٹھری ہے اور غول کبوترون کا اوسکے اوپر سے اندر گھستا ہے اور دروازہ سے نکلتا ہے تو ہر شخص یقین کرے گا کہ اوس کوٹھری پر چھت نہین ہے یا کبوترون کے گھسنے کے بعد کھلی ہوتی ہے یا وہ چھت ایسی ہے کہ کبوترون کے جانے آنے کو مانع نہین ہو سکتی ورنہ ممکن نہین کہ کبوتر اوپر سے کوٹھری مین گھستے پس اگر ستارے آسمانون مین جڑے ہوتے اور آسمان انڈے کے چھلکے کی طرح ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اون سیارون کے چاند بغیر آسمانون کے توڑے اون سیارون کے گرد دورہ کرتے +

سوم اگلے زمانہ مین یونانی حکیمون نے دُمدار ستارون کو یہ سمجھا تھا کہ آسمان و زمین کے بیچ مین پیدا ہو جاتے ہین اور پھر جاتے رہتے ہین مگر اب مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے ثابت ہوا ہے کہ

ہے مگر وہ دلیلین فی الجملہ مشکل ہین اور آلات رصدیہ کی واقفکاری اور علم طبیعیات کے جاننے پر موقوف ہین اور ہم سمجھتے ہین کہ تمام لوگ جو اُن اصول سے محض ناواقف ہین سمجھہ نہین سکتے کے اس لئے ہمنے اُنکو بیان کیا اور صرف چند موٹی موٹی باتین بیان کی ہین جو ہر سمجھدار آدمی کی سمجھہ مین آسکتی ہین خواہ وہ اُن علوم سے واقف ہو یا نہ ہو +

مشاہدہ سے اور تمام دلیلون سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک وسعت مین خواہ اوس مین کوئی جسم لطیف سیال ہو یا نہو تمام کرات جو کواکب دکہائی دیتے ہین پہیلے ہوئے ہین یہ زمین بہی اونہی کی مانند ایک کرہ ہے اونکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہم رات کو مختلف مقامات مین بہت سے غبارے اُڑاتے ہین اور وہ اوپر چلے جاتے ہین اور معلق ٹہیرے ہوئے اور چلتے ہوئے دکہائی دیتے ہین اسیطرح یہ سب کرے کواکب کے معہ ہماری زمین کے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسعت مین بکہیر دئے ہین جو اپنی اپنی جگہ مین ہین۔ اون سب کے بیچ مین آفتاب ہے اور وہ سب اوسکے گرد پہرتے ہین اور نہین معلوم کہ ایسے ایسے آفتاب اور کتنے ہین اور کتنے ستارے اونکے ساتہہ ہین جو اوسکے گرد پہرتے ہون گے کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور صنعت بے انتہا ہے +

ہمارے مخالفون کو اور ہمپر مسئلہ وجود آسمان پر فتوی کفر دینے والونکو ذرا غور سے انصاف کرنا چاہیئے کہ خدا کی قدرت اور عظمت اُسکو صرف اس دنیا کا جو اُن کے نزدیک مثل ایک انڈے کے محدود ہے خدا اور خالق ماننے مین ہے یا اوسکو ایسی بے انتہا مخلوق کا خالق اور خدا ماننے مین ہے جسکی انتہا مثل اوسکی قدرت کے بے انتہا جیسی یہ ہماری دنیا ہے جسکے لئے یہ آفتاب ہے اور جس سے بہت سے کواکب سیارے متعلق ہین اسی طرح اور بہت سے بے انتہا نظام شمسی جس کے مجموع کو ہم دنیا کہتے ہین موجود ہین اور وہ اُن سب کا خالق اور سب کا ایک خدا واحد ذوالجلال ہے جسکا نہ کوئی ند ہے اور نہ کوئی ضد تعجب ہے کہ صرف ایک چڑیا کے انڈے کے برابر چیز کا خدا کو خدا اور خالق جاننا تو اسلام ہوا اور اوسکو ایسا قادر مطلق اور بے انتہا مخلوق کا خالق اور اُس سب کا خدا ماننا کفر ہو فہیہات ہیہات لمثل ہذا الاسلام ومرحبا ثم مرحبا لمثل ہذا الکفر وللہ در من قال +

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

ہان بلا شبہ اب ہمکو اس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ جس چیز کا ہمنے مشاہدہ کیا ہے اور جسکو ہمنے

ہم آسمان کا ایسا جسم لطیف اسلئے مانتے ہین کہ قرآن کا انکار لازم نہ آوے تو اوسکے دل مین
یہ بات کیا اثر کرے گی بلکہ مثل اس شخص کے جسنے انا بڑہی شاعر کو کہا تہا کہ شعر گفتن چہ ضرور
نعوذ باللہ وہ بہی جواب دیگا کہ تسلیم کردن قرآن چہ ضرور +
علاوہ اسکے نہایت ضعف یقین کی بات ہے کہ ہم قرآن مجید کے کسی کلام کی نسبت جسمین واقعات
اور حقایق موجودہ کا ذکر ہو یہ کہین کہ اوسکے واقعی ہونے کا کچہہ ثبوت ہمارے پاس نہین ہے ایسی بات
سے کیا فائدہ ہے جسکے واقعی ہونے کا دل مین تو یقین نہو مگر صرف زبانسے اقرار کیا جاوے
ہمارا ایمان ہہ تو قرآن مجید پر ایسا مستحکم ہے کہ ہم تمام حقایق موجودہ کو اور قرآن مجید کو مطابق
دل سے یقین کرتے ہین +

چہارم ہم بذریعہ دوربین کے زہرہ کو اور اوس کے سوا اور ستارون کو بہی دیکہتے ہین کہ
مثل چاند کے بدر و ہلال ہوتے ہین پس اگر وہ ستارے آفتاب کے گرد پہرتے نہ ہوتے بلکہ زمین کے گرد
پہرتے ہوتے تو اونکا بدر و ہلال ہوکر ہمکو دکہائی دینا غیر ممکن ہوتا۔ یونانی حکیمون کو یہ بات معلوم
ہے نہین ہوئی تہی کہ اور ستارے بہی بدر و ہلال ہوتے +

پنجم ہم بذریعہ دوربین کے اپنی آنکہہ سے دیکہتے ہین کہ عطارد اور زہرہ جب آفتاب کے پاس آجاتے
ہین تو وہ کبہی آفتاب سے اس طرح پر مل جاتے ہین کہ آفتاب نیچے ہوتا ہے اور وہ اوسکے اوپر ہوتے
ہین اور کبہی آفتاب اوپر ہوتا ہے اور وہ اوسکے نیچے ہوتے ہین اور یہ بات ہرگز نہین ہوسکتی
جبتک کہ آفتاب ساکن نہو اور تمام سیارات معہ زمین کے اوسکے گرد نہ پہرتے ہون۔ اگر آفتاب چوتھے
آسمان مین جڑا ہوا ہوتا۔ اور وہ دو تو اوس سے نیچے ہوتے یعنی عطارد دوسرے آسمان مین اور زہرہ تیسرے
آسمان مین اور وہ سب زمین کے گرد پہرتے ہوتے تو ممکن نہ ہوتا کہ عطارد و زہرہ کبہی آفتاب کے اوپر
آفتاب سے جاکر ملتے یونانی حکیمونکو یہ بات معلوم ہی نہین ہوئی تہی کیونکہ اوس زمانہ مین دوربین ایجاد
نہین ہوئی تہی مگر اس زمانہ مین اونکا مقررہ علم ہیئت مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے پس اس سے زیادہ
انسان کی نادانی کیا ہوگی کہ قرآن مجید کی تفسیر ایسے اصول پر کرے جنکی غلطی علانیہ ہو اور ایسے اصول
پر تفسیر کرنیکو کفر سمجہے جو بالکل واقع کے مطابق ہو +
علاوہ اسکے اور بہت سی دلیلین ہین جن سے بخوبی بمنزلہ عین الیقین بلکہ حق الیقین کے ثابت ہوتا
ہے کہ یونانیون نے آسمانون کا جیسا جسم مانا تہا اور کواکب کو اوسمین جڑا ہوا تسلیم کیا تہا اور یہ جانتے تہے
کہ تمام آسمان معہ کواکب کے زمین کے گرد حرکت کرتے ہین اور زمین ساکن ہے یہ محض غلط اور خلاف واقع

معلق ہین اور قدرتی ستون کے ذریعہ سے جسکو ہم نہین دیکھہ سکتے اور جسکا نام لسان شرع مین عمد غیر مرئی اور زبان اہل علم مین جذب ہی اپنی اپنی جگہہ پر قائم ہے جو کہ ہمارے سر کے اوپر ہے اوسکا نام آسمان ہے جس طرح کہ ہم اپنے سر پر کی چیزونکو جو حقیقت مین امریکہ کے رہنے والون کے تحت قدم ہین آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین اسی طرح امریکہ کے رہنے والے اپنے سر پر کی چیزون کو جو درحقیقت ہمارے تحت قدم ہین آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین +

یہ کچھہ ہمارا ہی قول نہین ہے بلکہ اگلے مسلمان عالم بھی اس بات کے قائل ہوئے ہین امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر مین لکھتے ہین السماء عبارۃ عن کل ما ارتفع یعنی آسمان کا لفظ ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے

قرآن مجید مین بہی سماء کا لفظ انہین معنون مین آیا ہے جہان خدا تعالی نے فرمایا ہے - کہ وانزل من السماء ماء یعنی برسایا خدا نے اوپر سے پانی پس اس جگہہ سما یعنی آسمان کے لفظ سے اگلے لوگون کے نزدیک بھی یونانی حکیمون والا آسمان مراد نہین بلکہ صرف اوپر کی سمت مراد ہے +

قرآن مجید سے بہی ثابت ہوتا ہے کہ آسمانون کا ایک ایسا وجود جیسا کہ یونانی حکیمون نے بیان کیا ہے نہین ہے کیونکہ خدا تعالی نے ستارون کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ تیرتے پہرتے ہین - پہر اگر وہ آسمان مین جڑے ہوئے ہوتے تو وہ تیرتے کیونکر پہرتے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کوئی وجود مجسم نہین ہے اور نہ ستارے کسی مین جڑے ہوئے ہین بلکہ معلق ہین اور خود اپنی اپنی جگہہ مین تیرتے پہرتے ہین +

فلک کے معنی بہی جو مسلمانون نے مثل آسمان کے جسم مجوف کروی محیط لافض قرار دئے ہین یہ بہی غلط ہے - بلکہ فلک کے معنی اوس دائرہ کے ہین جو کسی ستارہ کی گردش سے ذہن مین یا خیال مین پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ ہنٹی پہرانے مین تم نے دیکھا ہوگا کہ گول چکر بن جاتا ہے حقیقت مین وہ چکر نہین ہے بلکہ ہنٹی کے سرون کی گردش کرنے کا رستہ ہے جو خیال مین مثل فلک یعنی دائرہ کے دکھائی دیتا ہے جب کبھی لڑکے ڈورے کے سرے مین ٹہیکرا یا گیند باندہ کر زور سے پہرتے ہین تو ایک ویسا ہی حلقہ معلوم ہونے لگتا ہے حقیقت مین وہ حلقہ مجسم نہین ہے بلکہ اوس ٹہیکرا یا گیند کی گردش کی راہ ہے جو وہم مین مثل فلک یعنی دائرہ کے دکھائی دیتا ہے +

قرآن مجید کی اس آیت سے کہ کل فی فلک یسبحون یعنی ہر ستارہ ایک گہیرے مین تیرتا پہرتا ہے بالکل ٹہیک فلک کے یہی معنی ثابت ہوتے ہین جو ابہی ہم نے بیان کئے -

شارح چغمینی نے بہی لکہا ہے کہ ان الفلک یطلق علی غیر المجسم ایضاً کالدائرۃ والمحیط انتہی - یعنے فلک کا لفظ غیر مجسم چیز پر بہی بولا جاتا ہے جیسے کہ دائرہ پر یا حلقہ پر -

دلیل قطعی یعنے مشاہدہ سے واقعی بیان کیا ہے قرآن مجید یا وہ احادیث صحیحہ جو بدرجہ یقین یا قریب بدرجہ یقین یا قریب بظن غالب پہنچی ہین اور کوئی نقص یا کوئی وجہ اونکے انکار کی بھی نہین ہے وہ تو اوس کی مخالف نہین ہین کیونکہ اگر وہ اوس کی مخالف ہون تو دو کامون مین سے ایک کام ضرور کرنا پڑیگا یا اوس مشاہدہ کو غلط ماننا پڑے گا یا نعوذ باللہ اسلام کو غلط تسلیم کرنا ہوگا مگر میری دانست مین نہ قرآن اور نہ کوئی حدیث صحیح اوس کے برخلاف ہے جسکا ہم مفصل بیان کرتے ہین + تہذیب الاخلاق مین تفسیر السموات کا مضمون پڑہو

وجود آسمان

(۲۲) مسلمان جو یہ سمجھتے ہین کہ قرآن مجید کی رو سے ہر ایک مسلمان کو اس بات کا اعتقاد کرنا فرض ہے کہ آسمان ایک مجوف کروی جسم گنبد کی مانند ہے اور انڈے کے چھلکے کیطرح دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور زمین مثل انڈے کی زردی کے اوسمین ہے اور تمام ستارے اوس مین جڑے ہوئے ہین یہ سمجھ اور یہ اعتقاد اُن کا غلط ہے۔

حکماء یونان نے اپنی حکمت اور اپنے علم ہیئت مین آسمان کو جسم کروی محیط زمین کے اور ستارونکا اوسمین جڑا ہوا ہونا بیان کیا تہا۔ یہودی بھی آسمانون کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ مسلمانون نے بھی قرآن مجید کی آیات متشابہات پر جنمین آسمانون اور ستارون کا ذکر ہے بخوبی غور و فکر نہین کیا اور جیسا کہ اوس زمانہ مین رواج تہا اور جہان تک اُس زمانہ مین ترقی علوم کی ہوئی تہی اوسی کے مطابق اُن کے معنی کہدیے ورنہ قرآن مجید سے اس اعتقاد کا ثبوت مطلق نہین ہے۔

قرآن مجید مین آیات متشابہات کا ہونا خصوصاً اُن امور مین جو زمین و آسمان اور ستارون اور فرشتون اور بہشت و دوزخ سے علاقہ رکھتے ہین نہایت حکمت اور ایک عجیب قدرت کی بات ہے اگر حقایق واقعی موجودات کی بذریعہ آیات محکم قرآن مجید مین بیان کی جاتی تو تمام دنیا اوس مین حیران و پریشان ہو جاتی اور تعلیم روحانی جو اصلی مقصود قرآن مجید تھی غیر مقصود جھگڑون مین برباد ہو جاتی اس لئے ان حقائق کا بیان بذریعہ آیات متشابہات کے ہوا جن کے الفاظ مستعملہ مخالف علم و ادراک اوس زمانہ کے لوگون کے نہ تہے اور اونکے معانی محققہ حقیقت اشیاء کماہی علیہ پر دلالت کرتے تھے اور یہ طرز بیان ایسا عمدہ ہے کہ اعجاز قرآن مین شمار ہو سکتا ہے۔

پس اب ہم مسلمانون کو یہ اعتقاد کرنا چاہیے کہ درحقیقت آسمان کوئی وجود مجسم مثل گول گنبد یا موٹی چھت کے نہین ہے بلکہ تمام ستارے چاند اور سورج جن مین زمین بھی ایک ستارہ ہے فضائے بسیط مین

سبب جن کو سات ستارے کہتے تھے درجہ بدرجہ جدا جدا سمجھے تھے جیسا کہ ہم ایک سطح پر نقاط مفروضہ مقرر کر کر ایک سطح واحد کو طبقات قرار دیدیں پس اس آیت سے یونانی حکیمون کے آسمان کا وجود ثابت نہین ہوتا

دوسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید مین آیا ہے وبنینا فوقکم سبعا شدادا وجعلنا سراجا وھاجا یعنی بنائیں ہم نے تمہارے اوپر سات چیزیں مضبوط چیزیں اور کیا ہم نے ایک چراغ روشن اس آیت مین جن سات مضبوط چیزونکا ذکر ہے اوسنے یونانی حکیمون کے سات آسمان مراد لینے کی کوئی وجہ نہین ہے بلکہ اُن سات مضبوط چیزون سے وہی سات سیارے مراد ہین جنکو اوس زمانہ کے لوگ بھی جانتے تھے اور جبکہ اوس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ایک کو چراغ روشن جس سے علانیہ سورج مراد ہے جسکو لوگ اُن سات مین سے ایک سمجھتے تھے تو اب کچھہ شبہ نہین رہا کہ اُن سات چیزون سے یونانی حکیمون کے سات آسمان مراد نہین ہین بلکہ وہ سات چیزیں مراد ہین جن کو اوس زمانہ کے لوگ سبع سیارہ کہتے تھے۔

تیسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید مین آیا ہے کہ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا اس آیت سے بھی یونانی حکیمون والا آسمان ثابت نہین ہوتا بلکہ یہ آیت بالکل اُس مطلب کو جو ہمنے بیان کیا ہے واضح کردیتی ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہین کہ اللہ وہ ہے جس نے اوٹھا دیا ہے اوپر والی چیزونکو بغیر ستون کے جس کو تم دیکھو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہمکو اوپر دکھائی دیتی ہین اُن کے لئے ستون ہے کہ ہمکو دکھائی نہین دیتا۔ اب سمجھو کہ وہ ستون کیا ہے وہی قوت جاذبہ جو خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک کرہ معلق مین پیدا کی ہے جسکے سبب تمام اوپر کی چیزیں معلق بغیر ستون ظاہری ستون یا سہارے کے کھڑے ہین۔

امام فخر الدین رازی رح نے جو کچھہ اس مقام پر لکھا ہے اوس سے پایا جاتا ہے کہ بعض مفسرین کی یہی رائے تھی کہ خلاء غیر محدود مین کرات معلق ہین چنانچہ وہ اسی آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین وعندی فیہ وجہ اخر احسن من الکل وھو ان العماد ما یعتمد علیہ وقد دللنا علی ان ھذہ الاجسام انما بقیت واقفۃ فی الجو العالی بقدرۃ اللہ تعالی وحینئذ یکون عمدھا ھو قدرۃ اللہ تعالی فنتج ان یقال انہ رفع السماء بغیر عمد ترونھا ای لھا عمد فی الحقیقۃ الا ان تلک العمد ھی قدرۃ اللہ تعالی وحفظہ وتدبیرہ وابقاؤہ ایاھا فی الجو العالی وانھم لا یرون ذلک التدبیر ولا یعرفون کیفیۃ ذلک الامساک یعنی امام فخر الدین رازی رح کہتے ہین کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر مین سب سے اچھی ایک وجہ ثابت ہے

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہین کہ او دائرۃ یفعلہا الکواکب بحرکتہا یعنی فلک ایک دائرہ بھی ہوسکتا ہے جو ستارہ اپنی چال سے بناتا ہے +

اور اس بات کے ثبوت کے لئے کہ آسمان سے صرف ستارون کا رستہ مراد ہے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود خدا تعالے نے ایک جگہ قرآن مجید مین آسمانون کے لفظ کے بدلے ستارون کی راہ فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت مین ہے ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق جیسا کہ خدا تعالی نے اس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے سات آسمان پیدا کئے ہین اسی طرح اس آیت مین یہ فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات راہین پیدا کی ہین۔ آسمانون کی راہین فرمانا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور ستارون کے چلنے کی راہ ایک چیز ہے اور راہ ستارونکی ضرور نہین کہ جسم مجسم ہو بلکہ کرات معلق کی فضاے بسیط مین جس طرف حرکت ہے وہی اوس کی راہ ہے۔

اب اُن لفظون سے بحث باقی رہی جنمین صفات آسمانون کی بیان ہوئی ہے اور جس سے آسمانون کے مجسم ہونے کا شبہ پڑتا ہے مگر حقیقت مین اُن سے بھی مجسم ہونا آسمانونکا ثابت نہین ہوتا۔

اول یہ کہ ایک جگہ خدا تعالی نے فرمایا ہے کہ خلق سبع سموات طباقا یعنی آسمان تہ بتہ اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک آسمان دوسرے آسمان سے ایسا ملا ہوا ہے جیسے کہ پیاز کے پرت اور یہی مذہب حکمائے یونان کا بھی تہا کہ ایک آسمان کا مقعر نیچے آسمان کے محدب سے ملا ہوا مانتے تھے مگر امام فخر الدین رازی رح نے ان معنونکو تو باطل کر دیا وہ کہتے ہین کہ لعل المراد کونھا طباقا کونھا متوازیۃ لا انھا متماستہ یعنے تہ بہ تہ ہونیسے یہ ضرور نہین ہے کہ وہ ایکدوسرے سے ملے ہوئے ہون شاید اونکا ایکدوسرے کے متوازی ہونا مراد ہو +

مگر حقیقت مین یہ معنی بھی جو امام فخر الدین رازی نے لئے ہین صحیح نہین ہین اصل یہ ہے کہ سما یعنی آسمان کا لفظ عربی زبان کے محاورہ مین ہر اوپر کی چیز پر جو بلا تعلق زمین کے معلق دکہائی دیتی ہو بولا جاتا ہے مثلاً چاند سورج۔ ستارون پر بھی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اونکی حرکت سے جو دائرہ یا گھیرہ متخیل ہوتا ہے اوس پر بھی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ بادلون پر بھی سما کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہ نیلی نیلی چھت جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اوس پر بھی سما کا لفظ بولا جاتا ہے اوپر کی سمت پر بھی جو خلاء بسیط ہے سماء کا لفظ اطلاق ہوتا ہے پس خلق سبع سموات طباقا کے یہ معنی ہین کہ خلق اللہ تعالی ھذہ السمت المرتفعۃ علی سبع ارتفاعات طباقا یعلمہا اھل ذالک الزمان بعدد سبع اجرام عظام یقال لھا الکواکب السبع یعنے اللہ تعالی نے اس اونچائی کو سات اونچے طبقون مین پیدا کیا ہے جسکو اوس زمانہ کے لوگ سات بڑے بڑے جسمون کے

حکیمون والا آسمان بھی نہ رہا اور شیخ چلی کی طرح سونے کا گہر خاک ہوگیا۔ تو اسپر جناب شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ مین ارقام فرماتے ہین کہ دیکھنے والون کی آنکھہ مین دہوئین کی مانند دکھائی دے مگر اصل مین ایسا نہوا اسپر ابن مسعود کا ایک قول بے سند نقل کیا ہے کہ بھوک کے مارے آنکھون مین آسمان مثل دہوئین کے دکھائی دیگا پھر فرماتے ہین کہ میان کہ قرآن کی باتون سے انکار کرنا منع ہے اگر سمجھہ مین نہ آوے تو ظاہری اوسکے معنون ہی پر ایمان رکھنا چاہئے کہ اقل درجات ایمان اونکا مان لینا اور تصدیق کر لینا ہے مگر ہم دست بستہ عرض کرتے ہین کہ جناب ہم اقل درجات ایمان نہین چاہتے ہم تو اعلیٰ درجات ایمان پر پہونچے ہوئے ہین +

یہ باتین ہم نے کچھہ گستاخی کی راہ سے نہین لکھین بلکہ جتنا کہ ہم امام رازی اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا ادب کرتے ہین اور اونکو علماء محققین ربانی سے سمجھتے ہین اتنا کوئی نہ کرتا ہوگا نہ سمجھتا ہوگا۔ مگر اس تحریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ بات سمجھین کہ حقیقت اشیاء روز بروز زیادہ تر منکشف ہوتی جاتی ہے اور جسقدر کہ ہمارا علم ترقی پاتا ہے اوسیقدر کلام ربانی کی حقیقت زیادہ تر واضح ہوتی ہے۔ پس اقوال مفسرین سابق ہی پر ہمکو منحصر رہنا نہین چاہئے۔

ہماری دنیا کو ایک مادہ رقیق سیال محیط ہے جسکا نام دخان کہو خواہ ہوائے محیط کرہ عرض خواہ اور کچھہ اور وہی مادہ اس بات کا سبب ہے کہ ہم کو یہ نیلی چھت جسکو آسمان ہی کہتے ہین دکھائی دیتی ہے پس یہ بات کہنا کہ آسمان دخان ہے بالکل حقیقت کے مطابق ہے اور کچھہ بھی تاویل اور تردد کی حاجت نہین ہے۔ یہ ساری خرابی اس لئے پڑتی ہے کہ ہم نے اپنی غلطی سے ہر جگہ لفظ آسمان کا مصداق یونانی حکیمون کے آسمان کو سمجھہ رکھا ہے۔

پانچوین یہ کہ قرآن مجید مین آسمان کی نسبت فتح ابواب بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک جسم مجسم ہے اور اوس مین چوکھٹ دکواڑ اور قبضے کڑے کنڈے سب لگے ہوئے ہین جس کے سبب دروازے کہلتے بند ہوتے ہین اور ضرور سنتری بھی دروازے کہولنے بند کرنے کو کہڑے ہون گے۔ پھر آسمان کے وجود مجسم مستحکم سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے مگر اسپر ہم کو بحث کرنی ضرور نہین۔ کیونکہ خود اگلے مفسرین اسکو رد کر چکے ہین۔

قال الامام الغزالی رح وهو على طريق الاستعارة فان الظاهر ان السماء كان من السحاب وعلى هذا فهو كما يقول القائل فى المطر الوابل

اور وہ یہ ہے کہ ستون اوس چیز کو کہتے ہین جس کے سہارے سے کوئی چیز ٹھہری رہے اور ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام جسم صرف خدا کی قدرت سے اسقدر وسیع جو مین ٹھہرے ہوئے ہین تو اب وہی خدا کی قدرت اُن کے لئے ستون ہوگی پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا تعالیٰ نے آسمان یعنے اوپر کی چیزون کو بغیر ایسے ستون کے جسکو تم دیکھو اوٹھا رکھا ہے وہ خدا کی قدرت اور اوس کی نگہبانی اور تدبیر اور اوس کا ٹھہرائے رکھنا ایسی چیزون کا اتنے بڑے جو مین ہے اور بیشک بندے اُن تدبیرون کو نہین دیکھتے اور ان باتون کو نہین جانتے +

مگر اس زمانہ مین امام فخرالدین رازی رح ہوتے تو اُن کو اتنی بڑی تقریر اور ٹیڑھی سیدھی باتین نہ بنانی پڑتین بلکہ وہ نہایت آسانی سے سمجھ لیتے کہ وہ ستون جسکو ہم نہین دیکھتے جس سے تمام کرات حلقہ تھمے ہوئے ہین وہ قوت جاذبہ ہے جو خدا نے ہر ایک مین پیدا کی ہے +

چوتھے یہ کہ قرآن مجید مین آسمان کی نسبت تین لفظ اور آئے ہین جن کی تفسیر مین کم غور کرنیوالون کو دقت پڑتی ہے اور وہ لفظ یہ ہین سقفا محفوظا ما لها من فروج والسقف المرفوع ـ اور وہ سمجھتے ہین کہ ان تینون لفظون سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان چھت کی مانند ہے اور جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور جسم ہوگا ـ

اس خیال پر بعض مفسرین کی اور شامت آئی کہ وہ یہ سمجھے کہ جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور چورس ہی ہوگا اور دیوارون پر ہی رکھا ہوا ہوگا اس خیال باطل سے اونھون نے کہدیا کہ قرآن سے پایا جاتا ہے کہ آسمان چورس ہے اور بڑے اونچے اونچے پہاڑون پر ٹکا ہوا ہے ـ امام فخرالدین رازی نے ایک لغو طور پر جیسا کہ اوس زمانہ کے فیلسوفون کا دستور تھا اس بیان کو رد کیا ہے ـ مگر اصل یہ ہے کہ یہ الفاظ کچھ بھی منافی یا مخالف حقیقت کے نہین ہین ـ ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ آسمان ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے پس یہ نیلی نیلی چیز جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اور جو حقیقت مین مثل دخان یا ہوائے محیط کے ایک جسم ہی رکھتی ہے اور ہماری دنیا کے چارون طرف محیط ہے ———— اور دنیا کے رہنے والون کو مثل سقف گنبد کے دکھائی دیتی ہے اسپر بھی آسمان کا اطلاق ہوتا ہے مگر یہ نیلی چیز حکیمون والا آسمان نہین ہے پس اگر اس نیلی چیز پر سقف مرفوع اور سقف محفوظ کا اطلاق ہوا تو مشکل اور دقت کیا پیش آئی ـ

ایک اور مصیبت مفسرین پر یہ پڑی ہے کہ قرآن مجید مین آسمان کی نسبت لفظ دخان بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دھوان ہے اب تو مفسرین کے ہوش گئے اور سمجھے کہ اب تو یونانی

منحصر کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔
مگر یہہ سمجہہ کہ خدا نے اُن طبقون کو سات مین منحصر کر دیا ہے غلط ہے کوئی تعداد بیان کرنے سے عدد زائد کی نفی لازم نہین آتی۔ امام رازی صاحب رح فرماتے ہین فان قال قائل هل يدل التنصيص على سبع سموات على نفي العدد الزائد قلنا الحق ان تخصيص العدد بالذكر لا يدل على نفي الزائد۔ یعنے اگر کوئی کہنے والا یہہ کہے کہ کیا سات آسمانون کی صریح تعداد بیان کرنی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس سے زیادہ آسمان نہین ہین تو ہم کہین گے کہ حق ہے کہ کسی عدد کو بیان کرنے مین خاص کر لینا اوس سے زیادہ نہ ہونے پر دلالت نہین کرتا۔ پس صاف ظاہر ہوگیا کہ اگلے عالمون کے نزدیک ہی سات ہی مین آسمانون کا انحصار نہین پایا جاتا تہا۔
غرضکہ بیان مذکورہ سے ثابت ہے کہ الفاظ اور آیات قرآن مجید سے وہ آسمان جسکو یونانی حکیمون نے بنایا تہا اور جسکی حقیقت ہیئت قدیمہ مین بیان کی گئی ہے ثابت نہین ہوتی اور اوس کا منکر منکر نص قرآنی نہین سمجہا جا سکتا اور مسئلہ ہیئت جدید جو اس امر کی نسبت ہے وہ مخالف قرآن مجید نہین پایا جاتا۔ فتدبر

---

(۲۳) ان اوپر کے مضامین مین تو مذہب کا جہگڑا علم ہیات کے ساتہ ہے مگر ایک اور اختلاف علم جیولوجی اور مذہب کے درمیان ہے کہ دنیا کب بنی اور کتنی مدت مین اس باب مین بہی سید احمد خان کی تحریرات جو تفسیر اور تہذیب الاخلاق مین موجود ہین برقرار رہنے کے ہین۔

(۲۴) سائینس کا اثر زمانہ حال کی تہذیب پر

اول اب مین یہہ بتلاتا ہون کہ زمانہ حال کی تہذیب پر سائینس کے دو اثر ہو رہے ہین ایک عقلی دوسرے اقتصادی یعنے معاشری و تمدنی حسن انتظام و میانہ روی کے عقلی اثرون کی تفصیل یہہ ہے +

اول سائینس احادیث کی حکایت کو بالکل نہین مانتا۔ وہ ان باتونکے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے جو اپنا ثبوت و دلیل اپنے ساتہ نہین رکہتین خواہ یہ باتین کیسی ہی کسی مقدس بزرگ سے جسکا نام عظمت کے ساتہ لیا جاتا ہو منسوب کی جائین مگر وہ انکو نہین مانے گا جبتک

جرات مزاریب السماء و فتح ابواب الغرب یعنے امام غزالی صاحب یہ فرماتے ہین کہ شدت سے مینہ برسنے مین جو خدا تعالی نے یہ فرمایا ہے کہ آسمان کے دروازے کہل گئے تو ایسا کہنا بطور استعارہ کے ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ مینہ یونانی حکیمون والے آسمان مین سے تو برستا نہین بلکہ بادلون مین سے برستا ہے۔ پس آسمان کے دروازونکا کہلنا ایسا ہے جیسے کوئی شدت کے مینہ برسنے مین یون کہے کہ آسمان کے پرنالے بہ نکلے اور پکہالون کے مُنہ کہل گئے۔

چھٹے یہ کہ بعضی جگہ قرآن مجید مین آسمانون کے پیدا کرنے اور بنانے کا ذکر کیا اور چند جگہ اونکا شق ہونا اور پہٹ جانا فرمایا ہے پہر اگر وہ مثل یونانی حکیمون کے آسمان کے مجسم نہ ہوتا تو خدا تعالی یہ باتین آسمانونکی نسبت کیونکر منسوب کرتا۔

مگر سمجہنا چاہیے کہ خدا تعالی نے بہت سی جگہ قران مجید مین غیر مجسم چیزون پر خلق کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے بلکہ حالات مفروضہ اور اشیاء معدومہ کی نسبت بہی ایسے لفظون کا اطلاق ہوا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ جعل فی السماء بروجاً یعنے بنائے آسمان مین برج حالانکہ کسی کے نزدیک وہ کوئی جسمانی چیز نہین ہے۔ موت اور حیات سب کے نزدیک صرف فرضی حالتین ہین اون کی نسبت بہی خلق کا لفظ قرآن مجید مین آیا ہے کما قال اللہ تبارک وتعالی خلق الموت والحیات۔ عقل کی نسبت بہی پیدا کرنے کا لفظ آیا ہے معہذا جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اوپر کی تمام چیزون پر آسمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اُنمین بہت سی چیزین ایسی ہین کہ وجود اصلی بہی رکہتی ہین۔ پس یہ بات کہنی کہ اوپر کی چیزون کو خدا نے بنایا ہے۔ خدا نے پیدا کیا ہے۔ اوپر کی چیزین پہٹ جاوینگی شق ہو جاوینگی۔ کچہہ بہی حقیقت کے برخلاف نہین ہے اور نہ کسی قسم کی تاویل کی حاجت ہے غلطی تو جب ہی پڑتی ہے جبکہ قرآن کو چہوڑ کر یونانی حکیمون کی پیروی کر کر سماء کے لفظ سے یونانی حکیمون کا بنایا ہوا آسمان مراد لیا جاوے۔

اب سبع سموات کی بحث باقی رہی یعنی اگر طبقات آسمان کے وہ معنی لئے جاوین جو سبع سموات طباقاً مین بیان ہوئے تو وہ سات نہین قرار پا سکتے بلکہ سات سے زیادہ ہین اور روز بروز نکلتے چلے آتے ہین۔ چند روز ہوئے کہ ایک ہرشل سیارہ کا طبقہ نکلا تہا اور ابہی نیپچون سیارہ کا ایک طبقہ نکلا ہے۔ اور معلوم نہین کہ اور کتنے نکلتے آوینگے پہر اونکو سات

انکار کر دیتا ہے جسوقت وہ نیچر سے عہدہ برآ نہین ہوسکتا۔ مذہب ایمان کو اور ایسی باتون کو جن کا سمجھنا عقل سے باہر ہے کورانہ بے دلیل تقلیداً تسلیم کرتا ہے اور اوسسے اپنی دل کو اطمینان دیتا ہے غرض دونو کے اصول مین ایسی مباینت ہے کہ ان مین باہم معاندت و منافرت ہے۔ جو لوگ انصاف پسند ہین اور کسی طرف کے طرفدار نہین وہ سب طرف سے دیکھہ رہے ہین کہ مذہب کی بیخ کنی سائنس کر رہا ہے +

سائنٹفک تحقیقات و براہین کے آلات اعظم علوم ریاضیہ مین ان علوم کی علامتون نے سوچنے کی محنت کو ایسا ہی کم کر دیا ہے جیسے کہ کلون نے آدمی کی محنت کو گھٹا دیا ہے گویا کہ انہون نے اعمال دماغی کو اعمال مکینکہ بنا دیا ہے۔ یہ علوم عقلی کامون کو صحیح اور درست کرانے کی عادت ایسی ڈلوا دیتے ہین کہ اس عادت کا اثر اور فروع علمیہ مین کبھی پہونچ جاتا ہے۔ غرض ان علوم ریاضیہ نے ایک عقلی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

علوم ریاضیہ نے فقط مسائل نظریہ ہی کو نہین ثابت کیا بلکہ پیشین گوئیان ہی ایسی کی ہین جو الہامی پیشین گوئیون کی مدمقابل تہین اونہون نے ان چیزون کو بتا دیا جو ابتک دیکھنے مین نہین آئی ہین اوسکی ایک مثال یہ ہے کہ حساب کرنے سے سیارہ نیچون کو جو ابتک کسی نے نہین دیکھا تہا بتا دیا کہ وہ آسمان پر فلان مقام پر ہے اور اسکا قد و قامت اس قدر ہے جسکی تصدیق مشاہدات سے ہوئی۔

علوم ریاضیہ کے ساتہ وہ بکھیڑے نہین جو علم ہیأت اور علم کیمیا وغیرہ کے ساتہ ہین کہ آلات ہون رصدگاہ ہوئے لیبورٹری ہو (کیمیا خانہ) بہت سے مددگار ہون جنکے اندر خرچ بہت کچھہ ہوتا ہے۔ علوم ریاضیہ کے لئے تو صرف طبیعت کا شوق اور چند کتابین درکار ہین ایک گوشہ مین بیٹھکر ریاضی دان ان علوم مین شغل رکھنے سے وہی لطف سرور حاصل کرسکتا ہے جو ایک زاہد راہب اپنی عزلت نشینی مین۔ اسپر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ علوم ریاضیہ مین ریاضت کرنی محض بیفائدہ ہے اسلئے وہ نفرت کے قابل ہے اسمین جو آدمی اپنا وقت ضائع کرے اسسے بہتر ہے کہ اپنے اشرف و اعلیٰ چیزون کے لئے روحانی محنت کرے اسکا جواب یہ ہے کہ علوم ریاضیہ مین مطلق حق کی طرف توجہ ہوتی ہے اب کوئی بتائے کہ دنیا مین مطلق حق سے زیادہ کونسی چیز اشرف و اعلیٰ ہے اسمین نہ اسرار ہین نہ معجزات نہ جہوٹ دہوکہ دینے والا۔ یہ باتین کیا مطلق حق سے اشرف ہین؟ ہرگز نہین۔

وہ معقول دلیل پر مبنی نہین ہونگین۔

دوم وہ سُپر نیچرل (فوق الفطرت) یعنی معجزات اور خرق عادات کی شہادت کو مادی تحقیقاتون مین تسلیم نہین کرتا ہے۔ پہلے زمانہ مین یہودی جن آیات بینات کو مانتے تھے اونکے ماننے سے اونسے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ثبوت کی توضیح کے لئے کسی اور چیز کو پیش کرنا چاہئے غرض اس بیہودہ منطق کو جو کئی صدی سے چلی آتی تھی اونسے رخصت کیا۔

سوم۔ حقایق مادیہ کی تحقیقات مین ایک ضابطہ سائنس نے یہ قرار دیا ہے کہ اوسمین مفروض قیاسی کے امتحان کا اندازہ اسطرح کیا جائے کہ کسی خاص صورت کا حساب اس مفروض قیاسی کے مطابق کیا جائے اور پھر اس حساب کے نتیجہ کا تجربہ و مشاہدہ کیا جائے اگر نتیجہ حسابیہ اور تجربہ مین مطابقت ہو تو مفروض قیاسی تسلیم کیا جائے اور اگر دونون مین تطبیق نہو وہ ترک کیا جائے ایک مثال سے اسکی توضیح کی جاتی ہے سر آئزک نیوٹن کی رائے یہ تھی کہ زمین کی کشش ثقل کا اثر چاند پر بھی ہوتا ہوگا۔ اور اس کشش کے زور سے چاند اپنے مدار مین زمین کے گرد گردش کرتا ہوگا تو اونھون نے اپنے مفروض قیاسی کے حساب کرکے یہ نتیجہ نکالا کہ چاند اپنے مدار مین ہر منٹ مین ۱۵ فیٹ مماس سے انحراف کرتا ہوگا۔ مگر روئے زمین پر جو اجسام اوپر سے گرتے ہین وہ ایک منٹ مین ۱۵ فیٹ سے کچھہ زیادہ مسافت طے کرتے ہین اور وہ نسبت معکوس مجذور کے موافق گھٹتی ہے تو نیوٹن صاحب کی رائے یہ تھی کہ زمین کی کشش ثقل کا اثر چاند پر بھی ہوتا ہوگا چاند کے مدار مین کشش ثقل اسکے جسم کو پندرہ فیٹ سے زیادہ مسافت طے کراتی ہوگی اسلئے کچھہ عرصہ تک نیوٹن صاحب کو اپنے مفروض قیاسی کے قائم رکھنے مین تامل ہو گیا مگر تھوڑے دنونکے بعد پکارڈ نے بڑی صحت کے ساتھ ایک درجہ زمین کی نئی پیمائش کی جسکے سبب سے زمین کی مقدار کا تخمینہ بدل گیا اور چاند کا فاصلہ بھی بدل گیا جسکا اندازہ زمین کے نصف قطرون مین کیا جاتا تھا۔ اسکے موافق نیوٹن صاحب نے کشش ثقل کے اثر کا چاند پر پھر حساب کیا تو اوسکو اپنے مفروض قیاسی کے مطابق پایا اسلئے اوسکو قائم رکھا۔

اب ان اوپر کے بیانون سے تم اُن فلسفیانہ اصول کا مقابلہ کر سکتے ہو جنپر سائنس اور مذہب چلتے ہین سائنس احادیث کا منکر ہے مذہب انکا مقر ہے انکو اپنا عصا دست بناتا ہے اور اس کے سہارے سے چلتا ہے سائنس حسابات و مشاہدات کی مطابقت اور واقعیتون اور براہین کی موافقت پر اصرار اور اتنبا کرتا ہے۔ مذہب اسرار و رموز پر اعتقاد رکھتا ہے سائنس اپنے تھیوریکل مسائل نظریہ

کہ وبائیں اُنہیں بھیجدیتا ہے جسکا علاج لوگ یہ کرتے تھے کہ اُسکے دفع کرنے کیلئے ولیوں پاس دعاؤ نکے لئے دوڑے جاتے ہیں اب سائنس نے ثابت کردیا کہ یہ وبائیں انسان کی گناہوں کی سزائیں نہیں ہیں بلکہ مکان و جسم کو غلیظ و نجس رکھنے کی سزائیں ہیں اسکا علاج ولیوں پاس دعاؤں کیلئے دوڑا جانا نہیں ہے بلکہ اپنے اور اپنے شہر کے کوچہ و بازار و قصبات و دہات کی صفائی کا اہتمام کرنا ہی چنانچہ میونی سپل نے جو صفائی کا سررشتہ ہے مہذب ملکوں میں وباؤں کے آنے کو بہت کم کردیا ہی اور کم کرتا چلا جاتا ہی۔ یہ ایک مذہبی مسئلہ تھا کہ مثل زلزلہ کے طاعون بھی خدا کی طرف سے انسان کے گناہوں کے سبب سے خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے جسکے دور کرنے کے لئے قرنطینہ کی حکمت اختیار کرنے سے مسئلہ مذہبی مشتبہ ہوگیا۔ ایسے ہی چیچک کے ٹیکا اور نشتر لگانے کی مزاحمت مذہب نے کی مگر وہ رک نہ سکا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گیا ایک صدی پہلے وہ چہرہ مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا جسپر چیچک کا داغ نہ ہوتا تھا۔ یا اب اس صدی میں وہ چہرہ مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے جسپر سیتلا کے نشان ہوں امریکہ میں جو بیہوش کرنے کی دوائیں ایجاد ہوئیں اور وہ زچہ کو دردزہ میں دی جانے لگیں تو پادریوں نے اسکو جائز اس سبب سے نہیں رکھا کہ اس سے توریت کی کتاب پیدائش کی ۳ باب ۱۶ آیت پر تبرا ہوتا تھا۔ وہ آیت یہ ہے (خدا نے عورت سے یہ کہا کہ میں تیرے حمل میں تیری درد کو بہت بڑھاؤنگا اور درد سے تو لڑکے جنے گی۔ گدائی اور فقیری کے بابمیں احکام مذہبی کا وعظ ہوتا تھا۔ اسکی ضد میں سائنس نے یہ سبق پڑھایا کہ افلاس جرائم کی جڑ ہے اور علم کی سدراہ۔ تجارت سے دولت پیدا کرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس دولت حاصل کرنے سے جو قوت جنگ سے حاصل ہوتی ہی گو یہ سچ ہو کہ تجارت قوموں کے مابین اتحاد اور شخصی افراد میں عناد پیدا کرتی ہے اور اخلاق بیخ کنی کرتی ہے مگر فقط تجارت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو دنیا کو متحد کرسکتی ہے۔ اسکے سارے خواش خیال امیدیں کل عالم میں عام امن و امان رکھنے کی ہیں۔

سائنس نے جب محنت پردازی کی امداد کے لئے اپنے ذہن وقاد کو ایجاد کی طرف متوجہ کیا تو معاشرت و تمدن میں بہبودی و سودمندی کا وہ بازار گرم کیا کہ جسکے لکھنے کے لئے کتابوں کی ضرورت ہی مگر ہم اپنی اس مختصر کتاب میں چند فقرے اس لئے تحریر کرتے ہیں کہ انکا لکھنا بالکل خاموش رہنے سے بہتر جانتے ہیں۔ اول سائنس نے تجارت کی حساب و کتاب لکھنے اور بہی کھاتے بنانے اور بل جاری کرنے کے لئے نئے قواعد ایجاد کئے

عیسائی جانتے تھے کہ علوم ریاضیہ کی حملہ آوری مذہب کے حق مین مضر ہوتی ہے اسلئے انکو ان علوم سے بیر رہا وہ ہمیشہ اونسے مخالفت کرتے رہے ہین لوہنون نے بارہ سو برس تک کسی عیسائی کو ہندسہ نہین ہونے دیا۔ مگر اب وہ نہ مخالفت کرتے ہین نہ اونکی مخالفت چل سکتی ہے

انتباہ۔ ہم نے اوپر دو جگہ لفظ اسرار لکھا ہے جسکے معنی مذہب مین یہ لئے جاتے ہین کہ وہ مخفی باتین جنکو سواء خدا تعالی کے کوئی نہین جانتا کہ انکا سمجھنا عقل کی حد سے باہر ہے + انکی ادراک مین عقل انسانی ایسی ہی عاجز ہے جیسے کہ آنکھین سُننے کے لئے اور کان دیکھنے کے لئے عاجز ہین یہ اسرار انہین خاصان الہی کو کھلتے ہین جنپر خدا خود کھول دیتا ہے +

سائنس کے اقتصادی اثر

اکونومی کل کا ترجمہ اقتصادی کیا ہے جسکے معنی میانہ روی اور تمدن اور معاشرت کے حسن انتظام کے ہین نیچر کا سائنٹیفک مطالعہ انسان کی فقط عقلی خیالات ہی کی اصلاح نہین کرتا ہے بلکہ وہ انسان کی مادی حالت مین بھی بہبودی پیدا کرتا ہے۔ اسکے ذریعہ سے انسان ایسی واقعیتین تحقیق کر لیتا ہے جو اوسکے لئے نہایت بکار آمد اور سودمند ہوتی ہیں۔

(۳) زمانہ سابق مین ہنگامہ کارزار اسلئے گرم کیا جاتا تہا کہ فاتحین کو غلام بکثرت ہاتھ آجائین۔ چنانچہ وہ ہزار ون لاکہون مفتوحین کو غلام بنا کے جہان چاہتے لے جاتے تھے اور اونپر ظلم و ستم و جبر کرکے کام لیتے تھے۔ پس اس طرح پہلے زمانہ مین انسان کی محنت مین تخفیف انسان کی محنت سے ہوتی تہی یعنے ایک گروہ دوسرے گروہ سے بالجبر محنت کرکے اپنے تئین محنت سے بچا لیتا تہا۔ اب امر تحقیق ہو گیا کہ مادی کارکنون کے کام مین لانے سے اور کلون کی ترتیب دینے سے بہت فائدے حاصل ہو سکتے ہین وہ انسان کی محنت کو غلامونسے زیادہ محنت کو گھٹا دیتی ہے پس انسان کی محنت گھٹانے کے لئے یہ اصول قائم ہوا کہ غلامون کی گرفتاری کی بجائے کلین ایجاد کی جائین غلامون کے پکڑنے سے ہزار درجہ بہتر ہین۔ اس سبب سے صلح مین افزائش و جنگ مین کاہش ہوئی۔ بلکہ جن قومون پاس غلامون کی کثرت تہی یا اونکی رعایا ایسی تہی کہ بمنزلہ غلام کی تہی انکو باقتضاء انسانیت اپنی اغراض کے لئے آزاد کر دیا۔ پس اب وہ زمانہ آگیا کہ جسمین حیوانی اور انسانی محنت کے کام کلون سے لئے جاتے ہین۔ کلون کی ایجادون نے معاشرت و تمدن مین ایک انقلاب پیدا کر دیا مذہب نے اس اصول کے برخلاف بہی کوشش کی مگر وہ پیش رفت نہ ہوئی مذہب نے پہلے یہ یقین دلا رکھا تہا کہ جب آدمی زیادہ گناہ و بدکاری کرتے ہین تو خدا اونپر سزا دینے کے لئے اپنا قہر اونپر نازل کرتا ہے

اور نیوٹن نے خاتمہ اس طرح کیا کہ ثابت کیا کہ مینہ کے قطروں میں شعاعوں کے انعکاس سے قوس قزح پیدا ہوتی ہے۔

ڈی ڈومنِ قید خانہ میں ڈالا گیا اور وہیں وہ مر گیا۔ مذہبی عدالت کے روبرو اُسکا تابوت پیش ہوا اور اُس پر بدعتی ہونے کا جرم ثابت ہوا۔ یہ تابوت مع اوسکی بدعتی کتابوں کے آگ میں جلایا گیا۔ فرینکلن نے ثابت کیا کہ الکٹرسٹی اور بجلی ایک ہی چیز ہے جسکے سبب سے برق اور رعد کی حکومت سے جوپیٹر (مشتری) معزول ہوا۔ آخر صدی میں دوربین اور خردبین ایجاد ہوئے۔ دوربین نے غیر متناہی فضاء عالم کی سیر دکھائی اور خردبین نے اشیاء خرد کا عالم ایسا دکھایا جو پہلے ان آنکھوں کو نظر نہیں آتا تھا۔ ہوائی بیلون نے بادلوں سے اوپر اور ڈائیونگ بیل (ظرف غواص) نے سمندر کی تہ پر انسان کو پہنچا دیا۔ میزان وہ ایجاد ہوئی کہ جس نے علم کیمیا میں ثابت کر دیا کہ مادہ کے کسی ذرہ کا نابود ہونا نا ممکن ہے۔ آکسیجن اور ہیڈروجن اور اور گیسوں اور بعض دھاتوں کے منکشف ہونے نے ثابت کر دیا کہ ہوا۔ زمین۔ پانی۔ عناصر نہیں ہیں۔ کیپلر اور نیوٹن کے الہامات نے ثابت کر دیا کہ دمدار ستارے بھی بیضوی مدار میں حرکت کرتے ہیں وہ انتقام الٰہی کے مقدمۃ الجیش نہیں ہیں کہ ہولناک قحط و وبا و جنگ کو پھیلا کر عوض لیں۔ اب اُنکے ڈرانے اور بھگانے کے لئے گرجاؤں میں گھنٹے بجانے کی اور اُنکے دفع کرنے کے لیے غیر معمولی دعاؤں اور نمازوں کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) اب جو شخص بے تعصب ہو کر یہ مقابلہ کریگا کہ یورپ کی عقل و دانش کی افزائش عیسائی مذہب نے اپنی ایک مدت دراز کی حکومت میں کیا کی اور سائنس نے اپنی تھوڑی دنوں کی عملداری میں کیا کی تو اُسپر ایک کی بزرگی دوسرے پر کھلجائیگی۔ سائنس کی ایجادوں۔ اختراعوں نے جو عقلی و تمدنی ترقیاں کیں ہیں صرف اُنکے ناموں کی فہرست کامل بنانی دشوار ہے ہر ایک کی تفصیل کے لئے ایک کتاب درکار ہے۔ ایک مختصر سی . . . . . فہرست اُنکی یہ ہے پبلک سکولوں میں نوشت و خواند کے ہنروں کی اشاعت سے تعلیم کی ترقی نمایاں جس سے خواندہ آدمیوں کے گروہ کے گروہ پیدا ہوئے اخباروں اور رسالوں کے ذریعے سے پبلک وپی نین (عوام الناس کی رائے) کے پیدا کرنے کے طریقے۔ اخباروں کی قوت پوسٹ آفس اور ارزاں میل کے ذریعہ سے عوام و خواص میں ان کی خبروں کا پھیلنا

مختلف قسم کے بیموں کے کارخانے جاری کئے جنکے مخالفت میں حامیان مذہب نے یہ زباں درازیاں کیں کہ آتش زدگی کا اور بحری جوکہوں کا بیمہ کرنا تو مشیت ایزدی کا اغوا کرنا ہے۔ اور جان کا بیمہ کرنا ارادہ الٰہی میں دست اندازی بیجا ہے۔ روپیہ کا سود دینا اور جائداد کا گرو رکھنا اور اسکے لئے بنک ور رہن خانے بنانے مذہب کے خلاف ہیں۔ ربا خواری از روے مذہب حرام ہے۔ مگر جب پوپ نے دیکھا کہ یہودی اس سود کھانے اور رہن رکھنے سے مالا مال ہوتے جاتے ہیں تو اُس نے انکو عیسائیوں کے لئے بھی مباح ہونے کا حکم جاری کر دیا اور کہدیا کہ جو کوئی اسکی مخالفت کریگا وہ ذات سے باہر کر دیا جائیگا۔

(۳) سائنس نے اپنی ذہانت صرف بکار آمد و فائدہ مند تدابیر و حکمتوں کے ایجاد میں صرف نہیں کی بلکہ تفریحات طبائع کے لئے بھی اسکو خرچ کیا جب ٹلی میں سائنس داخل ہوا تو خدا پرستوں کے گھروں میں وہ تعجب خیز چیزیں داخل ہوئیں کہ جنکا نام اُنہوں نے سحر و جادو پر رکھا۔ چنانچہ میجی کل لین ٹرن (قندیل سحری) اسکی شہادت دیتی ہے میجک کے معنے انگریزی سحر کے ہیں۔ حامیان مذہبی کے فلسفہ تجربیہ سے مخالفت کرنا بے وجہ نہ تھا کیونکہ اس کا یہ ایک مضر نتیجہ وہ دیکھتے تھے کہ بازیگر اہل معجزہ کی ہمسری کا دم بھرنے لگے جو خرق عادات خدا پرستی کی آڑ میں چرچوں میں ہوتی تھیں اب وہ حیرت انگیز اسلئے نہ ہیں کہ بازیگر انکو کوچہ و بازار میں دکھانے لگے۔ یہ بازیگر منہ سے شعلے نکالتے تھے۔ دہکتی ہوئی آگ پر گلگشت کرتے تھے۔ لوہے کو جو سرخ انگارہ ہوتا دانتوں میں پکڑ لیتے تھے۔ منہ سے انڈے اس قدر نکالتے تھے کہ ان سے ٹوکری بھر جاتے تھے۔ غرض خرق عادات کٹ پتلیوں کے تماشے ہو گئے۔ مگر عیسائیوں کے دلوں سے معجزات کا اعتقاد محو ہونا نہایت مشکل تھا۔ ایک گھوڑے کو ایک شخص نے بہت سے کرتب سکھاے تو اسکی سنہ ۱۶۰۱ء میں لسبن میں و لکاری ہوئی اور یہ جرم اُس پر ثابت ہوا کہ اسکے اندر کوئی بھوت ہے اسکو یہ سزا دیگئی کہ وہ زندہ جلایا گیا اسکے بعد بھی ڈائنوں کی بری گت بنائی جاتی تھیں۔

(۴) سائنس کے ایک ایجاد پر دوسرے ایجاد کا اضافہ بڑے سرعت کے ساتھ متواتر ہوتا رہا۔ اور ان ایجادوں نے آپس میں ایک دوسرے پر ایسے عمل کئے کہ مافوق الفطرت کی بیخ کنی ہوتی رہی۔ قوس قزح پہلے خدا تعالیٰ کی جنگ کا ہتیار سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس کا ڈمی ڈومن نے آغاز

کافی ہے کہ سائنس نے کیا کیا علمی اور سائنٹفک جودت انسانی کو بڑھایا ہے اگر اسکا مقابلہ زمانہ متوسط سے جو سکون کی حالت میں تھا کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس سائنٹفک جودت کے گرد جو نور عقلی محیط ہے اس نے انسان کو بیشمار نعمتیں و برکتیں عطا کی ہیں۔ روسیوں نے اپنی اُس رعایا کو جو بمنزلہ غلاموں کے تھی آزاد کر دیا۔ امریکہ میں چالیس لاکھ حبشی غلام آزاد ہوئے بجائے اسکے کہ محتاج کسی مسیحی معبد کے دروازے پہ جمع ہوں گورنمنٹ کی طرف سے اُنکی پرورش کے قوانین جاری ہوئے۔ طبابت نے منع امراض میں بہ نسبت دفع امراض کے زیادہ کارگزاری کی۔ تدابیر سیاسی میں مدبران ملکی نے سائنٹفک ترتیب نظم کو داخل کیا۔ اُنکل پچو قوانین بنانے کی جگہہ سخت محنت کرکے اول معاشرت کی واقعیتوں کو جمع کیا پھر قوانین کے مرتب کرنے کے لیے قلم اُٹھایا۔ غرض اس باب میں یورپ نے وہ ترقی کی کہ ایشیا کو بڑھاپے میں اس کی تقلید کرنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ اللہ اللہ کیا انقلاب ہے۔ ایکدن وہ تھا کہ یورپ کو یہ آرزو تھی کہ میں ایشیا کی تقلید کروں یا آج ایشیا کو یہ ارمان ہے کہ میں پیرانہ سالی میں یوروپ کی پیروی کروں۔ سائنس نے آمد و رفت کے سامان ایسے آسان کر دئیے ہیں کہ وہ مذاہب جو آپس میں چھری کٹاری تھے۔ اور جنگ و پیکار میں مصروف رہتے تھے۔ اب یکجا جمع ہوتے ہیں انکے مذہبی رزم آرائی میں ہمیشہ سائنس امین ہوگا۔ کیونکہ وہی خدا تعالیٰ کی اور اُسکے عالم کے مناظر کی وسعت عظیمہ اور شان کبیرہ کو انسان کے روبرو لاتا ہے۔

(۷) ان ایجادات و اختراعات و انکشافات میں اولوالعزمی و عالی حوصلگی اس سبب سے پیدا ہوئی تھی کہ انمیں بعض افراد انسانی کو اپنے نفع کی امید تھی بعض کو عزت کی توقع تھی ان افراد کی اغراض نے امور سیاسیہ میں آمیزش و سازش کرکے آخر صدی میں معاشرت و تمدن میں تشنج پیدا کرکے دو انقلاب پیدا کئے۔ ایک امریکہ میں دوسرا فرانس میں۔ امریکہ میں تو اس انقلاب کا اثر یہ ہوا کہ ایک کروڑ آدمیوں کو سب باتوں میں آزادی حاصل ہوگئی سوا اسکے کہ وہ دوسرے آدمی کی عافیت و آزادی میں خلل پیدا کریں فرانس میں انقلاب نے آدمیوں کو پوپ کی حکومت سے آزاد نہ کرایا۔ انکے کندھے سے دوہری حکومت دنیوی و مذہبی کا جوا نہ اُٹھا۔ فرانس میں آرلئے موجودہ پر حملہ سائنٹفک نہ تھا۔ بلکہ لٹریچر (ادب) کا تھا۔ جو عیب بین و نکتہ چین ہوتا ہے۔ اور خود حملہ آوری کا آغاز کرتا ہے۔ مگر سائنس خود کسی پر حملہ نہیں کرتا وہ دشمنوں کو اجازت دیتا ہے کہ تم مجھ پر بیباکانہ اور گستاخانہ شوخ شوخ حملے کرو۔ پھر وہ انکے دفع کرنے

اخباروں میں اشتہارات کے مشتہر کرنے سے امور معاشرت میں فوائد کا پیدا ہونا۔ اسپتالوں
کا جا بجا بیماروں کے لئے قائم ہونا۔ مجرموں کے لئے جیلخانوں میں اصلاحوں کا ہونا جسکے
سبب سے وہ حقیقت میں پنڈت خانے و لوہر خانے بن گئے۔ محتاجوں کے لئے خیرات خانے۔
پاگلوں کے لئے پاگل خانے۔ آب پاشی کے لئے نہریں۔ حفظان صحت کے لئے انجنیرنگ کے
سررشتے۔ مردم شماری کی رپورٹیں۔ سٹورٹائپ ورد باغت کا جو کلورا ین سے کی جائے۔
روئی کے بنولے نکالنے کی چرخی کا ایجاد ہونا۔ اور کوٹن مل کا عجائبات سے پر ہونا۔ کپڑوں کے
ارزانی کرنے کی ترکیبیں۔ صفائی کا بڑھنا آسائش و تندرستی کا زیادہ ہونا۔ ادویہ جراحی کا
ترقی پانا۔ فزی اولوجی (علم جوارح انسانی) میں ایجادات کا ہونا۔ فائن آرٹس (مصوری
موسیقی۔ مجازی۔ تعمیر عمارات) میں ترقی کا ہونا۔ زراعت اور دہاتی حسن انتظام میں ترقی کا
ہونا کیمیائی کھات کا زراعت میں داخل ہونا فارم کی کلیں۔ صنائع آہنی کا محنت پردازی کے
ساتھ رشتہ مند ہونا۔ ریشہ دار چیزوں کی بناوٹ۔ میوزیم کے لئے نیچرل ہسٹری (تاریخ
فطرت) کی چیزوں اور قدیمی عجائبات کا جمع کرنا۔ کلوں کا کلوں سے بنانا اور پھر
انمیں صحت ریاضیہ کا ہونا۔ ہموار کرنے کی کلیں۔ ریلوے کا انتظام۔ تار برقی۔ پتھر کا
چھاپہ۔ ایرپمپ۔ برقی بطری۔ یورے نس و نیپچوں سیاروں کا اور سو سے زیادہ
چھوٹے چھوٹے سیاروں کا منکشف کرنا۔ شہابوں کا دمدار ستاروں کے ساتھ رشتہ مند
کرنا۔ جغرافیہ و ہیئت کی تحقیقات کے لئے بحری و بری مہمات۔ علوم طبیعہ کی تحقیقات کے
لئے ان تجربات کا کرنا جنمیں زر کثیر صرف ہوا۔ اس صدی کی برقی مقناطیسی اختراعات عجیبہ
و ایجادات غریبہ۔ آفتاب کی شعاعوں کی تحلیل۔ کیمسٹری کے قوانین ثلاثہ۔ اوو گیڈرو
بوائل۔ میری اوٹ۔ چارلس کے ماتحت بنائے محکوم کرنا غیر عضویہ مادی سے عضویہ
جواہر بنانے۔ انکے فلاسفیانے نتیجوں کا بڑا اکلا آمد بنانا علم فزی اولوجی کیمسٹری پر بنیاد
رکھکر اسکا نئی طرح سے مدون کرنا۔ ٹوپوگرافی یعنی کل سروینگ (پیمایش) سے روی زمین کا نقشہ
صحیح صحیح بنانا۔ مدفل کی بندوقیں۔ مسلح جہاز۔ جنہوں نے جنگ کے فن میں ایک انقلاب پیدا
کیا۔ عورتوں کے لئے سینے کی کلیں۔ فنون صلح و امن کا بڑھانا۔ دنیا کی چیزوں کو جمع کر کے
نمایش گاہ میں دکھانا +

یہ ناقص فہرست ترقیوں و ایجادات و اختراعات کی اس بات کے دکھانے کے لئے

غرض ایک فرقہ محققین علماء کا ڈاکٹر صاحب کا ہم رائے ہے دوسرا فرقہ محققین فضلائے کا یہ رائے رکھتا ہے کہ ہرگز ہرگز سائنس اور مذہب کو ایک میدان میں لاکر ٹھہرانا نہیں چاہئے ان دونو میں کچھ مناسبت نہیں ہے۔ کوئی الہامی کتاب کسی سائنس کی کتاب نہیں ہے اور سائنس کی کوئی کتاب الہامی نہیں ہے۔ ایک عالم مادی کا ہادی ہے وہ زمین و آسمان کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور صنعت کاملہ ظاہر ہو۔ اور خدا کی شان ہر روز ایک نئی شان سے نمایاں ہو۔ مگر وہ اوامر و نواہی الٰہی انسان کو نہیں بتلاتا۔ اس کے برخلاف مذہب عالم روحانی کا ہادی ہے۔ وہ یہ بتلاتا ہے کہ جس خالق جہاں نے یہ زمین و آسمان بنائے ہیں اور انہیں اپنے جاہ و جلال کو ظاہر کیا ہے اسکے احکام یہ ہیں جنکی بجا آوری انسان پر فرض ہے۔ غرض وہ ان دونو کے مقابلہ کرنے کو اور آپس میں لڑانے کو لغو و بیہودہ جانتے ہیں۔ ایک اور فرقہ محققین خداشناس یہ فرماتا ہے کہ نیچر خدا کا کام و فعل ہے اور مذہب خدا کا کلام و قول ہے بس پروردگار کے کردار اور گفتار میں مطابقت ہونی چاہئے نیچر کا ترجمان سائنس ہے مذہب کی ترجمان کتب الہامیہ ہیں۔ ان دونو مذہب و فطرت میں مطابقت و موافقت ہونی لازمی ہونی چاہیئے۔ یہ خدا کی شان سے بعید ہے کہ اس کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو ۔ وہ سائنس کی اور مذہب کی یہ حدود مقرر کرتے ہیں کہ سائنس عالم مادی کا ہادی اور فرمانروا ہے۔ جب تک وہ عالم موجودات سے باہر اپنا قدم نہ رکھے اسپر مذہب کا کوئی وار کرنا سزاوار نہیں۔ ہاں اگر وہ اپنی حد سے باہر عالم روحانی میں آگئے تو اسکی طرف سے جنگ کا اشتہار سمجھنا چاہیئے اور پھر اسکی سرزنی کے لئے کارزار پر مذہب کو مستعد ہونا چاہیئے۔ مذہب عالم روحانی کا شہنشاہ ہے جبتک وہ اس اپنی مملکت میں سلطنت کرے۔ سائنس کو کوئی حق نہیں ہے کہ اسکی مزاحمت میں پیشقدمی کرے مگر ہاں جب وہ عالم شہادت و ناسوت میں دخل دے تو سائنس کو اسپر تلوار کھینچکر شہید کرنا چاہیئے۔ غرض وہ ان دونو کے مسائل کو انکی حدود میں اپنے اپنے طور پر یقینی سچا اور قطعی صحیح جانتے ہیں اور انکو متحد کرکے ایک کو دوسری کا حامی و مددگار بناتے ہیں تاکہ خدا تعالیٰ کے کردار اور گفتار میں مطابقت ہو وہ اس بات کو ناممکن سمجھتے ہیں کہ ایک بات خدا کی گفتار میں سچ اور کردار میں جھوٹ۔ مگر ایک فرقہ علما ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایک ہی بات سائنس کے اعتبار سے صحیح اور

لڑتا ہوا اور فتح پاتا ہے۔ لٹریچر کے حملے ایسے نہیں ہوتے جیسے کہ سائنٹفکات اسلئے کہ لٹریچر ہمیشہ فی نفسہ مقامی ہوتا ہے اور سائنس کل عالم سب مقاموں کا خیر خواہ۔

(۷) سائنس اور عیسائی مذہب کا مقابلہ ایک اور طور سے اسطرح کیا جاتا ہے کہ عیسائی مذہب ہزار سال میں بھی آدمیوں کی تعداد کو دو چند نہ کرسکا۔ سائنس اب پچیس سال میں یا اس سے بھی کم برسوں میں آدمیوں کی تعداد کو دوچند کرتا ہے۔ مذہب انسان کی عمر میں اتنا بھی اضافہ نہ کرسکا جو محسوس ہوتا۔ اب سائنس کے کام کو دیکھیئے کہ کیا اس نے کیا ہے۔ ڈاکٹر جاروس اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ جنیوا میں سنہ ۱۸۱۴ و سنہ ۱۸۳۳ کے درمیان انسان کی درازی عمر کا اوسط ۲۱.۲۱ برس تھا اور اب ۴۰.۶۷ ہے جتنے آدمی اب ستر برس کی عمر کے جیتے ہیں پہلے اتنے آدمی چالیس برس کی عمر کے زندہ رہتے تھے برٹش گورنمنٹ نے اوسط عمر پر حساب پھیلا کر سنہ ۱۶۹۳ میں قرض دینے والوں کو سالانہ وظیفوں کے وثیقے دینے کے اقرار پر روپیہ قرض دیا تھا تو بہت نفع اسکو اس سبب سے ہوا کہ ۲۸ برس کی اندر دس ہزار مرد اور دس ہزار عورت مر گئے اور ایک صدی بعد جو اس طرح قرض دیا گیا تو اس میں اسی عمر میں پانچ ہزار سات سو بہتر مرد۔ اور چھ ہزار چار سو سولہ عورتیں مریں۔ اس کمی وفات سے برٹش گورنمنٹ کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا غرض مذہب و سائنس میں روحانی و خیالی باتوں کا مقابلہ عملی و اصلی باتوں سے ہوتا ہے اگلے اور پچھلے زمانہ کے مقولات اپنے نتائج کو دکھاتے ہیں پہلے زمانہ میں جہالت کو عبادت کی ماں کہتے تھے اور زمانہ حال میں علم کو قوت کہتے ہیں۔

(۸) ڈاکٹر ڈریپر صاحب نے انگریزی زبان میں ایک کتاب سائنس اور مذہب کی باب میں تصنیف کی ہے جسمیں سے میں نے کہیں کہیں سے مضامین انتخاب کرکے اس کتاب میں لکھے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے قائل ہیں انکی رائے ہے جیسی کہ سائنس سے سچی خداشناسی اور نیچر کی کتاب کے مطالعہ سے علم الٰہی صحیح صحیح حاصل ہوسکتا ہے ایسا کتب الہامیہ کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہوسکتا ہے میں نے جو مضامین انکی کتاب سے اوپر لکھے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حال کی شائستگی و تہذیب نے سائنس کے توسل سے جو انسان کو فائدے پہنچائے ہیں وہ صدہا سالوں میں مذہب مسیحی نے نہیں پہنچائے۔

غرض وہ سائنس کو مذہب پر ہر طرح سے ترجیح دیتے ہیں اور سائنس کو مذہب پر ایسا ہی مقدم رکھنا چاہتے ہیں جیسے کہ سائنس کا سین مذہب کی میم پر مقدم ہے

ایسا ہی یہ یقین واثق ہوتا ہے کہ اللہ میاں ہمیشہ قوانین فطرت کے موافق اپنے سارے کام کیا کرتا ہے اُسکی شان سے بعید ہے کہ وہ ان قوانین فطرت کے خلاف کام کرے اسلئے اُن کے نزدیک فوق الفطرت یعنی خلاف قوانین فطرت معدوم ہے اسکا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک بڑا فرانسیسی محقق عالم کہتا ہے کہ خدا کی خود ذات فوق الفطرت ہے۔ خدا پر یقین کرنا اور فوق الفطرت کو نہ یقین کرنا آپس میں متضاد و تناقض ہیں مگر یہ تو صرف اسکا حسن بیان ہے کوئی فوق الفطرت کی تعریف نہیں نہ یہ امر نفس الامری ہے۔ کیونکہ دنیا میں ایسے تناقض کے ماننے والے موجود ہیں کہ خدا پر یقین رکھتے ہیں اور .. فوق الفطرت پر یقین نہیں کرتے یہ ایسا امر واقعی ہے کہ اُسکے ماننے میں کسیکو کلام نہیں۔ (سر سید کو یاد کرلو) اگر ہم فلسفہ و مذہب دونو کی تحریروں میں فوق الانسان (قوت انسانی سے باہر) فوق الفطرت کا ہم معنی ٹھہراکر استعمال کریں تو پھر فوق الفطرت کے تسلیم کرنے میں کچھ دقت باقی نہیں رہتی اسلئے کہ فطرت (نیچر) کی ساری قوتیں اور کام .. فوق الانسان یعنی قدرت بشری سے باہر ہوتے ہیں) فوق الانسان نہ سبب و رسائنس کی توجیہ و توانائی کا مقابلہ کرسکتا ہے اور اسکی تاثیرات کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ معنی اور وہ معنی جو عقیدہ اور ایمان کی اصل فوق الفطرت کو ٹھہراتے ہیں ایسے نہیں ہوسکتے کہ وہ بہت سے دانشوروں کے دلوں کو فوق الفطرت کو تسلیم نہ کرانے دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسے معنے ہیں جو فوق الفطرت کے تسلیم کرانے میں دشواری ڈالتے ہیں؟ اور وہ کونسا خیال ہے کہ جسنے اُس سے مقابلہ کرکے اپنے مقام سے اسکو نکال دیا ہے؟ یہ فطرتی قوانین ہیں جنہوں نے فوق الفطرت کو نکال دیا ہے۔ قانون فطرت فوق الفطرت کو ماننے نہیں دیتا قانون فطرت .... موجودات عالم پر ایسا مسلط ہو رہا ہے کہ وہ انکی ترتیب و نظم میں کبھی خلل نہیں آنے دیتا اور ذرہ کی برابر بھی تغیر و تبدل نہیں ہونے دیتا۔ اس زمانہ میں اس قانون فطرت کی فرمانروائی کا خیال اس سبب سے زیادہ زبردست ہوگیا ہے علوم طبیعیات کی ترقی عظیم ہو رہی ہے جو اس زمانۂ حال کا بڑا کارنمایاں سمجھا جاتا ہے۔ ہر دو نو سائنٹیفک تحریروں کے طوماروں اور اخباروں کے انبار لگتے ہیں جنمیں قانون فطرت کا بیان ہوتا ہے۔ مگر کمتر اور شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ اس قانون کے معنی صحیح صحیح اور اسکی تحدید سچی سچی ایسی ہو کہ وہ کل مظاہرات عالم پر حاوی ہو اکثر وبیشتر

مذہب کے لحاظ سے غلط ہوسکتی ہی۔ یہ بحثیں بڑی عالمانہ طول طویل ہیں انکی اس مختصر میں گنجایش نہیں اس لئے بطور نمونہ کے چند مضامین لکھتا ہوں۔ اول سائنس اور مذہب کی منازعت کا مسئلہ معرکہ آرا معجزات کا ہی۔ اسکو میں اول لکھتا ہوں

(۹) معجزات ہم کیوں مانیں اور کیونکر مانیں

یورپ میں آج کل معجزات کے باب میں عالی خیال جو بلند خیالات کر رہے ہیں انکے موافق یہ مضمون لکھا گیا ہے اسمیں بہت سی اصطلاحات حکمیہ۔ فلسفیہ۔ مذہبیہ آگئی ہیں جنکے معانی حتی الامکان صحیح صحیح بیان کر دئیے ہیں۔ جب تک یہ معانی پڑھنے والوں کے ذہن نشین نہیں ہونگے یہ مضمون اچھی طرح انکی سمجھ میں نہیں آئیگا اور بے لطف معلوم ہوگا۔ بڑے اور ضروری سوالات یہ ہیں کہ ما فوق الفطرت کیا شے ہے؟ اس سے ہمارا مطلب و مقصد کیا ہوتا ہے؟ اسکی تعریف ہم کیا کیا کرتے ہیں؟ اسی زمانے میں کہ علوم و فنون کا دریا جوش و خروش میں آرہا ہے ما فوق الفطرت کا اقرار کرنا نہایت مشکل ہی اور اس اقرار سے زیادہ اسکا انکار کرنا دشوار ہے۔ دونوں طرح مشکلات لاینحل ہیں نہ چھوڑے ہی بنے۔ نہ پکڑے ہی بنے۔ ما فوق الفطرت کا انکار کرنا مذہب سے لعنت بھیجنا ہے اور اسپر حملہ کرکے اسکی اصل کو منہدم کرنا ہے۔ اسکا اقرار کرنا مذہب کا اصل اصول ہی۔ یہ مذہب خواہ کوئی سا ہو اور کیسا ہی ہو۔ فوق العادت کے باب میں سوالات بہت ہی کم صاف صاف پیش ہوتے ہیں اور انکے جواب اور بھی زیادہ کم صاف صاف دیے جاتے ہیں یہی بڑی فاش غلطی فلسفے کے ہر سوال کے اندر ہے کہ وہ نہ صاف بیان کیا جائے اور نہ اسکا جواب صفائی سے دیا جائے اسی سبب سے انسان کو نصف دشواریاں اور دقتیں پیش آتی ہیں کہ باریک خیالات زبان کے تاریک الفاظ میں مخفی ہوتے ہیں۔ ما فوق الفطرت کے اکثر معانی مختلفہ لئے جاتے ہیں اور معانی متضاد میں وہ مستعمل ہوتا ہے۔ مگر اسکے باب میں جو خیالات ہیں وہ علیحدہ علیحدہ ہوسکتے ہیں اور ان میں تمیز ہوسکتی ہی۔ بعض وہ آدمی ہیں کہ فوق الفطرت پر یقین اس سبب سے نہیں کرتے ہیں کہ وہ خدا پر بالکل یقین نہیں رکھتے ہیں وہ ملحد ہوتے ہیں اور خدا کے وجود سے منکر۔ مگر بعض آدمی وہ بھی موجود ہیں کہ ملحد نہیں ہوتے ہیں مگر وہ فوق الفطرت کے یقین کرنے کو سخت دشوار جانتے ہیں۔ انکو خدا تعالیٰ کی ذات واحد پر کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یقین کامل ہوتا ہے مگر انکو

کہ وہ فطرت کے قانون اور عادت کے موافق واقع ہوئی ہوگی مگر اس نتیجے کے حق جاننے کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہم نیچر (فطرت) کے ایسے معنی وسیع لیں کہ اسمیں وہ ساری چیزیں داخل ہوں جو ارض و سما و بحر و ہوا و نفس ناطقۂ انسانی میں موجود ہیں اور اسباب عالم کے بنانے میں جتنے کام ہوتے ہیں وہ سب اسمیں داخل ہوں ان کاموں میں سب سے زیادہ کا عظیم ہمارا نفس ناطقہ اور ارادہ کرنا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ جب ہم قوانین فطرت کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے نفس ناطقہ و ارادہ کو فراموش خاطر کرتے ہیں اور عالم ظاہری میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ عالم باطن کی خبر نہیں رکھتے۔

ایک بڑے عالم متبحر اور علوم طبیعہ کے ماہر کا ذکر ہے کہ وہ مظاہر حرارت پر لکچر دینے کھڑا ہوا اور زوروں کے باہمی لازم و ملزوم ہونے کے مظاہر بیان کرنے لگا تو اس نے کہا کہ ایک قسم کا زور دوسرے قسم کے زور میں یوں تحویل ہو سکتا ہے اور ایک زور سے دوسرا زور پیدا ہوتا ہے اور کوئی زور جب تک نہیں پیدا ہو سکتا کہ پہلے سے کوئی زور موجود نہ ہو۔ یہ بیان کرتے کرتے اس نے یہ کہدیا کہ نیچر میں از خود کسی چیز کا پیدا ہونا معدوم ہے مگر اس وقت یہ لکچرار اس بات کو بھول گیا کہ یہ از خود پیدا ہونا اسمیں خود موجود تھا۔ الفاظ کا انتخاب۔ مصالح کا بہم پہنچانا۔ تجربوں کا ترتیب دینا جس سے مقصود و مطلوب حاصل ہو۔ غالباً لکچرار کو ان چیزوں کے از خود پیدا ہونے سے انکار اس سبب سے ہوا ہوگا کہ وہ اسکی نظر گاہ میں پیش نظر نہ تھے اسکا نفس ناطقہ اور ارادہ قوانین نیچر سے معاملہ کرنے میں مصروف تھے مگر لکچرار کو یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں خود قوانین فطرت کے اجزا ہیں اور معناً اسکے تابع ہیں۔

انسان نیچر سے تعلق رکھتا ہے وہ اس سے نہ مافوق ہے نہ جدا ہے نہ اسکا توڑنے والا اگر وہ خود مافوق الفطرت ہوتا تو اسکو اپنی ذات کے یقین کرنے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے نفس ناطقہ کے عرفان کی روشنی میں امور حقہ دیکھتا ہے۔ غرض قوانین فطرت میں انسان کی جسمانی اور روحانی ساری قابلیتیں اور استعدادیں داخل ہونی چاہئیں ان کے نہ داخل کرنیکا دھوکا اس سبب سے پڑتا ہے کہ اصطلاحات کی تعریف ٹھیک نہیں کی جاتی۔ نیچر کے تعلق کا احاطہ ایسا تنگ کیا جاتا ہے کہ صرف مادے سے نیچر متعلق ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسمیں خواص مادی کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں۔ اس طرح سے عالم عقلی یا روحانی جسمیں ہم رہتے ہیں حرکت کرتے ہیں جیتے ہیں نیچر سے خارج ہو جاتا ہے

اور پوچ و مہمل زبان میں بیان ہوتے ہیں۔ جس سے وہ خیالات جنمیں تمیز ہو خلط ملط ہو جاتے ہیں اور غلط مفہومات ذہن میں جاگزین ہو جاتے ہیں۔ تو جیہہ قانون کے لئے فقط ظاہری اور خارجی عالم کے واقعات کی تقسیم و تفریق و توزیع یا ترتیب کو کافی سمجھتے ہیں اور اس سے آگے زیادہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں جانتے۔ گو بنی نوع انسان پر یہ خدا تعالیٰ کا بڑا کرم و فضل ہوا ہے کہ اس نے اپنے علم کا محیط بڑا فراخ و وسیع کر لیا ہے انسان نے اپنی عقل و حواس کے دروازے کھول کر نیچر (فطرت) کی روشنی اس افراط سے اپنے ذہن کے اندر پہنچائی ہے کہ بے اعتقادی کی شب اور عقلی تاریکی اس پر ایسی چھا گئی ہے کہ اسرار ربانی پر تحقیق انسانی کو ترجیح دی ہے —

اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ کہاں اور کیونکر مشکل آ پڑتی ہے؟ موجودات عالم میں جہاں تک ہم دیکھتے ہیں وہاں تک قانون فطرت کی فرمانروائی اور عالمگیری نظر آتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بسا ہوا ہے کہ قانون فطرت سے فوق الفطرت مخالفت اور ضد رکھتا ہے۔ یا اُس سے فوقیت رکھتا ہے۔ یا اُسکا ناسخ اور توڑنے والا ہے خواہ کیسا ہی کوئی عجیب و غریب واقعہ قانون فطرت کے موافق وقوع میں آئے کوئی اُسکو ما فوق الفطرت نہیں خیال کریگا گو یہ اُنکو نہ معلوم ہو کہ وہ کس قانون کے موافق واقع ہوا۔ یہ لاعلمی اس واقعہ میں ما فوق الفطرت کی ذاتی صفت نہیں پیدا کریگی۔ لوگ اُسکو حقیقتاً یہی یقین کرینگے کہ وہ کسی قانون کے موافق واقع ہوا ہی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قانون فطرت کی فرمانروائی اور عالمگیری کا قائل ہوگا اور اُسکو یقین ہوگا کہ کوئی واقعہ بغیر اس قانون کے واقع نہیں ہو سکتا وہ ما فوق الفطرت کو ہرگز نہیں مانیگا۔ جب وہ کسی نئے واقعے کو تعجب خیز اور حیرت انگیز دیکھیگا اور اپنے فہم و فراست کی قدرت سے اسکا سمجھنا باہر جانے گا تو اس سے وہ یہ نتیجہ نکالیگا کہ یہ شئی کسی قانون فطرت کے مطابق واقع ہوئی ہی گو اُس سے میں لاعلم ہوں۔ اس نتیجے کے صحیح ہونے سے کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا اسلئے کہ کثرت سے جدید عجیب و غریب مظاہر کا ظہور اسی طرح ہوتا ہے یہ نتیجہ عقل انسانی کی نخوت سے نہیں پیدا ہوا بلکہ عجز و انکسار سے مظاہر عالم ہمارے گرد ظاہر ہیں اور ہمارے اندر باطن میں موجود ہیں جن قوانین فطرت کے موافق وہ ظہور پاتے ہیں اُن کے اردگرد ہمارے جہان کا دائرہ ایسا بڑا فراخ ہے کہ ہم بہت سے قوانین فطرت سے لاعلم ہیں اس سے زیادہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے کہ جب ہم کوئی عجیب و غریب چیز دیکھیں تو جان لیں

اور اقتدار حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اس ذریعے و توسل سے ہزاروں چیزیں ہم ایسی بتانے لگے ہیں کہ جنہیں سو ہر ایک چند صدیوں پہلے مافوق الفطرت (معجزہ) سمجھی جاتی تھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن چیزوں میں مافوق الفطرت کی صفت کا سمجھنا اونکا غلط تھا اسلئے کہ یہ چیزیں پہلے مافوق الانسان (انسان کی قدرت سو باہر) سمجھی جاتی تھیں مگر اب وہ ایسی نہیں ہیں مثلاً اب قوانین نیچر کا ماہر دہکتی ہوئی آگ پر برف جما دیتا ہے جو ظاہرا فطرت کی عادت سکو خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس منظر کو پہلے لوگ مافوق الفطرت (معجزہ) جانتے تھے اب اسکو قانون فطرت کے موافق جانتے ہیں جیسی اس صدی میں قوانین فطرت کے علم کی جلد جلد ترقی ہوئی ہے اگر چار سو برس تک اسکا یہ دور دوراں رہے تو بہت سی چیزیں جو مافوق الفطرت (معجزات) معلوم ہوتی ہیں وہ فطرت کے موافق معلوم ہونے لگینگی اور کوئی واقعہ اور کوئی منظر نہیں رہیگا۔ جسکو ہم تعجب کرکے معجزہ مانیں ۔ یہ مضمون مفصل تاریخ فرہنگ فرنگ

(۱۰) بعض محققین نے علم کی چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر علوم فلسفہ کے دنیا کی خواہ وہ نئی ہو یا پرانی سیر کی۔ اور پھر اس کشتی سے اُتر کر علوم دینیہ کے جہاز میں سوار ہوئے جس میں الہام الٰہی کی مقناطیسی سوئیاں رہنمائی کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ اس رہنمائی میں انہوں نے ان ستاروں کی روشنی سے جو اور علوم میں اُنکو پہنچتی تھی کام نہیں لیا۔ اس سیاحی میں اُنکو معلوم ہوا کہ مذہب کی سرزمین کا کوئی قطعہ غیر مزروعہ غیر آباد نہیں ہے انسان نے اسکی زراعت کی طرف توجہ تام کی ہے خواہ اسمیں گیہوں بوئے ہوں یا ایسے درخت جو اناج کے لئے مضر ہوں۔

ان عالموں کی رائے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کل انسانوں کے ارادوں اور عقلوں کا مختار و مالک ہے اس مالک حقیقی کو اپنے تئیں حوالہ کرنا چاہئے اور اسکی طاعت و اطاعت میں سرتاپا کمربستہ ہونا چاہئے جیسے کہ انسان کو سواء اسکے چارہ نہیں ہو کہ حکم الٰہی کی اطاعت کرے خواہ وہ اسکی مرضی کے کیسا ہی خلاف ہو۔ ایسے ہی کلام الٰہی کی اطاعت ناگزیر ہے خواہ وہ کیسی ہی ہماری عقل کے خلاف ہو۔ جب خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ سرہ سے تیرے بیٹا پیدا ہوگا تو سرہ جو بہت بوڑھی تھی اس کہنے پر ہنسی مگر حضرت ابراہیم ؑ نے باوجودیکہ یہ امر بالکل خلاف عقل تھا کہ ایک بوڑھی عورت بچہ جنے تسلیم کرکے اپنی صداقت ایمان کو ثابت کیا۔ پس جس قدر کوئی سر الٰہی زیادہ فوق العقل و ناقابل اعتبار ہوا اسی قدر اسکی اوپر ایمان لانے سے خدا کی عظمت و جلال کے ماننے کا اظہار ہوتا ہے۔ ایمان کو فتح و ظفر

مگر انسان کی ذات سے جتنی چیزیں تعلق رکھتی ہیں وہ نیچر سے متعلق ہیں جہاں مافوق کے سمجھنے میں وقت پیش آئے تو اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ فطری اشیا کیا کیا ہیں —

یہ بات کبھی بھولنی نہیں چاہیے کہ موجودات کائنات میں انسان کا عمل اور سب عملوں سے زیادہ فطرت کے موافق ہے - ہم اپنے ہی عمل سے زیادہ واقف ہیں اور درحقیقت یہی عمل ہے جسکو ہر اندازے کے اندر سمجھہ سکتے ہیں - یہ سب جانتے ہیں کہ انسان کی حکمت اور ذہانت جب کسی عجیب و غریب کام کی مرجع ہوتی ہے تو وہ کام مافوق الفطرت کے درجے سے خارج ہو جاتا ہے. فطری و فطرت کے موافق کے معنی وسیع لینے چاہئیں جسمیں انسان کے عقلی اور روحانی مظہرات داخل ہوں - اور آدمی اور اوسکے سارے کام فطری سمجھے جائیں اور اسی سے مافوق الفطرت کی تمیز کیجائے -

پہلے اس سے کہ مافوق الفطرت کے معنی سے آگاہ ہوں یہ سوال اور جواب بھی سُن لو -

سوال قوانین مادی سے انسان کا تعلق کیا ہے؟

جواب - ان قوانین کی نسبت قوت انسانی اتنی وسعت رکھتی ہے کہ انسان اول اُن قوانین کا استکشاف کرتا ہے اُن کی تحقیق کرتا ہے - پھر اُن کو اپنے کام میں لاتا ہے انسان کا یہ مقدور نہیں ہے کہ وہ کسی قانون کو قائم کرسکے یا کسی قانون کو معطل اور معزول کرسکے اسکے کام کرنے کی فقط اتنی بساط ہے کہ وہ قوانین فطرت کے باہمی عمل اور رد عمل کی ہدایت ایک حدِ معین تک کرسکے - یہ قوانین انسان کے کام کرنے کے ایسے اوزار اور آلات ہیں کہ جنکو وہ اپنے ارادے سے استعمال میں لاسکتا ہے - انسان جو کچھہ کرتا ہے اور کرسکتا ہے وہ نہیں وہ ان قوانین کو کام میں لاتا ہے انسان کا علم تھوڑا ہے اسکی قوت تھوڑی ہے اس لیے اسکی قابلیت محدود ہے - قوانین فطرت کا جتنا علم اُسکا زیادہ ہوتا جاتا ہے وہ اسکو اپنے کام میں لاتا جاتا ہے اور اپنے مقاصد کا منتظم اور سربراہ کار اُنکو بناتا جاتا ہے - یہ کچھہ ضرور نہیں کہ فطرت پر انسان کی قدرت علم کی ہمقدم و ہمعنان ہوتی جائے -

علم ہیئت میں ہمکو مادی قوانین فطرت بہت سے معلوم ہیں جن کو ہم اپنے کسی کام میں نہیں لاسکتے چنانچہ ایسے قوانین ہیں کہ ہم عملاً اُنکو برتتے ہیں مگر یہ علم ہمارے اپنی ذات کے علم پر ہماری قوتوں پر ہمارے اُن تعلقات پر جو ہمارے نفس ناطقہ اور عالم کے قوانین اور آئینوں کے درمیان ہیں اُنہا پر تو اور عکس ڈالتا ہے - مادی قوانین فطرت کے علم سے ہمکو عالم مادی پر زیادہ خشیت

جھوٹے اور سچے اصلی و فرضی ہونے میں کسی طرح تمیز نہیں ہو سکتی۔ اگر مذہب سے عقل جدا کر لی جائے تو پھر احکام الہٰی کے صحیح مفہوم کو انسان نہیں سمجھ سکیگا۔

مذہب میں عقل دو طرح سے اپنا کام کرتی ہے۔ اول اسرار الہٰی کی توجیہہ کرنے میں۔ دوئم ان اسرار سے نتائج نکالنے میں۔

اول توجیہہ کی صورت میں تو خدا تعالیٰ جس نے ہمارے عقل و فہم کو ضعیف بنایا ہے اُس کے موافق وہ خود اپنے اسرار کی توجیہ ایسی کر دیتا ہے کہ ہم اسکو اپنی سمجھ سے اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں جتنی ہماری عقل و فہم کو خدا بڑھاتا جاتا ہے اتنے ہی ہم اسرار کی عقدہ کشائی ایسی کرتے جاتے ہیں جیسے کہ کنجی قفل کی اس باب میں ہم خود اپنی ذات کے محتاج نہیں بلکہ خدا تعالیٰ خود اپنی روشنی دکھانے کے لئے ہماری عقل کو کام میں لاتا ہے۔ پس ہم کو چاہئے کہ اپنی عقل کو ہر طریق سے کام میں لائیں تا کہ اسرار الہٰی ہماری سمجھ میں آئیں مگر اسکے ساتھ شرط یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی قابلیتوں کو وسیع کریں جسمیں ان اسرار کی گنجایش ہو نہ یہ کہ اُن اسرار کو تنگ کریں تا کہ وہ ہماری تنگ عقل میں آئیں۔

دوسری صورت جو نتائج نکالنے کی ہم نے اوپر لکھی ہے اسمیں ہم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری عقل اس میں مطلق العنان نہیں ہے۔ جب مذہب کے اصول و عقائد تسلیم ہو چکے اور ہمارے خاطر نشیں ہو گئے تو پھر عقل پابند ہو گئی کہ وہ اُن اصول مسلمہ کے موافق نتیجے پیدا کرے جیسے کہ شطرنج میں جب مہروں کے چلنے کے قوانین و قواعد مسلم ہو جائیں تو اونکے موافق کھیلنے والے کو چالوں کا چلنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اب ان چالوں کا سلیقہ سے چلنا کھیلنے والے کی عقل پر موقوف ہے پس ان نتائج نکالنے میں بھی عقل کا فقط اتنا کام ہے کہ وہ دیکھ لے کہ وہ مذہب کے اصول مسلمہ کے موافق ہیں یا نہیں +

ان دونوں صورتوں میں عقل انسانی اپنی حد سے پرے قدم رکھتی ہے۔ اسرار الہٰی کی راز جوئی میں مبالغہ کرتی ہے اور اصول مذہب اور ان کے نتائج دونو کو مساوی حکم رال بناتی ہے مجتہدوں کے اجتہاد کے احکام کو الہام کی طرح واجب التعمیل بناتی ہے ۔

(۱۱) عیسائی مذہب کے یہ مباحث بڑے طول و طویل ہیں میں انکو چھوڑتا ہوں اور اسلام کی طرف کچھ تھوڑا متوجہ ہوتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی عادت میں داخل ہے کہ وہ صدہا سال میں بے شمار بندوں میں دو چار اپنے خاص بندے ایسے بھی پیدا کر دیا کرتا ہے کہ انکا

حاصل ہوتی ہو۔ گناہ گار اپنی کوشش میں گناہوں کے سبب سے جتنا ضیق ہوتا ہے اُتنی ہی وہ خدا کی عظمت و رحمت کو مانتا ہو۔ گناہوں کی معافی سے بالکل مایوسی خدا پر ایک طرح کی طعن ہے ۔

مقدس علم الٰہی خدا کے کلام سے حاصل کرنا چاہئے۔ نہ نیچر کی روشنی سے نہ احکام عقلی سے یہ لکھا ہوا ہو کہ آسمان خدا تعالیٰ کا جلال نمایاں کرتا ہے لیکن یہ کہیں تحریر نہیں کہ وہ مرضی الٰہی کو قانون کی طرح بتاتا ہے کہ انسان اسکی تعمیل کرے۔ یہ بات صرف اسرار الوہیت۔ و مخلوق و نجات سے ہی متعلق نہیں ہو بلکہ اس قانون اخلاق کی صحیح ترجمان ہو کہ تم اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں انکا بھلا کرو۔ اور جو تمہیں دُکھ دیں اور ستاویں اُنکے لئے دُعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند بنو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر چمکاتا ہے اور نیک و بد پر مینہ برساتا ہے۔ (متی باب ۵۔ آیت ۴۵ و ۴۶)۔ یہ کلام کسی طرح سے انسان کا نہیں ہو سکتا وہ خدا ہی کا ہے۔ یہ نیچر کی روشنی سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ اسلئے ہم کو نیچر سے پرے جانا چاہئے۔ اسمیں کچھ شبہہ نہیں کرنا چاہئے کہ نیچر کی روشنی سے ہم کو اس حُسن خلق کے قانون کا بڑا حصہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ گو قانون فطرت ایک ضعیف سا خیال ہمارے دلوں میں نیکی و بدی و خطا و صواب و عدل و ظلم کا پیدا کرتا ہے۔

اب تمکو اسپر غور کرنی چاہئے کہ نیچر کی روشنی اپنے دو جلوے دکھاتی ہے۔ ایک حواس و استقرار و استدلال عقلی و براہین میں بموجب قوانین ارض و سما دویم وہ اپنا جلوہ نفس ناطقہ میں شعور فطری کے سبب سے بموجب قوانین کونشنس (وجدان قلبی) کو چمکاتی ہے۔ اس جلوۂ اوّل سے اکثر روح کو کچھ روشنی پہنچتی ہے جس سے قانون خلق کا کمال کچھ اسکو نظر آتا ہے گو یہ روشنی دھندلی ہے مگر اتنی ضرور ہے کہ وہ بدی کو بُرا بتا دیتی ہے گو فرائض پر پوری آگاہی نہیں دیتی۔ پس یہ الہام الٰہی کا کام ہے کہ انسان کو وہ اخلاق اور اسرار الٰہی سے شناسا کرتا ہے مذہب کے باب میں گو آرائے مختلف ہوں اور وہ وسعت عظیم رکھتی ہوں۔ مگر اس پر سب اہل الرای کا اتفاق ہے کہ انسان میں کلام الٰہی کی سمجھنے کی قابلیت ویسی ہے جو علم الٰہی ہم تک پہنچتا ہو سکے سمجھنے کے لئے اور اُسپر عمل کرنے کے لئے انسان کو عقل دیگئی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ احکام الٰہی میں عقل کو دخل نہ دینا چاہئے۔ یہ کہنا اسکا باطل ہے کیونکہ جب کسی کام میں عقل معطل ہو تو اس کے

تہ پر کیچڑ اور الم غلم جمتی چلی جاتی ہے اور اگر وہ صاف نہ ہوتی ہے تو آخر کو وہ اس قدر جمع ہو جاتی
ہے کہ کشتی کو سست رفتار بنا دیتی ہے اور ڈبو دیتی ہے۔ ایسے ہی جب مذہب پر زمانہ
گذرتا ہے تو ضرور ہے کہ اسمیں وہ چیزیں شامل ہوتی جائیں جو اصل مذہب میں نہیں ہوتیں۔
غیر مذہب کی بہت سی باتیں اور اپنے ہی مذہب کے مجتہدوں و اماموں و عالموں کی کج رائیوں
سے مذہب ایک عجیب ست نجا بن جاتا ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ مذہب موجودہ کوئی
مناسبت مذہب کی اس صورت سے رکھتا ہے جو اسکے قرن اول میں تھی۔ اسلئے کوئی نہ کوئی
ان غلاظتوں کا پاک صاف کرنے والا پیدا ہو جاتا ہے۔ سو خدا تعالی نے اس مقدس سید کو
پیدا کیا کہ وہ اسلام کے دامن سے اس لوث کو دور کر کے اسلام کو خالص بنا دے۔
اس نے مذہب اسلام کو توہمات باطلہ سے پاک کرنے کا قصد کیا۔ گو بمقتضائے انسانیت اس
کام میں خطائیں و غلطیاں کی ہوں مگر اسکی نیک نیتی میں شبہ نہیں۔ اسکی ساری تصنیفات کا
ماحصل یہ ہے کہ خالص مذہب اسلام کیا ہے اور جو برائیاں نظر آتی ہیں وہ مسلمانوں کی ہیں
اسلام کی نہیں اسکے سوا اس نے یہ بڑا کام کیا ہے کہ مہذب قومیں جو اسلام پر یہ اعتراضات
کرتی ہیں کہ اسلام کی شان سے ہی نہیں کہ وہ انسان کو مہذب بنا دے۔ ان اعتراضات
کو رد کر کے اپنی تصنیفات میں اس امر کو دکھا دیا کہ اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہیں ہے
جو انسان کو مہذب بنائے۔ غرض مسلمانوں کی حالت میں ایسی تبدیل کرنے کی کوشش کی
جس سے اسلام کے تہذیب کی روشنی چمکنے لگے ایسے کارہائے عظیم کے لئے اعوان و انصار کی
کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ سو خدا تعالی نے اونکے اعوان و انصار نواب محسن الملک مولوی مہدی
اور نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علیخاں پیدا کر دیئے جو علم و فضل میں بے مثل تھے۔ انہوں نے سید
صاحب کے خیالات کی تائید میں اپنے زور قلم سے وہ مضامین تحریر کئے جو علماء یورپ کی
تحریرات سے رتبے میں کم نہیں اور اس قدر ہیں کہ اگر آئندہ کوئی اس قسم کا مصنف اسلام میں
خدانخواستہ پیدا ہو تو وہ ان دو باتوں کے لئے خود کافی ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب پر تعلیم
و تربیت انگریزی کوئی آفت نہ لاسکے اور برا اثر نہ کر سکے اور طلبہ کو اپنے سچے مذہب پر
قائم رکھے۔ دوم وہ اعتراضات جو اسلام کے اوپر یہ کئے جاتے ہیں کہ کسی طرح وہ انسان
کو مہذب نہیں بنا سکتا انکے لغو و مہمل ہونے کا یقین طلبہ کے دل میں پیدا ہو جائے اور وہ یہ سمجھنے
لگیں کہ دنیا میں کوئی مذہب اسلام سے زیادہ انسان کا مہذب بنانے والا نہیں ہے۔ ایسی

فطری دماغ صحیح اور خلقی ذہن سلیم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خاص کام ایسے کرتے ہیں جو صدہا سال میں
لاکھوں آدمیوں سے کوئی نہیں کر سکتا۔ انکے طبعزاد و خودرو خیالات سے دنیا کو بہت فائدے
پہنچتے ہیں چنانچہ اسی صدی میں خداتعالیٰ نے اپنی عنایت سے مسلمانوں میں اسی طرح کا ایک
خاص بندہ سید احمد خاں کو پیدا کیا جنکی زندگی کے سارے کارنامے تو مولوی حالی نے
انکے لائف میں لکھے ہیں۔ مگر میں صرف وہ کام انکے بیان کرتا ہوں جو میری کتاب کے مضمون
رزم و بزم مذہب و سائنس سے متعلق ہیں۔ سرسید نیک نہاد قوم کے ترقی و تنزل کے اسباب
کو خوب سمجھتا تھا۔ اپنی قوم کی محبت اوسکی نہاد میں داخل تھی اصلی محبت کبھی دل سے
زائل نہیں ہوتی وہ تادم مرگ ساتھ رہتی ہے یہ محبت عمر بھر ساتھ رہی۔ اس نے دیکھا کہ میری
قوم کی کم بخت حالت ہے۔ وہ اپنی سلطنت دولت۔ ثروت۔ امارت۔ عزت و علمیت
سب کچھ کھو چکی ہے اور تنزل کے کنوئیں میں گری چلی جاتی ہے۔ اسکے مذہب پہ بہت
قومیں متواتر اعتراض کرتی ہیں کہ اسکی پابندی مسلمانوں کو کبھی مہذب و شائستہ و تربیت و
تعلیم یافتہ نہیں ہونے دیگی۔ اس سید پاک نژاد کے نزدیک اس قومی تنزل کے اور اسباب
بھی تھے۔ مگر سب میں قوی سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کی تربیت و تعلیم بمقتضاء زمانہ بالفعل
نہیں ہوتی اور مذہب اسلام پر جو اعتراضات ہوتے ہیں وہ اسکے اعراض پر ہوتے
ہیں نہ اسکی ذات پر۔ غرض مسلمانوں کی تربیت و تعلیم دینی و دنیوی کے لئے ایک کالج
کی بنا ایک ایسے اصل پر جسکی نظیر ہندوستان میں نہیں قائم کرنی تجویز کی اور اسکو قائم کیا
گو اسکی زندگی میں اسکے خاطر خواہ یہ کالج تکمیل کو نہیں پہنچا۔ مگر عرصہ قلیل میں جسقدر اس
کالج کو انکی زندگی میں کامیابی ہوئی وہ بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اس روشن ضمیر عالی دماغ کو
کماحقہ یہ علم تھا کہ یورپ کے زمانہ حال کی تعلیم و تربیت کا اثر مذہب پر کیا ہوتا ہے۔ اور
ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہب پر اس تعلیم و تربیت انگریزی و عقلی کا اثر کیا ہوگا۔
اسکے نزدیک اسلام کی صورت جو بالفعل مسلمانوں میں موجود ہے وہ اصلی نہیں ہے بلکہ اس کا
ایک عکس ہے۔ جو مجتہدوں و فقہا کے اجتہاد کے کج بین شیشوں سے منعکس ہو کر بگڑ گیا ہے وہ
ہرگز ہرگز تربیت و تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں موثر نہ ہوگا پس یہ ستم ہے کہ مسلمانوں کو تربیت
و تعلیم انگریزی دی جائے اور انکے لئے ایسا سامان نہ تیار کیا جائے کہ انکو ٹھیٹھ اسلام پر
قائم رکھے۔ مذہب کا حال کشتی کا سا ہوتا ہے جو دریا میں چلتی ہے تو ضرور اس کی

گو ایک جاہل شخص کے لئے درصورت سچ ہونے اُس مذہب کے جسکو وہ مانتا ہی بلحاظ نتیجہ کے مفید ہوں مگر ایسا شخص نہ اپنے مذہب کی اشاعت کرسکتا، نہ دوسروں کو اپنے مذہب کی دعوت دیسکتا، نہ مخالفین کے اعتراضات کو دور کرسکتا ہے۔ ایسا شخص غالباً ناجی ہو مگر ہادی اور حامی دین نہیں بن سکتا۔ اور مذہب اسلام چونکہ تمام دُنیا کے لئے ہے۔ اور ہر قسم اور ہر درجہ اور ہر طبقہ اور ہر خیال کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی ہم مسلمانوں پر فرض ہے اس لئے اسلام کی اشاعت کی خواہش رکھنے والے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مختلف خیالات کے لوگوں کے موافق انکو اسلام کی دعوت دے۔ اور موجودہ زمانہ کی حالت دیکھکر اسلام کی حقیت ثابت کرے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ علیہ و آلہ وسلم کو جب خدا نے ہدایت کے لئے مامور فرمایا تو صرف ایک ہی طریقہ پر اسلام کی طرف بلانے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہر شخص کے خیال اور ہر حالت کے موافق جدے جدے طور سے دعوت کرنے کے طریقے بتائے، اور ایک آیت میں اُسکو بیان کردیا وہ آیت یہ ہے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ہی احسن۔ یعنی اپنے پروردگار کی راہ پر لوگوں کو حکمت سے یا اچھی نصیحت سے بلانا چاہئے اور جو لوگ کہ جھگڑالو ہیں انکو انہیں کے طور پر اچھی طرح سمجھانا چاہئے پس خدا کے اس ارشاد کے موافق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمت اور موعظت اور مجادلہ تینوں طریقوں سے دعوت اسلام کے اصُول قائم کئے۔ اور تینوں قسم کے آدمیوں کی سمجھ کے موافق خدا نے اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنے کلام معجز نظام میں ہر چیز کو اس طور پر بیان کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے خیال و مذاق کے موافق اُس سے مستفید ہو سکے۔ اسی اصول کو حامیان دین اور حامیان ملت نے ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ہر زمانہ کے خیالات کے موافق قرآن کے معنے بیان کئے۔ جس زمانہ میں علم کا چرچا نہ تھا، اور لوگوں کے دل علمی خیالات سے صاف تھے، اُنکو انہیں کے خیال کے موافق ظاہری باتوں کے سمجھانے پر قناعت کی۔ جبکہ وہ زمانہ آیا جس میں حکمت و فلسفہ کا چرچا ہوا یونانی علوم شائع ہوئے اوس وقت حکماء اسلام نے خدا کی تعلیم کے موافق علم و حکمت سے کام لیا۔ اور عالموں اور حکیموں کو علم و حکمت سے سمجھانا شروع کیا اور خدا کے کلام کے دقایق و حقایق اور نکات و اسرار بیان کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا اور مذہب اسلام کو علم و حکمت کے مطابق ہونا ثابت کیا۔ اگر بزرگان دین پہلے ہی طریقہ پر قائم رہتے اور فلسفہ جاننے والوں کو عرب و حجاز سے

اس اُنیسویں صدی کی ترقی کا یہ اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن ہیں کوئی بات تہذیب کی ایسی نہیں جو اسلام میں موجود نہ ہو۔

ان تینوں عالموں کی تحریرات ایسی زبردست و پرزور ہیں کہ مخالف متعصب مسلمانوں کے دلوں پر بھی انکا اثر ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں انکے احسانات کی بابت جو مسلمانوں کے حالات پر ہوئے ہیں وہ متقدمین مقدس علماء و کبار سے کم نہیں بلکہ اس سبب سے زیادہ ہیں کہ کوئی اسلامی سلطنت اُن کی حامی نہیں جو پہلے بزرگان دین کی تھی اُنہوں نے مسلمانوں کی رہنمائی دین دنیا کی بہبودی کی راہ مستقیم پر کی۔ اگر مسلمان اس ڈگر پر چلتے گئے تو دیکھ لیں گے کہ کیا اچھے نتیجے انکے حق میں ہوتے ہیں۔ شاید مسلمانوں کے کچھ دن بھلے آئے ہیں کہ یہ ایسے عالم جامع علوم معقول و منقول ایک ہی زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں کہ انکے مثل صدہا سال میں بھی مشکل ہے کہ پیدا ہوں۔ نواب محسن الملک کے مضامین علم و مذہب کی بابت نقل کرتا ہوں۔

(۱۱) علم و مذہب۔

اکثر مسلمان مذہبی باتوں میں عقل کو دخل دینے یا مذہبی مسائل کو علم و فطرت سے مطابق کرنے میں تعجب کرتے ہیں اور جو لوگ معقول و منقول یا مذہب و فطرت کی تطبیق میں کوشش کرتے ہیں۔ اُنکو مذہب کا حامی سمجھنے کے بدلے مذہب کا دشمن جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کی کوششوں پر حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ کیا خدا و رسول کے فرمانے کے بعد حقیقت اور سچائی کے دریافت کرنے کی کچھ ضرورت باقی رہتی ہے۔ یا خدا اور رسول کے کلام کی تصدیق کے لئے کسی علم و فطرت کی ضرورت ہے۔ ایسی ضرورت کا خیال کرنا خود دین میں شک کرنا ہے اور شک بدینی اور کفر کا پہلا زینہ ہے۔ اس زمانہ میں یہ اعتراض زیادہ تر سید صاحب پر کیا جاتا ہے جنہوں نے مذہب کو فطرت سے ملانے کا مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہے اور انکی تفسیر اور دیگر مذہبی مضامین بہت تعجب اور افسوس بلکہ نفرت سے دیکھے جاتے ہیں اور مجھے جب سے کہ میں نے اُنکی تفسیر کے متعلق لکھنے کا ارادہ کیا ہے لوگ اُنکا مخالف سمجھتے ہیں اسلئے میں چاہتا ہوں کہ چند لفظوں میں مذہب کو علم سے مطابق کرنے کی ضرورت اور جو فرق میری اور سید صاحب کے خیالات میں ہے اُسکی کیفیت بیان کروں۔

جو لوگ مذہب کو صرف مذہبی دلایل و مذہبی اسناد سے جانچتے ہیں بلکہ وہ لوگ جو مذہبی مسائل میں دلیل و سند کا خیال تک نہیں کرتے بلاشبہ اُنکے عقاید نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں اور جہالت اُنکے دین کی بڑی محافظ ہوتی ہے مگر ایسے عقائد درحقیقت رسمی اور تقلیدی ہوتے ہیں اور

کے سوائے عام کو پہونچنا مشکل ہو نہ وہ چند پاک کتابوں میں مقفل ہے جسکا کھولنا بجز مقدس
ہاتوں کے اوروں کو منع ہو۔ نہ وہ استعارہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ اُسکا سمجھنا مشکل ہو نہ وہ
اُن اسرار الٰہی میں سے ہے جسکے لئے اب الہام اور کشف صدور کی ضرورت ہو۔ بلکہ سائنس
اب ان تمام چیزوں سے آزاد ہے اُس نے اپنے سارے طوق وسلاسل توڑ دیئے ہیں جو
اصول فلسفیوں کے سینہ میں بند تھے وہ اب بچوں کی زبان پر ہیں اور وہ باتیں جنکا زبان
پر لانا مشکل اور منع تھا ان دنوں نقل مجلس ہو رہی ہے۔ علم اب نظری نہیں رہا کہ منطق کی بھول
بھلیوں میں گھومتا رہے بلکہ وہ اب آسان، دل پسند، ہر دل عزیز اور زندگی میں داخل ہو گیا
ہے۔ لیڈیاں علم پر کتابیں لکھتی ہیں۔ مدرسہ کے لڑکے ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ پر بحثیں
کرتے ہیں۔ اخباروں میں علمی مباحثے چھپتے ہیں۔ قلی اور مزدور تک علمی باتیں سمجھتے ہیں ہر روز
ایک نئی تحقیق اور جدید انکشاف کی خبر آتی ہے۔ ہر رسالہ اور ہر پرچہ اور ہر خبر کے کاغذ میں کوئی
نہ کوئی نئی بات نظر پڑتی ہے۔ غرضکہ ان دنوں میں ایک نئی تحریک پیدا ہو رہی ہے الہامی
باتوں پر اعتقاد دن بہ دن کم ہوتا جاتا ہے تحکمانہ اور تقلیدی مذہب کا زور روز بروز گھٹ
رہا ہے۔ مذہبی مسائل کے لئے علم کی سند مانگی جاتی ہے۔ کوئی چیز سوائے تحقیق کے مقدس اور پاک
نہیں مانی جاتی۔ یا دلیل اور ثبوت کے بغیر کسی بات کی سچائی دل میں نہیں بیٹھتی ہے اب اسے
کوئی بُرا سمجھے یا اس پر افسوس کرے۔ یا چند قطرے آنسو کے بہاوے۔ مگر زمانہ علم اور تحقیق کا ہے
اور اُسکا اثر روز بروز مذہب پر پڑتا جاتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے حالات سے جن کو واقفیت ہے
وہ خوب جانتے ہیں کہ مذہبی عقاید سے بہت کچھ انحراف ہو گیا ہے۔ دہریت اور لاادریت وبا
کی طرح پھیل رہی ہے۔ مذہبی باتوں میں نہ صرف شک اور شبہہ کئے جاتے ہیں۔ بلکہ بغیر کسی خوف
یا شرم کے انکی ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ دہریت کے شعلے ہر مقام پر بلند ہو رہے ہیں چرچ اور
گرجے ہر جگہ جلتے نظر آتے ہیں۔ ایسے نازک زمانہ میں جو مذہب کے نادان دوست ہیں وہ صرف
افسوس کرنے پر قانع ہیں۔ مگر جو لوگ مذہب کی عاقلانہ حمایت کرنے والے ہیں۔ وہ مذہب کی
بنیاد علم اور فطرت پر قائم اور دینی عقائد کو علم و فطرت کے مطابق ثابت کرنے میں کوشش کرتے
ہیں اسلامی دنیا میں عموماً اور ہمارے ہندوستان میں خصوصاً نہ صرف الحاد اور دہریت کو پھیلنے
کی مصیبت ہے۔ بلکہ اب تک مذہب کی حمایت کا جیسے کہ اس زمانہ میں لازم ہے کسی کو خیال ہی نہیں ہے
اُن ملکوں میں جہاں اسلامی سلطنت اب تک قائم ہے۔ شاید دوروں اور فتووں سے کسی قدر

بدویوں اور عامیوں کی طرح ظاہری باتوں کے سمجھانے پر کفایت کرتے - تو غالباً بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا اور اسلام انکی نگاہوں میں جہالت کا مجموعہ سمجھا جاتا - اس زمانہ میں جو ترقی علم و سائنس نے کی ہو - اور جو خوفناک اثر اُسکا مذہب پر ہو رہا ہو وہ گذشتہ زمانہ سے بہت زیادہ ہے اور اس زمانہ میں مذہب و علم کی تطبیق کی ضرورت اُس زمانہ سے بہت بڑھ کر ہے - جو لوگ اس زمانہ کی علمی ترقیوں سے بے خبر ہیں انکو اُسکی ضرورت اور جو مشکلات اس کام میں اس وقت درپیش ہیں اُسکا سمجھانا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے - مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں اسلام کی حمایت صرف اسی ایک بات پر منحصر ہے کہ اسکا سائنس و فطرت کے مطابق ہونا ثابت کیا جاوے مگر اس زمانہ میں اس طرح پر حمایت اسلام کی بہ نسبت گذشتہ زمانہ کے نہایت مشکل ہے اگلے زمانہ میں گو فلسفہ و حکمت نے ترقی کی تھی مگر اس وقت علم محدود اور نظری تھا مسائل اُس کے مشتبہ اور موہوم تھے - اُس زمانہ کی فلسفہ کا رجحان روحانیت کی طرف تھا جسکو مذہب سے ایک نوع کی مناسبت تھی علاوہ بریں مذہب کی حمایت کے لیئے حکومت موجود تھی اسلئے مذہبی عقائد کو عام کا چنداں خوف نہ تھا اور نہ انکی حفاظت زیادہ مشکل تھی اسلام کا بہت بڑا وسیع دائرہ علم کے صدمہ سے اسلئے محفوظ رہتا تھا کہ علم کی رسائی وہاں تک ہو ہی نہ سکتی تھی اور وہ چھوٹا حلقہ جہاں حکمت و فلسفہ کا گذر ہوتا خود علمی مسائل کے غیر محقق ہونے سے کسی نہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتا تھا - اسپر بھی اگر مذہب و علم میں جھگڑا ہوتا تو مذہب کی حمایت کے لئے ایسے سامان اور ذریعے تھے کہ علم کو پیچھے ہٹنے کے سوا دوسرا چارہ نہ تھا - علم مذہب کے مقابلہ سے کبھی یہ کہہ کر روک دیا جاتا - کہ یہ امر مکاشفہ سے متعلق ہے ایسا سوال ہی کرنا ناجائز ہے اور کبھی یہ کہہ کر چپ کر دیا جاتا کہ یہ خدا کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اسکا فاش کرنا ممنوع ہو - اسپر بھی اگر کوئی نہ مانتا تو خدا کی زمین ایسے ملحد کے وجود سے پاک کر دی جاتی - مگر اس زمانہ میں علم محدود ہے اور نہ وہ نظری و خیالی ہے - اور نہ حکومت اُسکی مدد کے لئے موجود ہے - بلکہ اوسکی حدود روز بروز وسیع ہوتی جاتی ہیں - اسکی بنا مشاہدہ پر قائم ہو رہی ہو - نہ مذہبی عقاید پر بحث کرنے والے کی تسلی مکاشفہ سے ہو سکتی ہو - نہ ہذا سر من اسرار الربوبیۃ کہہ کر کوئی روکا جا سکتا ہے اور نہ خدا کی پاک زمین شک کرنے والے کے نحس وجود سے پاک کیجا سکتی ہے اسلئے ضروری ہو کہ یا تو ہر مذہبی عقیدہ کی بنیاد علمی مسائل کی طرح تحقیق پر قائم کیجاوے یا مذہب کو جسکی عمر طبیعی غالباً قریب آگئی ہے اپنی حالت پر مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاوے - سائنس یعنی علم اب چند خانگی مدرسوں میں بند نہیں ہو جہاں خاص لوگوں کے

اختلاف صرف اس میں ہے کہ جن باتوں کو وہ قانون قدرت سے خارج سمجھتے ہیں میرے نزدیک وہ قانون قدرت میں داخل ہیں اور اسی امر کو میں اپنی آیندہ تحریروں میں دکھانا چاہتا ہوں۔

نمبر ۱ تعلیم و تربیت اور مذہب

تعلیم و تربیت جسے کلچر یا تعلیم کہتے ہیں کیا چیز ہے ؟ مذہب کو تعلیم و تربیت سے کیا تعلق ہے ؟ اور یونیورسٹی لیف کا کیا قصد ہے ؟ یہ تین اہم اور مشکل اور ضروری سوال ہیں ۔ جو اس زمانہ میں عموماً کئے جاتے ہیں اور یہ تین نہایت دقیق اور پیچیدہ اور مختلف فیہ مسائل ہیں جن پر آج کل بڑی بحثیں ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں اگرچہ مغربی ممالک کی طرح ان باتوں کی طرف عام توجہ نہیں ہے مگر مغربی علوم کی شعاعیں چونکہ یہاں بھی نظر آنے لگی ہیں۔ اس لئے ہمارے تعلیم یافتہ گروہ میں بھی یہ سوالات کئے جاتے ہیں اور یہاں بھی ان نازک مباحث پر توجہ ہونے لگی ہے اور جس طرح لوگوں کا شوق مغربی چیزوں کی طرف دنیاوی باتوں میں بڑھتا جاتا ہے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دماغی اور خیالی باتیں بھی یورپ کی نہایت دلچسپی سے دیکھی اور نہایت خوشی سے قبول کی جاتی ہیں اور جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے یہ خیالات صرف کالجوں اور اسکولوں اور انگریزی خوانوں ہی پر محدود نہیں رہتے بلکہ غیر محسوس طور پر اوسکا اثر دوسرے لوگوں پر بھی یہاں تک کہ اوس گروہ پر بھی جو مغربی خیالات سے تنفر اور اوس کے اثر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا مدعی ہے ہو رہا ہے۔ اور وہ دن بہت قریب ہے کہ مغربی خیالات اس ملک میں عموماً پھیلیں اور علمی مسائل عام لوگوں کی زبانوں پر آنے لگیں اور اوس کے نتیجے اپنا نمایاں اثر پیدا کریں۔ اور وہ اثر سوائے اسکے کیا ہو سکتا ہے کہ مذہب کی طرف سے بے اعتنائی اور مغربی علوم کی تیز روشنی دل کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کرے اور مذہبی نور باقی نہ رکھے۔ یہ صرف خیال ہی خیال نہیں ہے۔ بلکہ اوسکے آثار نمایاں ہیں۔ یہ خیالی بھوت بہت لوگوں کے سامنے ہیں۔ اور اس مغربی جادو سے اکثر تعلیم یافتہ دیوانے ہو رہے ہیں ـــ اور کوئی امر اس کا مانع نہیں ہے۔ کہ وہی حالت جو یورپ کی ہے یہاں نہ ہو ـــ اور تعلیم و تربیت دین و مذہب کو خیر باد نہ کہے۔

مذہب کی حفاظت کی جاتی ہو۔ مگر دلوں کے شک اس سے دُور نہیں ہو سکتے، اور مذہب جسکی بنیاد یقین پر ہے وہ ان تدبیروں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور ہماری یہاں تو یہ کاٹھ کے ہتیار بھی نہیں ہیں۔ نہ سوائے کفر کے فتووں کے یا مذہب کے بچانے کا کسی کے پاس کوئی اور ہتیار ہو۔ اور کفر کے فتووں کا یہ حال ہے کہ پنساریوں کی پُڑیوں میں کام آتے ہیں۔ یا اس سے پہلے کہ انکی سیاہی خشک ہو انہیں دیمک کھا لیتی ہے ایسے زمانہ میں جو شخص مذہب کی حمایت عاقلانہ طور پر کرے اور مذہبی عقاید کو قوانین قدرت سے ملانے میں ساعی ہو۔ وہ درحقیقت نہ صرف سچا مومن اور پکا دیندار ہے بلکہ مجاہد فی سبیل اللہ اور جہاد اکبر کے ثواب اور تمام مسلمانوں کی شکرگذاری کا مستحق ہے۔ اور چونکہ سید صاحب نے یہ بڑا کام اپنے ذمہ لیا ہے اور اس جہاد اکبر کا جھنڈا اُٹھایا ہی اسلئے اسلام انکا شکرگذار ہے اور تمام مسلمانوں پر انکا احسان ہے۔ رہا یہ امر کہ کہاں تک وہ اُس میں کامیاب ہوئے اور ہو سکتے ہیں اسکا ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ ادنی جہاد کے لئے بھی اعوان و انصار کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک آدمی گو کیسا ہی بہادر اور تجربہ کار ہو تن تنہا کامیاب نہیں ہو سکتا اکیلے اُن سے ایسی بڑی جہاد میں کامیاب ہونے کی کون امید کر سکتا ہے۔ اُن سے غلطیاں بھی ہونگی انکی رائیں خطائیں بھی کرینگی۔ مگر چونکہ نیت انکی نیک اور خالصاً للہ ہے اسلئے انکی غلطی بھی دوسروں کے صواب سے بہتر ہے میں تو انکے اس ارادہ ہی کی تعریف کرتا اور اپنے آپکو انکے انصار اور اعوان میں سمجھتا ہوں میں نے انکی تفسیر کی نسبت جو اپنے خیالات ظاہر کرنیکا ارادہ کیا ہے وہ درحقیقت ایک طرح پر انکی مدد اور متابعت ہی نہ مخالفت ÷ میں اس امر میں بالکل انکے متفق ہوں کہ مذہبی مسائل علمی نظر سے دیکھے جائیں اور جس طرح علمی مسائل کی تحقیق کیجاتی ہی مذہبی مسائل کی بھی اُسیطرح تحقیق کیجاوے اور مذہب کا فطرت کے مطابق ہونا (جیسا کہ درحقیقت وہ ہو) ثابت کیا جاوے یہی سچی حمایت اسلام کی ہی، اور یہی اصلی طریقہ اسلام کی حفاظت کا ہی جو لوگ مذہب کی صرف مذہبی دلائل سے تائید کرتے ہیں اور سائنس کے محققہ مسائل کو بیہودہ اور خیالی دلیلوں سے غلط کہتے ہیں، وہ میری نزدیک اسلام کے حامی نہیں ہیں بلکہ اُسکے نادان دوست اور درحقیقت دشمن ہیں میری مخالفت سید صاحب سے اس لئے نہیں ہے کہ جو اصول مذہب کی تطبیق کا فطرت سے انہوں نے اختیار کیا ہے اُسے میں غلط جانتا ہوں یا قوانین فطرت کو قابل تبدیل سمجھتا ہوں ----- بلکہ میرا

مگر اس پر بھی حامیان مذہب کا ایک گروہ کثیر اسی طرف متوجہ ہے۔ وہ مذہب سے پرانے غلط خیالات اور بیہودہ اصول خارج کر رہا ہے اور اُن مسائل کو جو ایک زمانہ میں مذہب کے اصلی اجزا سمجھے جاتے تھے اوہام کہہ کر چھوڑ رہا ہے اور دہریت اور لاادریت کے مقابلہ میں روحانی قوت دکھا رہا ہے۔ اگر ایک طرف حامیان دہریت اور شائقین لاادریت کتابیں تصنیف کر رہے ہیں تو دوسری طرف محافظان مذہب دین کی حمایت میں رسالے لکھ رہے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں مغربی تقلید کچھ ایسی اندھا دھندی سے جاری ہو رہی ہے کہ اوسکے مفید اور پاکیزہ باتوں کی طرف سے تو بے اعتنائی برتی جاتی ہے مگر اوسکے ضرر انگیز اور تباہ کن خیالات خوشی سے قبول کئے جاتے ہیں۔ کالج بھی قائم ہو رہے ہیں۔ یونیورسٹیاں بھی جاری ہیں اور تعلیم و تربیت کی بھی فکر ہے۔ فلسفہ و سائنس کی بھی تعلیم ہو رہی ہے۔ مگر مذہبی تعلیم اور روحانی تربیت بالکل مفقود ہے اور اگر کہیں برائے نام جاری ہے تو وہ اُسی اُصول اور طریقہ پر جسکی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اثمها اکبر من نفعها مرحوم سر سید نے اسکی طرف توجہ فرمائی اور اسکی ضرورت محسوس کی تھی اور اسکے اسباب بھی جمع کرنے شروع کئے تھے اور اسی مقصود کے حاصل ہونے کے لئے محمڈن یونیورسٹی کی بنا ڈالی تھی۔ جہاں تک اُن سے ہوسکا مغربی تعلیم کے حاصل کرنے کے ساتھ اُسکی مہلک اور مُضر باتوں سے اپنی قوم کو بچانے میں نہایت صدق دل اور پاک نیت سے قابل قدر کوششیں کیں اور اپنی دماغی اور علمی قوت سے جہاں تک ہوسکا مذہب کی حمایت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ دُنیا سے چل بسے اور انکے ارادے پورے نہ ہوئے اور بہت سی اونکی آرزوئیں دل ہی میں رہ گئیں مگر پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ بہت قدر کے لائق ہے اور مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت کے ساتھ جو کچھ اسلام کی حفاظت اُنہوں نے کی وہ نہایت شکر کے قابل ہے خدا انکو جزائے خیر دے اور دوسروں کو انکے جاری کئے ہوئے رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

میں نے اونکی زندگی میں اپنی سمجھ اور استعداد کے موافق تھوڑا بہت اونکا ساتھ دیا۔ اور اونکی صحبت کی برکت سے مجھے بھی ان نازک مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا گو میرے بعض خیالات مذہب کے متعلق آن سے مخالف تھے مگر اُن کے اصول میں دل سے پسند کرتا تھا اور اُنکی کوششوں کو مفید اور اُنکے بتائے ہوئے رستہ کو صراط مستقیم سمجھتا تھا۔ میں نے ایک مدت تک جو بارہ برس سے کم نہیں ہے نہ صرف اپنے اُن پیشواؤں کی تصانیف..

ہم دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ ابھی تک فلسفہ و رسائنس کا پورے پورے طور پر یہاں چرچا نہیں ہے مگر جو کچھ مغربی تعلیم یہاں ہورہی ہے اوسکے مضر اور مہلک اثر صاف نظر آتے ہیں اور کامل تعلیم ہونے کے سبب سے اوس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے ہم یورپ کی تعلیم تربیت کے عمدہ فوائد اور پاکیزہ نتایج سے تو محروم ہیں مگر اوسکے زہریلے پھل ہمارے بچوں کی روحانی زندگی تمام کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے اختیار سے خارج ہے کہ ہم یورپ کی تعلیم و تربیت سے اپنے ملک کو بچائیں (اور نہ ہمارے لئے یہ مفید ہے) ہاں افسوس اسپر ہے کہ اسکا کچھ انتظام نہیں ہے کہ ہم اوسکے فوائد سے تو متمتع ہوں۔ مگر اوسکے نقصانوں سے محفوظ رہیں پچھلے زمانہ میں سلطنت کی حمایت سے اکثر کوتاہ اندیش حامیان مذہب نے علم و فلسفہ کو روکنا چاہا اور اسی کو مفید سمجھا۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اونکی کوششوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور باوجود انکی سطوت اور جبروت کے حکمت و فلسفہ کی اشاعت نہ رک سکی اور جب تک کہ ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے ایک طرف حکمت و فلسفہ کی تحصیل اور دوسری طرف مذہب کی حمایت پر کمر ہمت باندھی اور براہین عقلیہ و قضایائے منطقیہ سے مذہبی اصول کے ثابت کرنے اور بنیات علمیہ اور دلائل فلسفیہ سے اصلی عقائد اسلامیہ کو سچے فلسفہ و حقیقی علم سے مطابق کرنے پر کوشش کی اوس وقت تک نہ اسلام کی خوبیاں دنیا پر ظاہر ہوئیں، نہ اہل حکمت نے اوسکو عظمت اور استحسان کی نظر سے دیکھا، نہ تعلیم یافتہ گروہ آن علوم کے مہلک اثروں سے محفوظ رہا۔

یورپ میں بھی حامیان مذہب ایسے ہی کر رہے ہیں، جو ہمارے بزرگوں نے علم و مذہب کے مشترکہ فوائد سے متمتع ہونے کے لئے کیا تھا۔ فرق اتنا ہے کہ یورپ میں صدیوں تک مذہبی دیوانوں نے تعلیم و تربیت اور علم و حکمت کو نفرت کی نظر سے دیکھا اور سلطنت کی حمایت سے اوسکو اپنے حدود میں داخل ہونے دیا مگر علم کا سیلاب جب اون سے نہ رک سکا اور الحاد دہریت اور نیچریت اور لاادریت نے مذہب کے مقبوضہ ممالک پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ تب صدیوں کے بعد یورپ میں بھی حامیان مذہب نے مذہبی حمایت کا طریقہ بدلا اور علم و حکمت سے لڑنا ترک کیا، اور بغض و عداوت چھوڑ کر اوس سے اتحاد اور دوستی پیدا کرنی شروع کی اور اوسی خیر مقدم کہا اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عیسائی مذہب کو اوسمیں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے یا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اوس نے ایسے اسرار اور رموز اور عقل و حکمت کے متناقض خیالات پر اپنی بنیاد قائم کر رکھی ہے کہ سائنس اور فلسفہ کے ساتھ اوس کا مطابق کرنا ممتنعات سے ہے۔ مگر اسلام

نہیں ہے اور مغربی خیالات جس سرعت اور تیزی کے ساتھ ہمارے ملک میں پھیلتے جاتے ہیں وہ کسی شہادت کے محتاج نہیں جس طرح ہم گھر میں یورپ کا اسباب اور فرنیچر افراط سے دیکھتے ہیں اور اسکا روزافزوں شوق پاتے ہیں اور کوئی ایسی طاقت نظر نہیں آتی جو اوسے روک سکے وہی کیفیت مغربی خیالات کی ہے کہ ہر دل میں اسکا جوش ہے اور ہر طبیعت اوسکے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ روز بروز اوسکے خریدار بڑھتے جاتے ہیں اور گرانمایہ متاع مغرب کی طرف سے بکثرت چلی آرہی ہے۔ نہ کوئی نقاد ہے کہ اوسے پرکھے۔ نہ کوئی مبصر ہے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کرے اور یہ حالت ایسی ہے کہ نہ اُس سے کوئی سمجھدار آدمی انکار کرسکتا ہے نہ اوسکے فواید کے ساتھ جو نقصان ملے ہوئے ہیں اُن سے کوئی دانشمند اپنی آنکھیں بند کرسکتا ہے۔ نہ اوسکے عظیم الشان نتایج پر غور کرنے سے کوئی دوراندیش باز رہ سکتا ہے جو لوگ موجودہ زمانہ کے حالات کو دیکھ رہے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرینگے کہ تعلیم و تربیت اور مغربی خیالات نے ہمارے مذہب پر اپنا وہی اثر کیا ہے جو ہم یورپ کی تھیالوجی پر دیکھتے ہیں اور ہمارے زمانہ کا رجحان پرانے علوم پرانے خیالات پرانے عقاید کے چھوڑنے پر ویسا ہی ہوتا جاتا ہے جیسا کہ اس وقت یورپ میں نظر آتا ہے یعنی بزرگان دین کا جو تصرف تھا وہ اب یورپ میں مفقود ہے۔ مذہبی تصانیف کا جو اثر پہلے تھا وہ وہاں اب معدوم ہے پرانی کتابیں گمنامی کی حالت میں پڑ گئی ہیں پرانے خیالات کی تحقیر کیجاتی ہے۔ نئے خیالات نے ایک نئی تحریک پیدا کردی ہے۔ تھیالوجی بالکل سرد اور بے ولولہ اور خالی از جوش بلکہ مردہ ہو رہی ہے۔ مذہب صرف پولیس کا معین اور اُسکا نام محض سوسائٹی میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنا سمجھا جاتا ہے۔ جو باتیں پچھلے زمانہ میں عموماً مایۂ فخر و ناز سمجھی جاتی تھیں اور جن سے مذہب کی خوبی اور حقیت پر استدلال کیا جاتا تھا وہی باتیں اب مکروہ اور مذہب میں حارج اور مذہب کی بدنامی کا باعث معلوم ہوتی ہیں۔ اور زمانہ کا رجحان ہر موقع پر لوگوں کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ مذہبی عقاید عقل اور کانشنس کے ماتحت کئے جائیں اور تقلیدی ایمان کے بجائے ہر بات کی تنقیح اور تحقیق کیجائے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ خیال کے ہر شعبہ اور زندگی کے ہر صیغہ میں اُسی رجحان کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اُسی کا اثر ہے کہ تاریخیں ہر قسم کے مظاہر اور واقعات کو علل طبعی کی طرف منسوب کرنے لگے ہیں۔ الہیات میں اسی رجحان کا اثر ہے کہ تمام مذہبی نظامات کو جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے مذہبی جذبات کی

دیکھنے پر قناعت کی جو فلسفہ و مذہب دونوں کی حامی اور دین و حکمت دونوں کو متحد سمجھنے والے تھے بلکہ اُن کتابوں اور تحریروں کے دیکھنے میں بھی بہت مصروف رہا جو اس زمانہ میں یورپ کے حامیان مذہب کر رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے نہ پہلی تصنیفات سے پورے طور پر مستفید ہو سکا اور نہ یورپ کی زبانوں کی ناواقفیت کی وجہ سے دوسری قسم کی کتابوں کے مضامین سے پوری واقفیت حاصل کر سکا۔ مجھ سے زیادہ کوئی میری بے بضاعتی سے واقف نہیں ہے اور نہ میری اس اہم اور نازک مسائل پر قلم اٹھانے کی عدم اہلیت کو مجھ سے زیادہ کوئی جانتا ہے، مگر میں دیکھتا ہوں کہ سرسید کی وفات کے بعد کسی طرف سے کوئی صدا نہیں آتی اور کسی کا زور قلم ان دقیق مباحث کی تحریر پر نہیں اٹھتا۔ ہر طرف سکون ہے اور ہر شخص ساکت ہے گویا سرسید کے ساتھ یہ مذاق بھی دنیا سے اٹھ گیا مجھ سے نہ یہ سکوت دیکھا گیا، نہ اُس افسردگی اور پژمردگی پر جو لوگوں کی طبیعتوں پر چھا رہی ہے مجھ سے صبر ہو سکا اسلئے میں نے لاچار و مجبور ہو کر اُس راہ پر چلنے کا ارادہ کیا ہے جس پر چلنے کی مجھے طاقت نہیں ہے مگر شوق ہے اور اُس بوجھ کے اٹھانے پر متوجہ ہوا ہوں جسکے اٹھانے کی قوت نہیں ہے مگر ضرورت ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میری کوششیں کچھ زیادہ مفید نہ ہونگی اور میری تحریریں نہایت ہی ناقص و ناتمام ہونگی مگر کیا عجب ہے کہ اس سے یہ سکوت ٹوٹ جائے۔ اور جو لوگ اس قسم کی تحریروں کی اہلیت رکھتے ہیں، وہ میری غلطیوں کی اصلاح کرنے اور مذہب و علم کی نازک بحث کو اچھی طرح سے بیان کرنے پر متوجہ ہوں اور جو سوالات حل طلب ہیں یعنی تعلیم و تربیت جسے کلچر کہتے ہیں کیا چیز ہے؟ مذہب کو تعلیم و تربیت سے کیا تعلق ہے؟ اور یونیورسٹی لیف کا مقصد ہے۔ انکے حل کرنے کا ارادہ کریں۔ میرے نزدیک کوئی سمجھدار مسلمان اپنی قوم اور اپنے مذہب کی خدمت اس سے زیادہ نہیں کر سکتا جیسا کہ ان مسائل کے حل کرنے اور ان مباحث کے بیان کرنے اور اسلام کو فطرت و علم سے مطابق کرنے اور مسلمانوں میں جامع تربیت کے ساتھ روحانی تعلیم کی ضرورت ثابت کرنے سے کر سکتا ہے۔ تعالی خدا تو ہمارے علماء کو اس طرف متوجہ کر اور ہمارے ممبروں سے علم و مذہب کے متحد ہونے کی آوازیں سنا انک علی کل شئ قدیر۔

محسن الملک

(۱۲)

تتمہ

زمانہ کا رجحان یوروپین تعلیم و تہذیب کی طرف

یوروپین تعلیم و تہذیب کی طرف جو ہمارے زمانہ کا رجحان ہے وہ کوئی پوشیدہ بات

خارج کیجا رہی ہیں۔ کرامتیں اور خرق عادتیں اگر تسلیم بھی کیجاتی ہیں تو انکو علل طبعی اور قوانین قدرت کی طرف منسوب کرنے کے لئے کوشش کیجاتی ہے۔ اور جو باتیں تمدن و تہذیب کی ترقی کی مانع ہیں اگر وحی و الہام کے انکار کے درجہ تک نہ پہونچیں تو گو اونپر تمام سواد اعظم متفق ہو انکا صاف صاف انکار کیا جاتا ہے۔ اور وہ انسانی رایوں کی غلطی سے منسوب کیجاتی ہیں۔ اور اگر وحی و الہام کے انکار کا خوف ہو تو انمیں اور توجیہیں کیجاتی ہیں۔ غرض کہ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ شائستگی اور تہذیب کا جو آفتاب مغرب میں نصف النہار پر پہونچ گیا ہے۔ اوسکی دہیمی دہیمی شعاعیں مشرقی ملکوں میں بھی نظر آنے لگی ہیں اور جو طرز خیال یورپ کے ملکوں میں پھیل گیا ہے اوسکا کم و بیش اثر مسلمانی ملکوں پر بھی ہو رہا ہے۔ اور یہ انقلاب جہاں تک اوسکو مذہب سے تعلق ہے ایسا بین اور نمایاں ہے۔ اور پرانے زمانہ کے خیالات سے اس قدر برخلاف ہے کہ اگر گذشتہ صدی کے مسلمان اسکو دیکھتے تو وہ لامحالہ اس تبدیلی کو اسلام اور مذہب کا تباہ کن سمجھتے اور اب بہی وہ لوگ جو مغربی روشنی سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ حالت نہ تعجب انگیز ہے نہ ایک درجہ تک قابل افسوس۔ تعجب انگیز تو اسلئے نہیں ہو کہ جسطرح ہم مادی دنیا میں فصل اور موسم کے اختلافات سے مختلف حالتیں پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور ایک موسم کے شروع ہونے سے پہلے اوسکے آثار اور نشانیاں پاتے ہیں اور انسان اُس موسم کے موافق اپنی حالت بدلنے پر مجبور اور آمادہ ہوتا ہے۔ اور اسکی مخالفت کا نتیجہ ہلاکت ہے اسی طرح روحانی دنیا کا حال ہو کہ تعلیم و تہذیب کی ترقی ہمیشہ اعتقادات اور خیالات میں تبدیلی پیدا کرتی ہے اور انسانی طبائع مجبور ہیں کہ یا وہ اپنے عقاید و خیالات اُن تبدیلیوں کے موافق کریں یا انکو خیرباد کہیں۔

اور ایک حد تک افسوس کے لایق یہ حالت اسی لئے نہیں ہو کہ تعلیم و تہذیب کی ترقی مذہب کے اُس روحانی اور اخلاقی حصہ پر کچھہ برا مخالفانہ اثر نہیں کرسکتی جو فطرت الہی کے مطابق ہے اور جس میں کچھہ تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ ترین خیالات علم و تہذیب کے اُس مذہب کے عقاید کے ساتھہ جسکی بنیاد فطرت پر ہے بغیر کسی قسم کی مزاحمت اور مخالفت کے متحد اور متفق ہوتے ہیں۔ اور بجائے ضررناک اثر پہونچانے کے سچے اور اصلی اعتقادات کو مستحکم اور قوی کرتے ہیں البتہ وہ مذہبی خیالات جو آزادی کے مانع ہوں اور فطرت الہی کی تکمیل کے مزاحم اور زمانہ کی ترقی کے مخالف اور زندگی کی ضروری اور غیر ضروری باتوں پر حاوی اور حاکم ہوں علم کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے۔ اور جس مذہب کی ترکیب میں یہ عنصر غالب ہوں وہ تغیر و تبدیلی

اُن حاجتوں اور خواہشوں کا مظہر سمجھتی ہیں۔ جنکا بیج سب آدمیوں میں بویا ہوا ہے۔ علم اخلاق میں اسی رجحان کا یہ نتیجہ ہے کہ اب فرائض صرف وہ سمجھے جاتے ہیں جنکو وجدان قلبی یعنی کانشنس فرض بتاتا ہے۔ وہ عقاید جو کسی زمانہ میں مذہب کے اصلی اصول سمجھے جاتے تھے۔ اُنکو اکثر تعلیم یافتہ کھلم کھلا بیہودہ اور خارج عن المذہب بتاتے ہیں اور جنمیں صاف صاف کہنے کی جرأت نہیں ہے وہ اُنکی تاویل و توجیہ کرتے ہیں۔ اور بہت ہی تھوڑے ایسے ہیں جو دبی دبی زبان اور معذرت کے ساتھ اُنکی اب تک حمایت کئے جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں بھی باوجودیکہ تعلیم و تربیت ابھی ابتدائی حالت میں ہے اور علم کی صرف شعاعیں نظر آتی ہیں مگر ہم بھی اپنے مُلک میں زمانہ کا یہی رجحان دیکھتے ہیں اور کیوں نہو اس لیئے کہ تعلیم و تربیت کا یا یوں کہو کہ علم اور سائنس سے بہرہ ور ہوئے کا یہ ضروری نتیجہ ہے کہ وہ ایسا میلان پیدا کرے اور تحقیق و ادراک کی آزادی اور علوم و فنون کا شوق طبیعتوں کو اس طرف مائل کرے۔ اِسی لئے جسقدر تعلیم و تربیت اب تک ہمارے مُلک میں پھیلی ہے اور جس نسبت سے ہمارے یہاں علم و سائنس سے واقفیت ہوئی ہے اوسی قدر اور اُسی نسبت سے زمانہ کا رجحان تحقیق اور آزادی کی طرف ہو رہا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ میلان نہ صرف اُنہیں طبیعتوں پر محدود ہے جو مسائل علمیہ سے واقف اور تہذیب و تمدن کے موجودہ اُصول سے آگاہ ہیں بلکہ جہاں جہاں اِن مسائل اور اصول کے چرچے ہوتے ہیں اور جہاں جہاں سائنس کی روشنی پھیل رہی ہے۔ بلکہ وہ مذہبی آدمی بھی جو اپنے قدیمی خیالات پر قائم رہنے کے مدعی ہیں اُسکے اثر سے نہیں بچے نئے خیالات جو زمانہ نے پیدا کر دئے ہیں پوشیدہ پوشیدہ اور آہستہ آہستہ ان اُن دلوں میں بھی جگہ کرتے جاتے ہیں جو اِس زمانہ کے لٹریچر اور تعلیم کے مخالف ہیں اور زمانہ اُنکو بھی طرف کھینچے لئے جا رہا ہے، جو ان نئی باتوں کو افسوس اور حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ علما تعلیم کے طریقوں کو زمانہ کے مطابق کرنے پر مائل ہیں۔ واعظین اپنے وعظوں میں اسپیچوں کا ڈھنگ پیدا کر رہے ہیں نئی تصنیفات میں زمانہ کے رجحان کے نمایاں ثبوت پائے جاتے ہیں۔ استدلال کا ڈھنگ، بحث کے طریقے زمانہ کے عام میلان کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں قصص و حکایات کے بیان کرنے کا انداز رنگ بدلا نظر آتا ہے اور جنکو مغربی علوم سے کچھ بھی واقفیت ہو گئی ہے وہ اپنے تمام خیالات اور اعتقادات کو اوسی پر منطبق کرنے کے خواہاں ہیں۔ وہ مذہبی باتیں جو تھوڑے دن پہلے مذہبی زندگی کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھیں حدود مذہب سے

اور مذہب کی طرف سے بے اعتنائی ہونا اور رفتہ رفتہ مذہب کا اثر جاتا رہنا اور بجائے اسکے کہ مذہب کو علم جذب کرے خود اسکا علم میں تحلیل ہو جانا پایا جاتا ہے رومیوں کے مذہب کا یہی انجام ہوا - یونانیوں کے مذہب پر علم نے یہی اثر کیا - یورپ میں عیسائیت کا اسی طرح خاتمہ ہو رہا ہے - اسلامی دُنیا میں بھی تعلیم و تربیت کی ترقی ہے - مذہبی گروہ میں بے چینی پیدا ہو رہی ہے لیکن یہ شبہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس بات پر کافی غور نہیں کیا - اگر بہ نظر تامل دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن مذاہب کو علم نے برباد کر دیا وہ ایسے مذاہب تھے جنکا روحانی اور اخلاقی حصہ مبنی علی الوحی اور مطابق بالعقل والفطرۃ نہ تھا - اور اب جو اسلامی دُنیا میں علم کی ترقی ہے - مذہبی گروہ میں بے چینی پیدا ہو رہی ہے اوسکا سبب یہ ہے کہ مذہب نام ہو رہا ہے اُس مجموعہ کا جسمیں الہامی اصول کے ساتھ انسانی خیالات اور مجتہدوں اور فقیہوں کی رائیں اور قومی رسمیں اور غیر محقق واقعات اور قصص و حکایات ملے جلے ہیں اور مذہب کے ماننے والے اوسی مجموعہ کو موجودہ حالت پر قائم رکھنا چاہتے اور ان تمام اجزائے خارجی کو جو کہ مذہب میں داخل ہو گئے ہیں مذہب ہی کا عنصر سمجھتے ہیں - اسلئے وہ نہ روحانی اور اخلاقی حصہ کو وہمی اور خیالی باتوں سے جُدا کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ مجتہدوں اور فقیہوں کی رایوں اور خیالات کو اصلی تعلیم سے خارج کرنا جائز رکھتے ہیں کیونکہ یہ خیالات بچپن سے اونکے دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ابتداء عمر سے اُنہوں نے اسی میں پرورش پائی ہے اور یہ ایک قدرتی قاعدہ ہے کہ جو خیالات ایک خام اور غیر نمو یافتہ طبیعت پر نقش کر دیے جاتے ہیں وہ معصوم بچوں کی سادی اور اثر پذیر طبیعتوں پر ایسے جم جاتے ہیں کہ جسمانی نمو کے ساتھ وہی بڑھتے رہتے ہیں اور بالآخر اونکو وہ استحکام ہو جاتا ہے کہ اونکا مٹانا اگر محال نہیں تاہم نہایت مشکل ہوتا ہے اور وہ تخیل جو مذہب کے خوشگوار شربت کے ساتھ بچپن میں پلایا جاتا ہے زندگی بھر خون کے ساتھ رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے - اور فیصلہ کی قوت ہزار کوشش کرے اُن اوہام اور تعصبات کے نقوش مٹانے میں بہت کم کامیاب ہوتی ہے یہانتک کہ اُن عالی دماغ اور آزاد خیال آدمیونکی بھی جو تقلیدی خیالات سے اپنے آپ کو بالکل پاک سمجھتے ہیں یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ تصورات اور خیالات اونکے دل کے کسی نہ کسی گوشہ میں چھپے رہتے ہیں اور کمزوری کی ہر ساعت میں جب کہ قوائے عقلی کا دباؤ اور اثر ذرا ڈھیلا ہو جاتا ہے وہ پھر نمودار ہو جاتے

سے بچ نہیں سکتا۔ مگر جس مذہب کا روحانی اور اخلاقی حصہ انسانی جذبات اور خیالات پر فطرت کے موافق اثر کرنے والا ہوتا ہے وہ تغیر اور تبدل سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن تاریخ اور تجربہ سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی مذہب میں کوئی ایسا تیزاب نہیں پایا جاتا جو خارجی خیالات اور عقاید کو جو امتداد زمانہ سے مذہب میں ملتے جاتے ہیں گلا دیا کرے اور بیرونی اجزا کی آمیزش سے اپنے جوہر کو محفوظ رکھے ہر ایک مذہب میں اُس رُوحانی اور اخلاقی عنصر کے ساتھ جس سے وہ وحی والہام کے ذریعہ سے ابتدا ترکیب دیا گیا ہے روایات اور مراسم اور اغراض نفسانی اور خیالات انسانی اور علمی مسائل اور غیر محقق واقعات اور قصص و حکایات ملجاتے ہیں اور مذہب کے اصلی جوہر کو اپنی اصلیت پر باقی نہیں رکھتے اِس لئے جب کسی زمانہ میں نئی دماغی تحریک شروع ہوتی ہے اور نئی نئی تحقیقاتیں شائع ہوتی ہیں، اوس وقت لامحالہ عقاید و خیالات قدیمہ کے کسی نہ کسی صیغہ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور جو باتیں اُس زمانہ کے خیالات کے موافق نہیں ہوتیں ضرور بیکار اور بے سُود بلکہ مضر اور زہریلی نظر آتی ہیں۔ مگر واقعی حقیقت یہ ہے کہ عقاید و خیالات کا وہ حصہ جسکی تعلیم وحی و الہام سے ہوتی ہے اور جو ازروی فطرت کے انسانی جذبات کے مطابق ہوتا ہے اوسپر کوئی دماغی تحریک اثر نہیں کرتی بلکہ ہر دماغی تحریک سے اوسے قوت اور مدد پہنچتی ہے۔ ہر مقدس اور پاک مذہب جو خدا کی طرف سے ہے اوسمیں فی نفسہ یہ قابلیت رکھی گئی ہے کہ ہر قسم کے علم و تہذیب کو جو حقیقت و فطرت کے مطابق ہوا وسے جذب کرے اور اُسے بھی مقدس بنالے یعنی اُسے بھی اپنے میں شامل کرکے تعظیم و عزت کا مستحق کردے اور ہم ثابت کرینگے کہ مذہب اسلام فی ذاتہ ایسا ہے اور اوس میں بھی قابلیت رکھی گئی ہے۔

(محسن الملک)

(۱۵) نمبر ۳ ۔ ترقی تعلیم سے اہل مذہب کے خائف ہونیکے اسباب ۔

ہمنے پچھلے مضمون میں بیان کیا ہے کہ دماغی تحریک اور علمی ترقی کا اثر سچے مذہب کے رُوحانی اور اخلاقی حصہ پر کچھہ نہیں ہوتا۔ اور ہر مقدس مذہب میں ہر قسم کے علم و تہذیب کے جذب کرنے کی قابلیت ہوتی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ مذہب اسلام میں بھی قابلیت ہے۔ اسپر غالباً یہ کہا جاسکتا ہے کہ علمی اشاعت کی تاریخ اور زمانہ حال کی موجودہ حالت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر زمانہ میں تعلیم و تربیت کی ترقی سے مذہبی عقاید میں خلل آتا

اور قوت متخیلہ چپکے چپکے اُن خیالات کو قبول اور اُسکی مخالف باتوں کو دل سے نکالتی جاتی
ہے اور اُن خیالات کے حامی نہ صرف اپنی دلائل کی قوت سے بلکہ طبیعت و خیال کے
میلان پیدا ہوجانے سے اُن خیالات کے شائع اور عام ہونے کے معین و مددگار
سمجھے جاتے ہیں البتہ اُن خیالات کے دلائل و براہین کی خوبی اور اونکے حامیوں کی
لیاقت اور قوت سے وہ واقع ہونے والے واقعات جلد پیدا ہوجاتے ہیں۔
جنکو رجحان زمانہ پیدا کرتا ہے اور وہ دلائل و براہین جنکا ایک زمانہ میں کچھہ بھی اثر
نہیں ہوتا دوسرے زمانہ میں صرف میلان طبیعت کے سبب سے نہایت خوشی اور
رغبت اور شوق سے قبول کیجاتی ہیں۔ ہمارے زمانہ کا رجحان اب علم (سائنس)
کی طرف ہے اور طبیعتیں رفتہ رفتہ مذہب کی طرف سے ہٹتی اور علم کی طرف جھکتی جاتی
ہیں۔ اور بسبب اسکے کہ ابھی کوئی اطمینانی حالت قائم نہیں ہوئی طبیعتوں میں ایکقسم
کی کشمکش اور دلوں میں ایک طرح کی بےچینی پیدا ہورہی ہے اور اس وقت وہی حالت
ہے جو علمی اشاعت کی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ اُس میں ایک زمانہ ایسا ہوتا ہے جس میں
پرانی رایوں کی مستحکم بنیاد ہلنے اور موروثی خیالات کی خوشنما عمارت گرنے لگتی ہے۔
اور نئی رایوں اور علمی خیالات کی جدید عمارت ابھی تیار نہیں ہوئی۔ وہ زمانہ شک اور
خوف اور تاریکی اور دل کی بےچینی کا ہوتا ہے اور ایسے وقت میں جبکہ مذہبی خیالات
کی قوت کم ہونے لگتی ہے۔ اور علم وعقل کے ستارے اپنی روشنی پہونچانے کے درجہ پر
پہونچنے نہیں پاتے۔ انسانی طبیعتوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی راہ سے جُدا
ہوجاتی ہیں اور نئی راہ پر چلنے سے ڈرتی ہیں اور بے لنگر و بادبان کے طوفان کے
تلاطم اور ہولناک موجوں کے تھپیڑے کھاتی اوسطرف چلی جاتی ہیں جسطرف اُنکو تند
ہوائیں لیجاتی ہیں ہمارے زمانہ میں مذہب اپنے ممتاز درجہ سے گر گیا ہے اور علم
سائنس پورے طور پر اب تک اُس درجہ پر نہیں پہونچا ہے اس لئے یہ زمانہ شک اور
خوف اور تاریکی اور دل کی بےچینی کا ہے طبیعتیں پہلی راہ سے جدا ہوگئی ہیں اور نئی
راہ پر چلنے سے ڈرتی ہیں اور بغیر کسی ہادی اور رہنما کے ادھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہیں اُس
اطمینان قلب کا جو پرانے عقائد کے یقین سے تھا اب اُن شکوک اور شبہات کے ساتھ
مقابلہ پڑ گیا ہے جنکو نئی تحقیقاتیں پیدا کر رہی ہیں اور اس سے ایک بحران کیسی کیفیت دلوں میں

اور سامنے آموجود ہوتے ہیں۔ جب اُن لوگوں کی یہ کیفیت ہو جنکو خدا نے فیصلہ کی قوت
دی ہے۔ تو اور عام لوگ کب تقلیدی خیال سے اپنے آپ کو جدا کر سکتے ہیں اور اسلئے
عموماً لوگوں کا یہ حال ہے کہ جو آرا اُنکو وراثتاً ملتی ہیں اور انکا کبھی امتحان نہیں کرتے ہیں تو
پھر اُنکے خیالات کے بوجھ میں ایسے دبے ہوئے ہوتے ہیں کہ کوئی بڑا اثر اُس امتحان کا اُن پر
نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں لوگوں کو نہ تو وقت ملتا ہے اور نہ موقع اور نہ انکی اونکو قوت ہوتی
ہے کہ وہ ان مسائل مختلف فیہ پر جو ابتدائی عمر میں اُنکو اس طرح سکھائے گئے ہوں کہ گویا وہ واقعات
محققہ ہیں غور کریں۔ اور آزادی سے اُنکی تحقیق پر متوجہ ہوں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ
خود فیصلہ کرنے کی قابلیت نہو اور جنمیں ایسی قابلیت بھی ہو وہ بھی اُس خداداد قوت کو استعمال
میں نہیں لاتے نہ اوسکا اثر ظاہر کرتے ہیں۔ جب تک کہ علمی مقابلہ میں سالہا سال نہ گذر جائیں
اور نصرت و تحقیر اور مباحثہ و مناظرہ ایک مدت تک جاری نہ رہے اور زمانہ کا رجحان اور
طبیعتوں کا میلان رفتہ رفتہ ایک نئی حالت پیدا نہ کرے۔ اور جب زمانہ کا رجحان علمی خیالات
اور آزادی کی طرف ہو جاتا ہے اوس وقت علمی مسائل اور آزادانہ خیال کی طرف اوسی اندھے
پن سے لوگ جھکنے لگتے ہیں جس طرح اول مذہب کی طرف کو راہ تقلید سے متوجہ رہتے
تھے اور نہایت سچ کہا ہے مسٹر لیکی نے کہ عقاید یا خیالات کا استحکام اور اُنکی حقیقت اور
سچائی کا یقین اُن عقائد و خیالات کی براہین و دلائل کی قوت یا اُسکے حامیوں کی لیاقت
و قابلیت پر اسقدر منحصر نہیں ہوتا جس قدر کہ اُس رجحان طبیعت پر جو پہلے ہی سے لوگوں
میں پیدا ہو جاتا ہے اور یہ رجحان نتیجہ ہوتا ہے اُس زمانہ کے اُن حالات کا جو غیر محسوس
طور پر آہستہ آہستہ مدتوں سے جمع ہوتے اور بہ تدریج قوت پکڑتے اور پھیلتے پھیلتے پھیلے
جاتے ہیں۔ پیغامبر اور فلاسفر اُس رجحان طبیعت کے ابتدائی پیدا کرنے والے ہوتے
ہیں۔ مگر اُسکا اثر ایک مدت دراز کے دماغی اور تمدنی اور ملکی تغیرات کے بعد پیدا ہوتا ہے
اور انسانی طبائع جنمیں وہ خیالات پھیلتے ہیں بتدریج اُنکے قبول کرنے کے لئے تیار
ہوتی ہیں۔ وہ تحریک ابتدائی درجہ میں نہایت حقیر اور خفیف اور غیر قابل اعتنا کے
سمجھی جاتی ہے مگر نامعلوم طور پر اُسکا دلوں پر قبضہ ہوتا جاتا ہے اور خاص خاص لوگوں کے
دماغ اُس سے متاثر اور خاص خاص طبیعتیں اوسکی طرف مائل ہوتی ہیں اور وہ خیالات اپنی
ذاتی قوت اور خاص خاص حالات سے اور لوگوں کے طبائع پر اپنا اثر ڈالتے ہیں

طاقت ورمرضی کی تابعداری اور نہایت دقیقہ رس وجدان قلبی کی فرماں برداری سکھانے تمام پاکیزہ اور جمیل چیزوں کو خواہ قدرتی ہوں یا مصنوعی محبوب رکھنے اور تمام برائیوں سے نفرت کرنے اور نفس ناطقہ میں طبیعت کی بڑی اور اصلی حقیقتوں اور اوسکے طریق عمل کے قواعد کے علم جمع کرنے کو اصلی مقصود تعلیم کا سمجھتے ہیں۔ مگر جن باتوں کا تعلق روحانیات اور الٰہیات سے ہے اور جسکی تعلیم مذہب کی علت غائی ہے اُنکو وہ تعلیم کا جزو قرار نہیں دیتے اُنکا کہنا یہ ہے کہ ہمکو کسی ایسی قوت کا علم نہیں ہے جسکا تعلق ماورار محسوسات سے ہو۔

یونانی فلاسفر مشائین تھے یا اشراقیین وہ نہ صرف ایسی قوت کے وجود کے قائل تھے۔ بلکہ اوسیکو اعلیٰ ترین قوای انسانی سمجھتے تھے اور اوسی کو ظہور میں لانے اور ترقی دینے کو منتہای کمال انسانی بلکہ علت غائی انسان کی آفرینش کی جانتے تھے اور باقی دیگر قوتوں کو اُسی قوت کی تکمیل کے مستعدات اور آلات اور وسائل خیال کرتے تھے۔ اونکے نزدیک حقائق موجودات کا ادراک اور اعیان ممکنات کی تحقیق اور مظاہر کائنات سے بحث اور علوم معارف کی تحصیل اس طرح پر جس سے محسوسات معقولات پر اور جسمانیات سے روحانیات پر اور مشہودات سے غائبات پر اور ریاضیات سے طبیعیات پر اور طبیعیات سے الٰہیات پر استدلال ہو اصلی تعلیم تھی اور اوسکے لیے اعتقادات اور آراو صحیحہ کا رکھنا اور اخلاق حمیدہ اور خصائل حمیدہ سے متصف ہوتا اور افعال حسنہ اور اعمال پسندیدہ سے موصوف ہونا ضروری تھا اور اسکی اصلی غرض وہ یہ قرار دیتے تھے کہ نفس انسانی نقص کی حالت سے کمال کی طرف ترقی کرے اور درجۂ ادنیٰ سے درجۂ اعلیٰ پر پہنچے اور حیات ابدی اور راحت دائمی حاصل کرے۔

اس زمانہ میں علماء یورپ جو کہ دہریت اور لاادریت کی حدود میں محدود ہیں اور نہ مذہبی تحکمانہ عقائد کے قیود میں گرفتار رہتے ہیں کہ تعلیم سے یہ مراد ہے کہ روح کی ہر ایک قوت ایک ایسے طریقہ سے جسکی بنیاد انسانی فطرت پر رکھی گئی ہو عملاً ظہور میں لائی جائے اور زندگی کی تمام شاخوں کو یکساں حرکت دیجائے۔ اور انسانی جذبات قابو میں رکھے جائیں اور تمام قوتوں کی احتیاط کے ساتھ نگرانی کی جائے کسی ایک شعبہ پر حد مناسب سے زیادہ زور ڈالنے سے پرہیز کیا جائے۔ اور جو چیزیں سکھائی جائیں اُن میں اعتدال اور تناسب کا لحاظ رکھا جاسے۔ اگر اس عالمانہ تعریف کی صاف صاف لفظوں میں تشریح کی جائے تو اُسکا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تعلیم ایسی ہو جسمیں جسمانی۔ عقلی۔ و اخلاقی امدنہ ہو

پیدا ہو رہی ہے اور اوہام کی خواب راحت میں خلل پڑنا نہایت ناگوار ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ مدت تک یہی کشمکش چلی جائیگی اور ہماری دنیا کی تاریکی اُس وقت تک باقی رہے گی۔ جب تک کہ خدا فرمائے کہ وہ روشنی ہو جا۔ اور روشنی ہو جاسے"۔ اور یہ وہ زمانہ ہوگا جبکہ مذہب سے اوہام و خیالات کی آمیزش دور ہو جائیگی اور اوسکا اصلی جوہر خارجی اجزا سے جدا نظر آئیگا۔ اور سچا مذہب سچے علم کے ساتھ ملکر دنیا سے تعصب اور جہالت کی تاریکی دور کر دیگا اور انسانی طبیعتیں کامل اور اعلیٰ تعلیم سے روشن اور پاک ہو جائینگی۔

(محسن الملک)

نمبر ۶۔ کامل تعلیم و تربیت کی تعریف اور حقیقت ــــ

تعلیم و تربیت کے انگریزی میں ایک مخصوص لفظ ہے۔ جسے کلچر کہتے ہیں اور اُسکی تعریف یہ کی گئی ہے نکالنا اور اوبھارنا اور نشو و نما دینا اور درجہ کمال پر پہونچانا اور صحیح مقصد کی طرف لیجانا اُن تمام قوتوں کا جو قدرت نے انسان میں بالقوہ رکھی ہیں یہی وہ تعریف ہے جو حکمائے اسلام نے کی ہے وہ فرماتے ہیں" التعلیم ہو اخراج ما فی قوۃ نفوسہم من العلوم والمعارف والصنائع والحکم الی الفعل والظہور وان التعلم والتعلیم لیسا شیئاً سوی اخراج ما فی القوۃ یعنی الامکان الی الفعل یعنی الوجود فاذا نسب ذالک الی العالم سمی تعلیما وان نسب الی المتعلم یسمی تعلما ؎۱

یونان کے قدیم فلاسفہ نے بھی تعلیم کی یہی تعریف بیان کی ہے۔ یورپ کے مذہبی علماء بھی اس تعریف سے متفق ہیں اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم اس تعریف پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر اختلاف ہے تو اسمیں ہے کہ جو قوتیں انسان میں بالقوہ رکھی گئی ہیں اور جنکے نشو و نما دینے سے وہ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ سکتا ہے انمیں سے کوئی قوت ایسی بھی ہے جو اُن معارف و حقایق کا ادراک کرسکے جو عالم شہود سے خارج اور ماوراء محسوسات ہیں۔ اور جو الٰہیات سے تعبیر کی جاتی ہیں اس زمانہ کے ماہران علوم طبعی جو لاادریت کے دلدادہ ہیں اور جو ماوراء محسوسات سے اپنے آپ کو بےخبر اور قواء انسانی کا۔ مبلغ ما یُدرک عن الحواس پر محدود سمجھتے ہیں وہ کسی ایسی قوت کے ہونے سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں گو وہ کوئی قطعی دلیل ایسی قوت کے نہونے کی نہیں رکھتے اور نہ اوسکے وجود سے قطعی انکار کرتے ہیں وہ تعلیم کے مقاصد کا اگرچہ نہایت اعلیٰ معیار قرار دیتے ہیں اور نیکی اور اخلاق کی تکمیل کا نہایت بلند نمونہ ظاہر کرتے ہیں اور جذبات کو ایک

؎۱ اخوان الصفا رسالہ سابعہ جلد اول صفحہ ۱۵ ، ۱۶ ۔

ویسی چاہیئے جوکہ فی نفسہ اُنہیں کا حق ہے۔ تاکہ انسان اُس تعلق کو جس سے وہ اپنے خالق کے ساتھ وابستہ ہے تسلیم کرکے عملی طور پر اوسکو ثابت کرے اور اپنی انتہائے حالت پر پہونچے۔" واتم لہ حالاتہ ان یخرج کل ما فی قوۃ النفس[1] من الفضائل الی الفعل و ہو ان یصیر الانسان مومناً حقاً عالماً ربانیاً حکیماً فیلسوفاً محققاً" جبکہ علم اپنا مقصد یہ تجویز کرتا ہے کہ انسان کی فطرت اعلیٰ ترین کمال پر پہونچائی جائے تو اُس پر واجب ہے کہ خدا کی طرف رہنمائی کرنے والی قوتوں کو جنکا انکار وہ لوگ بھی نہیں کرتے جوکہ اُس سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں ضرور کام میں لائے یعنی مذہب کو اعلیٰ درجہ دے اور چونکہ مذہب کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ اوسکا کام ہے انسانی فطرت کو اعلیٰ ترین درجہ پر پہونچانا۔ تو اوسے بھی لازم ہے کہ تمام قوتوں کو جو انسان میں رکھی گئی ہیں پورے طور پر نمو دے اور اونکے عطا کرنیوالے کی مرضی کے مطابق اُنہیں کام میں لائے۔ پس اگر مذہب حق ہے اور پاک۔ اور خدا کی طرف سے جسمیں نہ تعصبات ہوں۔ نہ اوہام نہ تحکمانہ احکام تو وہ اس بات کو چاہیگا کہ جتنے عطیے ہم کو دیئے گئے ہیں ونکا عمدہ ترین طور پر استعمال کیا جاے اور جتنی قوتیں ہمکو جس مقصد کے لئے دی گئیں ہیں وہ سب کام میں لائی جائیں اور اس طرح پر جب کہ مذہب اپنا فرض پورا پورا ادا کرتا ہے تو طبائع انسانی کو علم کی طرف لیجاتا اور اپنی تعلیم کو اوس سے مطابق و متحد کرتا ہی اور اگر یہ راے صحیح ہے تو علم و مذہب دو مختلف قوتیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک خط کے دو مقابل نقطے ہیں ایک الہٰی اور دوسرا انسانی۔ یا یہ کہو کہ ایک مذہبی۔ دوسرا علمی۔ اگر سیدھے خط پر ایک نقطہ سے چلو تو دوسرے نقطہ پر پہونچ جاؤگے انسانی اور علمی نقطہ سے چلنے کا اختتام مذہب اور الہٰی نقطہ پر۔ اور مذہب اور الہٰی نقطہ سے چلنے کا انجام انسانی اور علمی نقطہ پر ہوگا یعنی علم کی انتہا مذہب پر اور مذہب کا خاتمہ علم پر ہوگا اور گو ان دونوں کا نیچر جدا جدا معلوم ہوتا ہے اور دو مختلف نقطوں سے اپنے اپنے مقصد کیطرف چلتے ہیں۔ تاہم اصل میں وہ مختلف نہیں ہیں اگر علم کو کامل طور پر سمجھا جاوے اور اوسکے اصلی مقاصد اچھے طور پر پورے کئے جاویں تو ضرور وہ مذہب کی طرف رہنمائی کریگا یعنی ہماری روحانی اور آسمانی قابلیتوں کو نمو دیگا اور مذہب اگر سچا اور حق ہے اور تعصبات و اوہام سے پاک اور تحکمانہ عقائد و احکام سے خالی۔ تو ضرور وہ تمام فطرتی قوتوں کو باہر نکالیگا اور اونکا عمدہ ترین استعمال بتائیگا۔ اور ان قوتوں کو

[1] اخوان الصفا رسالہ رابعہ جلد ثانی صفحہ ۳۳ –

قوتیں سب یکساں نشو نما پاویں اور سب کو برابر غذا پہونچے تاکہ تعلیم کی غایت یعنی انسانی خوشی اور انسانی نیکی اور انسانی کمال حاصل ہو۔

تعلیم کی یہ تشریح نہایت صحیح ہے اور جو علت غائی اوسکی بیان کی گئی ہے وہ نہایت درست ہے جبکہ تعلیم یا کلچر سے یہ مراد ہے کہ انسان اپنی فطرت کو اعلیٰ ترین درجہ کمال پر پہونچانے کی کوشش کرے۔ اور جتنی قابلیتیں اور قوتیں اُسمیں ہیں اُنکو پورے طور سے بڑہنے دے تو وہ اسی پر مسدود نہیں ہوسکتی کہ ایک ذی عقل میں صرف مادہ ادراک زیادہ کردیا جائے اور مظاہر کائنات کی تحقیق پر اوسکے تمام قوتیں محدود کردی جائیں بلکہ ضرور ہے کہ جو لگاؤ انسانیت کو اُلوہیت سے ہے اوسکو بھی جہاں تک ممکن ہے ویسا ہی ترقی دیا جائے جیسا کہ اُن تعلقات کو جو جسمانیات اور محسوسات سے ہیں اور حقایق اشیائکے ادراک اور ما فی الکائنات کی ترتیب کا علم حاصل کرنے کی خواہش اس غرض سے کی جاے کہ عالم کا نظم اور کائنات کا نظام استطاعت نظری کے موافق ہماری سمجھ میں آجائے۔ تاکہ ہم خود اُس نظام سے موافقت پیدا کریں اور خدا کی مرضی کو اپنے اوپر اور اپنے گرد کی چیزوں پر غالب کریں۔ ہمارے علوم حقیقی اور ہمارے اخلاق پاکیزہ اور ہمارے خیالات درست اور ہماری رائیں صحیح اور ہمارے معاملات سچے اور ہمارے افعال پاک ہوں اور ہماری رُوح کی اندرونی حالت مرضی الٰہی کے مُطابق ترقی پاے۔ زندگی کا مآل کار اور کالبد خاکی کا جسمیں خدائی روح داخل ہے یہی انجام مقصود نہیں ہے۔ کہ ہم اُنہیں باتوں کو جانیں اور اُنہیں کو سیکھیں اور اُنہیں پر عمل کریں۔ جو اس مادی عالم میں بکار آمد ہیں اور نہ یہ قوتیں ہمکو اس لئے دیگئی ہیں کہ ہم اُنکو صرف جسمانیات پر محدود کردیں اور فقط دنیاوی فوائد کے لئے کام میں لائیں بلکہ اس غرض سے ہم کو عطا کی گئی ہیں کہ ہم اونکو اپنی قدرت کے موافق اتنا نشو و نما دیں کہ وہ خدائے پاک کی عظمت و جلال اور قدرت و کمال کے ظاہر کرنے اور نیز بنی نوع انسان کی بہبودی کے ترقی دینے کے کام آئیں تاکہ وہ سلسلہ جو مخلوق اور خالق میں ہے مستحکم ہے۔ اور ہم حیات ابدی حاصل کریں۔ اسلئے تعلیم میں جو مذہبی حصہ ہے اوسکو تسلیم کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ تمام حصوں پر اوسے مقدم سمجھنا اور قابلیت کے مدارج مختلفہ اور مراتب متنوعہ کے درجات اور حدود قائم کرنے میں روحانی قوتوں کو زیادہ نشو و نما دینا اور اُن قابلیتوں کو جنکا لگاؤ خدا تعالیٰ سے ہے وہی اعلیٰ و بزرگ

مطلب کے لئے کچھ مضمون بڑھا دیا ہے غرض کہیں کہیں سے اُن ہی مضامین کا ترجمہ کیا ہے جنکو میں نے یہ جانا کہ اکثر پڑھنے والے سمجھ سکینگے۔

(۱) مذہب و سائنس

ہر شر میں کچھ خیر ہوتی ہے اور ہر جھوٹ میں کچھ سچ۔ اسکو کلیۃً اکثر عاقل مانتے ہیں۔ لیکن جب کسی کے عقیدوں کو جانچتے ہیں تب وہ کلیہ دل سے بھلا دیتے ہیں اور ذرا نہیں سوچتے کہ جو عقیدے سب بالکل غلط نظر آتے ہیں اُن میں کچھ راستی ضرور ہوگی اگر کوئی عقیدہ واقع کے مطابق نہ ہو تو اُس کو ردی جانکہ نظر انداز نکرنا چاہیئے بلکہ سوچنا چاہیئے کہ آخر کوئی بات تو اس عقیدہ میں تھی جسنے اُس کو معتقد کے دل میں بٹھا دیا۔

بلا سبب تو کوئی بات دل میں جم ہی نہیں جاتی۔ عقیدہ ہو جانے کا ضرور سبب چاہیئے اور غالباً یہی سبب ہوگا کہ معتقد کو چیزوں کے جو تجربے ہوتے رہتے تھے وہ عقیدہ اُن تجربوں کی رو سے واقع کے مطابق تھا۔ ایسا ہوا ہوگا کہ نہایت ناقص اور ادنیٰ مطابقت کو معتقد نے کافی سمجھ لیا ہوگا۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ عقیدہ کو واقعیت سے لگاؤ ہی نہ ہو۔ اگر واقعیت سے لگاؤ نہونے پر بھی کوئی عقیدہ ممکن ہوتا تو لازم آتا کہ ایک بات کا بھی معتقد تمام ناممکنات کا معتقد ہو جاوے۔

بیہودہ ترین روایت بھی کسی واقعہ کی نقل ہوتی ہے اگر واقعہ نہ ہو تو امکان نہیں ہے کہ روایت گھڑلی جاوے + تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔ یہ تو ہوتا ہے کہ ٹیڑھی ترچھی شعاعیں نازک اندام حسین۔ متناسب الاعضا کی پرچھائیں کو کلفت کرکے بد منظر ڈراونا کر دکھائیں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ سایہ دار نہ ہو اور سایہ پڑے۔ بے سبب کے مسبب اور بے جرم کے سایہ عقل انسانی باور نہیں کرسکتی۔ ایسا ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ واقع سے دور کرنے والی حکایت اور توڑنے مڑوڑنے والی افواہ ورافواہ کسی بات کو واقع کے خلاف بیان کریں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ بے واقع کے روایت بنجاوے۔ ا وہ ہی نہ ہو تو صورت کون قبول کرے آدمی کے سب عقیدوں کا یہی حال ہے۔ بے واقعیت کے لگاؤ کے نہ کوئی عقیدہ پیدا ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے جب تک معتقدوں کو ایسے تجربے نہیں ہوتے جنسے عقیدوں کا واقع کے مطابق ہونا دل میں نہ جم جاوے تب تک وہ ہرگز کسی عقیدے پر اعتقاد نہیں کرتے۔ یہ اور بات ہے کہ مطابقت اصل میں تھی یا نہ تھی۔ یا تھی تو کافی تھی یا ادنیٰ مگر معتقد کے تجربہ کے

وہ نہ صرف اس وجہ سے کام میں لانے کے لائق نپائے گا کہ وہ فی نفسہ اسکے لائق اور اسکے مستحق ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ عطایائے ایزدی میں سے ہیں اور جس مقصد کے لئے دیگئی ہیں اون سے وہ کام لینا چاہیئے۔ اور اس طرح سے سچا مذہب کلچر اور علم کے تمام اغراض اور مقاصد کو پورا کرسکے گا۔

مگر باوجودیکہ علم و مذہب کے مقاصد فی نفسہ متحد ہیں۔ مگر افسوس و تعجب یہ ہے کہ عملًا دونوں اُس اتحاد کو ثابت نہیں کرتے بلکہ اونکا باہمی برتاؤ معاندانہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو علم انسان کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کا لحاظ کرتا ہے۔ مگر سب سے اعلیٰ قابلیت کی کچھ خبر نہیں لیتا۔ تمام جسمانی قوتوں کو اُبھارنے اور باہر لانے کی کوشش کرتا ہے اور جس کام کے لئے وہ قوتیں دیگئی ہیں وہ انکو ان کاموں کے کرنے کے لائق سدھاتا اور بناتا ہے۔ مگر دل کی اُس قوت کو جو سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ زبردست اور سب سے برتر و اعلیٰ ہے یعنی وہ قوت جو خدا کے پہچاننے اور اُسکی مرضی کے مطابق عمل کرنے کے لئے دیگئی ہے اُسے ضائع کرتا ہے اور دوسری طرف مذہب اپنی روحانی عظمت اسی میں سمجھتا ہے کہ انسان کی تمام جسمانی باتیں حقارت کی نظر سے دیکھی جائیں اور اونکی مذمت کیجائے۔ اور ساری جسمانی اور دماغی اور عقلی قوتیں اس طرح سے ضائع اور بے کار کردی جائیں کہ گویا خدا نے اُنکو کام لینے کے لئے بنایا ہی نہیں اور اس طرح مذہب علم سے اپنے مقصود اور حقیقت سے اپنے تئیں دور کرلیا ہے اور ایک نہ ختم ہونیوالی جنگ دونوں میں قائم ہوگئی ہے۔

(محسن الملک)

(۱۵) مسٹر ہربرٹ سپنسر نے جو آجکل انگلستان میں فلسفہ میں ارسطو کے ہم مرتبہ سمجھے جاتے ہیں اپنے فلوسوفی کے ایک حصہ میں مذہب و سائنس کا بیان لکھا ہے اسکے چند صفحوں کا ترجمہ انگریزی سے اُردو زبان میں جناب مولوی سید کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا نے تہذیب الاخلاق مطبوعہ سنہ ۱۳۱۲ ہجری میں شائع کیا ہے یہ ترجمہ ایسا عمدہ ہے کہ میں اسکی برابر ترجمہ نہیں کرسکتا اسلئے میں اس ترجمہ کو دفعہ ہذا میں بعینہ نقل کرتا ہوں اور دفعہ (۲) سے آگے میں اپنا برا بھلا ترجمہ کمی و بیشی کے ساتھ لکھتا ہوں۔ جن مضامین میں اصطلاحات و معلومات علمیہ کی زیادہ ضرورت تھی اُنکو چھوڑ دیا ہے اور کہیں کہیں توضیح

مشہور رایوں کی بابت فیصلہ کرنا پڑے کہ اُنمیں اور واقعوں میں جن پر وہ رائیں مبنی ہیں کیا علاقہ ہے تب وہ کلیہ بہت کام دے۔ ہم مشہور رایوں کی بابت ٹھیک اندازہ کرسکیں کہ اُن کو واقعات سے کتنا لگاؤ ہے۔

اِس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ مشہور رایوں کی وقعت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم اُن رایوں کی نفی یا اثبات کی طرفداری سے پاک ہوکر اُنپر نظر ڈالیں نہ تو اِس بات پر بھروسا کریں کہ آوازِ خلق نقارہ خدا ہے اور جس رای پر لاکھوں آدمیوں کو اتفاق ہے وہ ضرور واقع کے مطابق ہوگی اور نہ اِس قول کی پیروی کریں کہ جمہور اکثر غلطی پر ہوتے ہیں اِس وجہ سے اُنکی راے واقع کے خلاف ہوگی۔ بلکہ لازم ہے کہ ان دونو نہایتوں کو چھوڑکر اعتدال پر آویں اور متواتر رایوں کو واقعات سے مقابلہ کرکے جانچیں کہ عموماً متواتر رایوں اور واقعوں میں کیا نسبت ہوا کرتی ہے کس درجہ تک ایسی رائیں واقع کے مطابق ہوا کرتی ہیں اور کتنا اُنمیں سے واقع پر منطبق نہیں ہوتا جو کلیہ ایسی جانچ سے بنے اُسی پر ہمکو عمل کرنا چاہیئے اور اِس بات کے اندازہ میں کہ کسی مشہور راے میں مطابقت واقع کا کتنا حصہ ہے اُسی کلیہ سے کام لینا چاہیئے نہ یہ کہ اُس راے کو بے نظیر جانچے یہ خیال کرلینا چاہیئے کہ وہ بالکل سچ یا محض غلط

مثال کے طور سے ہم ایک عقیدے کو جو ہمیشہ سے مختلف صورتوں میں دنیا کی تمام قوموں میں چلا آیا ہے۔ جانچنا چاہتے ہیں کہ اوس عقیدے کے کون کون سی صورت کس حد تک واقعیت پر مبنی تھی جیسے تاریخ پتہ دیتی ہے۔ ثابت ہو کہ دنیا کی جن قوموں میں سلطنت رہی ہے اُنکی فردوں میں اُس بات پر اتفاق رہا ہے کہ قوم کے لئے ہر وقت کسی نہ کسی قسم کے سلطان کی ضرورت ہے تاہم ہمیشہ سے مختلف قوموں اور ایک ہی قوم کے مختلف عہدوں میں اِس بات میں اختلاف رہا ہے کہ سلطان کی اصل کیا ہے اُسکے کام کیا کیا ہیں اُسکے اختیار کیا ہیں سب سے قدیم روایت یہ تھی کہ بادشاہ خدا ہوتا ہے یا نیم خدا اُسکی ماہیت اور خدا کی ماہیت ایک ہی ہوتی ہے اور اُسکے اختیارات الٰہی اختیارات ہوتے ہیں اُسکی رعایا اُسکے بندے ہیں اُنکے جان و مال میں جس طرح سے چاہے تصرف کرے۔ نہ کسی کو مجال دم زدن ہے نہ کوئی چون وچرا کرسکتا ہے نہ وجہ دریافت کرسکتا ہے اُس وقت کے بادشاہوں کے القاب الٰہی القاب ہوتے ہیں اور رعایا اُنکی حضور جلال میں اُسی خضوع و خشوع سے حاضر ہوتی تھی جیسے بندے معبود حقیقی کی عبادت گاہوں میں آتے ہیں اور کبھی کبھی تو بادشاہوں کی

موافق اتنی ضرور تھی کہ جس سے وہ عقیدہ دل میں بیٹھ گیا ممکن ہے کہ مطابقت واقع کا شائبہ اب بھی اُس میں پایا جاتا ہو۔

جتنا ہی کسی عقیدہ کا طول یا عرض بڑھتا جاوے اُتنا ہی اُس عقیدہ کی راستی پر مبنی ہونے کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

جن عقیدوں کو لکھو کہا آدمی ہزارہا برس سے مختلف مُلکوں میں مانتے چلے آتے ہیں۔ اُنمیں راستی کا اصل ہونا تو بہت ہی غالب بلکہ یقینی ہے آجکل یہ مسلم ہے کہ اگر ہمارے اندرونی اذعانوں اور بیرونی سانحوں میں گونہ مطابقت نہ ہو تو جینا ناممکن ہے اور مسئلہ مذکور کے ماننے کی وجہ سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے اذعانوں کا اکثر حصہ فی الجملہ سچ یعنی واقع کے مطابق ہے اور دو نو مسئلوں مذکور کے ماننے کی وجہ سے اس بات کا ماننا بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ وہ عقیدے جنکے لکھو کہا آدمی معتقد ہیں ہرگز بے بنیاد نہیں اور جو شخصی غلطیاں کہ اُن عقیدوں کی بابت ہیں اگر وہ چھانٹ دی جاویں تو باقی کے مطابق واقع ہونے کا احتمال بہت ہی قوی ہو جاتا ہے۔ یہ اعتراض کہ بہت سے لوگ عقیدوں کو سُنکر مان لیتے ہیں اپنے ذاتی تجربوں سے کبھی نہیں دیکھتے کہ اُن میں واقع کی مطابقت ہو کہ نہیں۔ اس وجہ سے معتقدوں کی کثرت ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ عقیدہ سچا ہوگا بجا نہیں ہے اس لئے کہ صرف وہی عقیدے بلا تجربے سُنکر مان لئے جاتے جو سامعین کے اور موجودہ عقیدوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور جن میں ذاتی تجربہ کی حاجت نہیں ہوتی اور ملتا جلتا ہونا بالواسطہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سُنا ہوا عقیدہ واقع کے مطابق ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ ثبوت کافی نہو لیکن ایک قسم کا ثبوت تو ہے +

نمبر ۲

گذشتہ بیان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ رایوں اور واقعوں میں کچھ لگاؤ ہوتا ہے جب تک واقعہ نہ ہو اُسکی بابت رای نہیں بنتی۔ اب یہ بات جانچنا باقی ہے کہ رائے میں اور واقعہ میں کیا لگاؤ ہوتا ہے اگر ایسے لگاؤ کا کوئی کلیہ ہمارے ہاتھ آجاوے تو بہت خوب ہو اور جب ہم کو

عقیدہ کے طول سے میری مراد مختلف زمانوں میں اُسکے معتقد کا موجود ہونا ہے یا اُس کے عقیدہ کی عمر ہے اور جسقدر اور عقیدہ کے عرض سے ایک ہی زمانہ میں مختلف ملکوں میں اُس عقیدہ کے ماننے والوں کا موجود ہونا ہے اسمیں شبہ نہیں کہ عقیدہ کے لئے جو وجدانی حالت ہے طول و عرض کی صفت اختراع کرنا نئی بات ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۲۱)

عبدیت صرف کے مرتبہ سے جدا کر لیتے ہیں اور بادشاہوں کو جو قدرت مطلقہ جانوں اور مالوں پر تھے اُنمیں کمی ہو جاتی ہے اور سلطانی خطابوں میں بھی وہ عبدیت اور تذلل جو بادشاہوں کے خدا ہونے کے زمانہ میں تھا باقی نہیں رہتا۔ بادشاہ معبودیت سے حکومت کی طرف اور لوگوں کی عبدیت محکومیت کی طرف چلنے لگتی ہے اگر بادشاہ کسی کی جان بوجھ لینا چاہے تو نہ خود مظلوم بلکہ اور رعایا بھی سر تابی کرنے لگتی ہے۔ اگر بادشاہ کسی کا مال غصب کرے تو مزاحمت ہوتی ہے یتصرف فیہ کیف یشاء کا زمانہ الوہیت کے عہد کے ساتھ چل بستا ہے۔ اس عہد میں لوگ بادشاہ کے حکموں کو صرف حاکم کا فرمان سمجھ کر قبول کرتے ہیں احکام الٰہی کی مانند واجب العمل نہیں جانتا۔

علم سیاست کی جتنی اور ترقی ہوتی ہے اُتنا ہی سلطانی قدرت میں تنزل ہوتا ہے۔ بادشاہ کے اللہ یا خلیفۃ اللہ ہونے کی بجائے یہ عقیدہ شروع ہوتا ہے کہ بادشاہ بہت نیک۔ بہت عقلمند۔ بہت قوی۔ بہت حسین ہوگا۔ عقیدہ عبدیت کے بدلے وفاداری کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے اور بادشاہ کے برگزیدۂ خدا ہونے کا عقیدہ بھی دلوں میں نہیں رہتا ورنہ انگلستان والے چارلس اول کو قتل نہ کرتے اور نہ جیمس دوم کو تخت سے اوتارتے بلکہ برگزیدہ خدا ہونے کے بدلے یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ بادشاہوں کو تخت نشین ہونے کا صرف اُتنا ہی حق ہے جتنا رعایا دے یعنی بادشاہ کرنا یا نہ کرنا خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ رعایا کی طرف سے ہے اور عقیدہ سلطنت میں جب مذکورہ بالا ترمیمیں ہوتی ہیں تب یہ ترمیم بھی ہوتی ہے کہ رعایا بادشاہ کے صرف اُنہیں قوانین کی پابند ہے جنکے بنانے کی اجازت رعایا نے بادشاہ کو دی ہے گو قولاً فرمانبری کا اعتراف زبانوں پر رہ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ عقیدہ سلطنت میں ایسا تغیر ہو جاتا ہے کہ قدیم زمانہ کے عقیدے میں ہی فرق ہو جاتا ہے جو مثبت اور منفی میں ہے یا قلعی اور تیزاب میں۔

علم سیاست میں سلطنت کے پارینہ عقیدے کو چھوڑ دینے کا صرف یہی اثر نہیں ہوا کہ خود مختار بادشاہ کے ہاتھ سے عنان حکومت چھین کر ہم نے ایسے گروہ کے ہاتھ میں دیدی جو قوم کا وکیل ہے بلکہ حکومت کی بابت جتنی قدیم رائیں تھیں وہ یک لخت بدل گئیں

پرستش بھی ہوئی ہی قدیم زمانہ میں بادشاہوں کا اللہ یا نصف اللہ ہونا خیالی بات نہیں ہی واقعی ہی اور اُسکا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اب بھی بعض ایسی وحشی قومیں موجود ہیں جنمیں بادشاہ الہی النسل مانا جاتا ہے اور جس زمانہ میں بادشاہ کو خدا جانتے تھے اُس زمانہ میں لازمی نتیجہ اُس عقیدہ کا یہ بھی تھا کہ وہ اپنی رعایا کی جان و مال کا بلا سہیم وشریک مالک شمار ہوتا تھا جسکا جو مال چاہے لے لے اور جس وقت جسکو چاہے ہلاک کردے ابتک جزیرہ فیجی میں بندہ خطاوار بدون اسکے کہ اوسکی مشکیں بندھی ہوں یا کسی اور طور سے اسیر ہو بادشاہ کے روبرو قتل کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے اور وہ بندہ خود کہتا ہے کہ خداوند کا جو حکم جان لینے کی بابت ہے وہ ضرور پورا ہونا چاہئے ۔

جب زمانہ ترقی کرتا ہے تو اور تغیروں کے ساتھ سلطنت کے عقیدے میں بھی ترمیم ہوتی ہے اور بادشاہ کے خدا یا نیم خدا یا خدا کی نسل سے ہونے کا عقیدہ اوٹھ جاتا ہے یہ عقیدہ رہ جاتا ہے کہ خدا کے نہ تو نسل ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے پھر بادشاہ کیسے خدا۔ یا اوسکا بھانجا بھتیجا ہوسکتا ہے بادشاہ خدا تو نہیں ہے ظل اللہ ضرور ہے اور جان و مال پر اوسکو وہی اختیارات ہیں جو خدا کو۔ اب تک بعض بلاد شرقیہ کے خیالوں سے اُس عقیدہ کی بو آتی ہے وہاں بادشاہوں کو انہیں لفظوں سے خطاب کرتے ہیں جو خدا کی شان میں بولے جاتے ہیں اور رعایا کی جان و مال سب فعلاً نہ سہی تو قولاً ضرور ملک سلطانی تصور ہوتی ہے ۔

جب زمانہ اور ترقی کرتا ہے اور تہذیب پھیلتی ہے اور وہ حالت پہونچتی ہے جو قرون متوسطہ یورپ میں تھی۔ تب سلطنت کے عقیدے میں اور زیادہ ترمیم ہوتی ہے بادشاہوں کے الہی النسل ہونے کا عقیدہ بالکل زائل ہو جاتا ہے لیکن یہ عقیدہ باقی رہتا ہے کہ بادشاہ وہی ہوتا ہے جو برگزیدۂ خدا ہو۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ جسکے جی میں آوے بادشاہ بن بیٹھے اُس زمانہ میں ...... بادشاہ سے خدائی چھن جاتی ہے۔ نیم خدائی بھی اوسکے قبضہ میں نہیں رہتی لوگ اتنی بھی رعایت نہیں کرتے کہ ابن اللہ ہونے دیں البتہ خلیفۃ اللہ ہونا قبول کر لیتے ہیں جب لوگ بادشاہ کو عرش الہی سے اوتار کر مسند خلافت پر بٹھا دیتے ہیں تب خواہ مخواہ ابتک

سیاست کے عقیدوں کا انقلاب یہاں نہیں تھم گیا۔ ابھی تک جو انقلاب ہم نے بتائے
وہ تو اب عام طور سے جمہور میں شائع ہیں مگر جمہور کے علاوہ انگلینڈ میں ایک گروہ اور بھی موجود
ہے جسکا عقیدہ یہ ہے کہ سلطنت کے اختیاروں کا دائرہ اب بھی بہت وسیع ہے اسکو اور
بھی تنگ کرنا چاہیئے وہ کہتے ہیں کہ جب یہ بات طے ہو چکی کہ سلطنت رعایا کی بہبود کے لئے ہے
نہ یہ کہ رعایا سلطنت کی خدمت کو جیسا کبھی عقیدہ تھا تب جو جو تفریعیں اُس کلیہ سے نکلیں اُن
سب پر عمل کرنا چاہیئے وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے افعال و اقوال میں اُس حد تک پوری
آزادی ہونی چاہیئے جس حد تک وہ دوسرے شخص کے اقوال و افعال کی پوری آزادی
میں رخنہ نہ ڈالے اور سلطنت کو ہرگز اختیار نہ ہونا چاہیئے کہ کسی طور سے فردوں کی آزادی
مذکور میں فرق ڈال سکے اگر سلطنت اُس آزادی میں کمی کرنا چاہے تو اُسکا بڑا ظلم ہے نہ تو
سلطنت کو کسی ایسے قول و فعل سے ممانعت کرنا چاہیئے جو حیطۂ مذکور کے اندر ہو یا کسی ایسے
قول و فعل کا حکم دینا چاہیئے جو اُس سے باہر ہو اور آزادی مذکور کے قائم رکھنے کے لئے جتنا
خراج ناگزیر ہے اس سے زیادہ خراج بھی ہرگز نہ لینا چاہیئے۔

گروہ مذکور کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سلطنت کا اصلی کام یہی ہے کہ ایسا انتظام کرے جس سے
ہر فرد کو اپنے اقوال و افعال میں اُس حد تک کہ دوسروں کے افعال و اقوال سے مزاحمت
نہ کرے کامل آزادی ہو نہ تو رعایا ایک دوسرے کی آزادی میں خلل انداز ہو سکے نہ کوئی باہر کا
دشمن قوم یا فردوں کی آزادی میں رخنہ پیدا کر سکے اُس کام کے سوا سلطنت کا اور کچھہ کام
نہیں ہے اگر وہ کچھہ اور کرنا چاہے تو ظلم ہے یا غلطی۔ اُس گروہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ابتک
جتنی ترقی تہذیب میں ہوئی ہے اُتنی ہی رعایا کی آزادی بڑھی ہے اور اُتنا ہی سلطنت کا
اختیار گھٹتا ہے اور اس مناسبت سے قیاس میں آتا ہے کہ بہترین سیاستی حالت وہ ہوگی جسمیں کل
رعایا کی شخصی آزادی اکثر اور سلطنت کا اختیار بقدر امکان اقل ہو۔ ہر فرد کو اُس حد تک پوری
آزادی ہو جس حد تک وہ باقی فردوں کی پوری آزادی میں درانداز نہ ہو اور سلطنت کا
بس اتنا ہی کام رہ جاوے کہ وہ اس حالت کو قائم رکھے۔

بالجملہ مختلف وقتوں اور ملکوں میں سلطنت کے عقیدہ نے کیسے پلٹے کھائے ہیں بادشاہوں
کی اصل میں اُنکے اختیاروں میں۔ اُنکے کام میں عقیدے نے کیا کیا رنگ بدلا ہے اجمالاً
اُسکے وہی جنسیں ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں لیکن ہر ایک جنس میں بیشمار نوعیں ہیں جن کا

کہاں تو یہ رائے تہی کہ سلطنت کے اختیار غیر محدود ہوتے ہیں رعایا کی جان و مال کی بابت جو اونکی جی میں آوے کر سکتے
ہیں کہاں اب یہ رای کہ جتنا اختیار جان و مال کی بابت رعایا سلطنت کو سونپ دی اُسکی سوا ذرہ بہی اختیار نہیں
یا تو یہ رای تہی کہ رعایا اور قوم کی فردیں سلطنت کی آرام اور فائدہ کے لئے ہیں یا اب یہ رائے ہی کہ سلطنت عایا
اور قوم کی فردوں کی واسطے ہی کسی زمانہ میں رعایا کی مرضی بادشاہ کی مرضی کے تابع تھی۔ اب بادشاہ
کی مرضی رعایا کی مرضی کے سپرد ہے۔ گو انگلینڈ میں کوئی ایسا صریح قانون موجود نہیں ہی کہ سلطنت
کو کسی رعیت کی جان لینے کا اختیار نہیں تاہم اگر کسی وقت میں سلطنت ایسا ارادہ کرے تو بجای
اُس کے کہ اُس فرد کی جان جاوی خود سلطنت پر زوال آوی گا۔ اگر کسی وقت پارلیمنٹ چاہے
کہ کسی شخص یا فرقہ کی خدمتوں کو سرکاری کاموں میں زبردستی بلا اُجرت لگاوی۔ یا کسی کے مال پر
بے وجہ قبضہ کر لے تو ہزارہا زبانیں پکارنے لگیں کہ پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہیں ہی۔ اور اُس کی
کیا مجال ہے جو ایسا قصد کر سکتی ہے انگلینڈ والوں نے اپنا جان و مال ہی فقط سلطنت کے
قبضہ سے نہیں چھوڑا لیا۔ بلکہ وہ بہت سی جزئیات ہیں وہ سلطنت کی حد اختیار سے باہر ہیں۔
عمریں گذریں کہ وہ قوانین جو لباس و طرز معاشرت کے قاعدے بناتے تھے تقویم پارینہ
ہو گئی۔ اور اب بادشاہ یا پارلیمنٹ اُن قانونوں کو تازہ کرنا چاہی تو چاروں طرف سے غل ہوگا کہ ان
باتوں سے بادشاہ کو کیا واسطہ۔ یہ چیزیں تو قانون کی حد سے باہر ہیں
ایک زمانہ وہ تہا کہ سلطنت لوگوں کو بتاتی تہی کہ اُنکے مذہبی عقیدے کیا ہونے چاہئیں اب
انگلینڈ میں پوری مذہبی آزادی ہے جسکے جی میں جو مذہب آوے اختیار کرے سلطنت کو
کوئی دخل نہیں گو سلطنت نے بہت زور لگائے لیکن رفتہ رفتہ اہل انگلستان نے چند
قرنوں میں جیسی مذہبی آزادی حاصل کی ہے ویسی ہی گفتار کی بہی آزادی حاصل کر لی ہے اُس
حد تک کہ دوسروں کو ستانا منظور نہ ہو ہر فرد مختار ہے جو چاہے کہے۔ اس مُلک والوں
نے اس بات کی بہی آزادی حاصل کر لی ہے کہ جس قوم کے ساتھ چاہیں تجارت کریں۔
غرضکہ سیاست کی نسبت انگلینڈ میں جو عقیدے اب شائع ہیں اُنمیں اور گذشتہ عقیدوں
میں زمین و آسمان کا فرق ہے فقط اسی میں نہیں کہ قوت سلطنت کن شخصوں کے ہاتھ میں رہنا
چاہیئے بلکہ اس بات میں بہی کہ سلطنت کے اختیارات کی حد کیا ہے کن باتوں میں سلطنت
دست اندازی کر سکتی ہے اور کن باتوں میں اُسکو دست اندازی کا حق نہیں ہے —

(بقیہ صفحہ ۱۲۷ سے) مگر دادی مطلب کے لئے وہ ایسے مختصر اور کارآمد لفظ ہیں کہ ہم نے اُنکی ایجاد کی جرأت کی ہو۔ (۲ ۱۴ حصہ ۲)

اور اُن قدرتی اسباب میں فکر کرنے سے اسبابت کے لئے ایک دستور العمل مرتب ہوتا ہے کہ اگر قوم زندہ اور خوش حال رہنا چاہے تو باہمی برتاؤ میں قوم کی فردوں کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے اور مالی کی طرح سلطنت کا بس اتنا ہی کام ہے کہ قانون فطرت کے اُس دستور العمل پر جو قومی زندگی اور بہبود کے اسباب سے مستنبط ہوتا ہے - عمل کرا دے ایسے دستور العمل پہ عمل کرا دینے کے سوا نہ تو سلطنت کو بالذات تشریع کا اختیار ہے نہ یہ اختیار رعایا کے سونپ دینے سے اصطلاحاً سلطنت کو حاصل ہو سکتا ہے -

سلطنت کی اصل و اختیار و کام کی بابت جو مختلف عقیدے ہیں یا تو اُن میں سے ایک بالکل صحیح ہے اور باقی بالکل غلط یا ایسا ہی کہ ایک ہی محض صحیح نہیں ہے لیکن سب میں واقعیت سے کچھ لگاؤ ہے - غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شق اخیر یعنی ہر ایک عقیدے کو واقعیت سے فی الجملہ لگاؤ ہونا صحیح ہے -

سلطنت کی نسبت جو عقیدے کہ جنہیں بیان ہو چکی ہیں وہ کیسی ہی مختلف بلکہ بظاہر متناقض کیوں نہ معلوم ہوں مگر اُن سب کا دار و مدار اس واقعی اصل پر ہے کہ قوم کی زندہ اور مرفہ الحال رہنے کے لئے لازم ہے کہ اُس قوم کی فردوں کی شخصی رغبتیں قومی ضرورتوں کی گو نہ مطیع ہوں - کوئی فرد اپنے شخصی اختیار سے ایسا کام نہ کر سکے جو قومی زندگی کے خلاف ہو اور جس سے قوم کو ضرر پہونچے - اسمیں نہایت اختلاف ہے کہ شخصی رغبتیں کسی شخص کی مطیع ہوں تا کہ کہا جا سکے وہ قومی ضرورتوں کی مطیع ہیں اُس میں بھی بہت اختلاف ہے کہ کیوں مطیع ہونا چاہیئے آیا اس وجہ سے کہ مطاع کو فی ذاتہ اطاعت کا حق ہے یا قوم کے باہمی اتفاق نے اُس کی اطاعت کو واجب کر دیا ہے یا اس وجہ سے کہ قومی زندگی کے اسباب کا تقاضا ہے کہ اسکی اطاعت ہو اور اُن میں بھی اختلاف ہے کہ شخصی رغبتیں قومی ضرورتوں کی کس حد تک مطیع ہوں مگر شخص مطاع اور باعث اطاعت اور درجہ اطاعت سے قطع نظر کر کے اسپر سب کو اتفاق ہے کہ شخصی رغبتوں کو کسی نہ کسی کا کسی نہ کسی وجہ سے کسی نہ کسی درجہ تک ضرور مطیع ہونا چاہیئے اُس وحشی سے لیکر جو اپنے بادشاہ کو اپنا خدا جانتا ہے اور اُس کو اپنی جان و مال کا مالک حقیقی تصور کرتا ہے اور اُس منکر سلطان میں جسکا عقیدہ یہ ہے کہ سلطنت کو کسی طور کا حق ہی نہیں ہے نہ ذاتی نہ رعایا کا دیا ہوا اور سلطنت کسی طرح سے اُس منکر سلطنت کی شخصی آزادی میں دست اندازی نہیں کر سکتی اتنا ہی تفاوت ہے جتنا

تفصیل سے بیان کرنا بیکار ہوگا *
کیا حیرت انگیز نہیں ہے کہ کہاں تو ابتدا میں بادشاہ اللہ تھا پھر جزء اللہ ہوا - پھر ذریۃ اللہ - پھر ظل اللہ - پھر خلیفۃ اللہ اب خلیفۃ الناس ہے - ابتدائی اور انتہائی عقیدی میں وہی تفاوت ہے - جو مشرق سے مغرب تک یا سیاہی سے سپیدی تک - یا سیدہی لکیر سے دائرہ تک - جب شاہی ماہیت میں ایسے انقلاب ہیں تو ضروری تفریع ہے کہ شاہی حقوق اور احکام کے رتبوں میں بھی مناسب انقلاب ہوں جب بادشاہ قادر توانا ہوگا تب بندوں کے جان و مال بھی اوسی کے ہونگے بفعل ما یشاء و یحکم ما یرید - اور اوسکے احکام قضا شیم ہونگے کسی بندے کے دل میں سرتابی کا خدشہ بھی نہ آتا ہوگا اور جیسا ہی بادشاہ نے لوگوں کے دل میں عرش الہی سے خلیفۃ الناس کے تخت کی جانب اوترنا شروع کیا ویسا ہی اوسکی قدرت اور حکومت کی وقعت گھٹنے لگے یا تو اُسی قدرت مطلقہ تھی یا اب صرف اتنی قدرت ہے جتنی رعایا بحیثیت لوکل اسکو سونپ دے اور یا تو اُسکے احکام پاک و بری از خطا اور واجب العمل تھے یا رعایا کی مرضی سے بنائے ہوئے چند اصطلاحی قاعدے رہ گئے جنھیں سدا خطا کا احتمال ہے اور جو ہر وقت ترمیم ہوسکتے
ماہران فن سیاست کا ایک گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ صفت تشریع یعنے رعایا کے لئے قانون بنانے کا اختیار نہ تو سلطنت کی ذاتیات میں سے ہے نہ ایسی صفت ہے کہ رعایا کی اصطلاحی تفویض سے سلطنت کو ملجاوے - سلطنت تو بس اُسی دستور العمل کی پابندی کراسکتی ہے جو قومی زندگی اور بہبود کے اسباب سے مستنبط ہو الی کو بالذات یہ حکومت نہیں ہوسکتی کہ ایسے قاعدے بناوے جن سے گلاب خزاں میں پھوٹے - آم جلتے کے جاڑے میں پہلے سبزہ دہونے دینے سے - لہلہاوے درخت پتھر مارنے سے - بالیدہ ہوں باغ کے پھولنے پھلنے اور ہرا بھرا رہنے کے لئے قانون قدرت نے خاص اسباب مقرر کردیئے ہیں - اُن اسباب سے باغ کے درست رکھنے کا ایک دستور العمل مستنبط ہوتا ہے باغبان کو اگر وہ باغ کو شاداب کھانا چاہے تو اُس دستور العمل پر چلنا لازم ہے اپنی طرف سے دستور العمل بنا دینا نہ تو باغبان کی ذاتیات میں سے ہے نہ ایسی قدرت ہے جو درختوں کے سونپ دینے سے اگر وہ سونپ سکتے ہیں باغبان کو حاصل ہوسکتی ہے ایسا ہی قوم کے زندہ اور خوشحال رہنے کے چند قدرتی اسباب کا موجود ہونا لازم ہے

پر اضطرار دشمنی پیدا ہوئی کہ ایک فریق دوسرے فریق کا تخمینہ و قدر و اندازہ صحیح صحیح کرنا بالکل
بھول گیا ایک بڑی پرانی نقل یہ چلی آتی ہے کہ دو سوار بیرآمنے سامنے ایک سپر کے رنگ پر
لڑنے کھڑے ہوئے انمیں سے ہر ایک کی سپر کا رخ اپنی ہی طرف کا دکھائی دیتا تھا دوسری طرف
کا رخ نظر نہیں آتا تہا۔ ہر ایک لڑنے والا اپنی ہی طرف کے رنگ کو سپر کا رنگ بتلاتا تہا۔ اور
دوسرے پر حماقت اور بے ایمانی کا الزام لگاتا تہا کہ وہ ایسا اندھا ہے کہ اس رنگ کو نہیں دیکھتا
حالانکہ دونو کا حال ایک سا تہا کہ انمیں یہ نیک دلی معدوم تہی کہ اپنے مقابل کی جانب میں جا کر
دیکھتا کہ یہ بات کس طرح واقع ہوتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک ایک ہی چیز کو مختلف صورت میں دیکھتا
ہے۔ مذہب سائنس کی جنگ کی معرکہ آرائی کی توضیح کے لئے اس سے زیادہ کوئی اور
عمدہ مثال نہیں ملسکتی اہل مذہب اور اہل سائنس میں سے ہر ایک اپنے ہی علم کو دیکھتا ہے اور
دوسرے کے علم کے دیکھنے میں اندھا بنتا ہے اور دوسرے کو احمق اور ہٹ دہرم ٹھیراتا ہے
اس لئے اہل مذہب کو یک چشم کہتے ہیں کہ وہ مذہب ہی دیکھنے کے لئے ایک آنکھ رکھتے
ہیں اور دوسری آنکھ انکی سائنس کے یا غیر مذہب کے دیکھنے کے لئے بند ہوتی ہے)
یہ خوشی کی بات ہے کہ زمانہ آیندہ ایسا آتا جاتا ہے کہ جہاں تک طبائع انسانی اجازت
دینگی ہمارے دلوں میں بے تعصبی زیادہ ہوتی جائیگی۔ جسقدر ہم میں حق کی محبت زیادہ
اور فتحمندی کی الفت کم ہوتی جائیگی اسی قدر اس بات کے جاننے کا شوق بڑھتا جائیگا
کہ ہم اسکی جستجو کریں کہ ہمارے مخالفین جو اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے۔
ہمارے مخالفین جو اپنے ایمان و یقین اعتقاد پر ضد و ہٹ کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں
کوئی ایسا تصور جا گزین ہوگا کہ ہمارے ذہن میں اسکا سان و گمان نہیں۔ پس ہم اس میں
کوشش کرینگے کہ جو ہمارے مخالفین پاس حق کا حصہ ہے اسکو ہم ضمیمہ اس حق کے حصہ
کا بنائیں جو ہمارے پاس ہے تاکہ ان دو حصوں کے جمع ہونے سے انسان کا اختیار
بڑھے اور وہ افراط و تفریط کے اطراف سے بچے نا حق نہ اطاعت اختیار کرے۔ نہ بغاوت۔
نہ بعض آدمیوں کی رایوں کو بالکل نیک جانے۔ نہ اوروں کی رایوں کو بالکل بد۔ بلکہ صلح کل کے
مقام میں آجائے کہ نہ کوئی بالکل صحیح ہے نہ کوئی بالکل غلط ہے۔
حتی الامکان اس مذہب و سائنس کے مباحثات عظیم میں بے تعصبی و ناطرفداری کا اسلوب
اختیار کرنا چاہیئے۔ اسمیں نئی تعلیم کے تعصب کو نہ اپنے فریق کے فیلنگ کو دخل دینا چاہیے

نقیضوں میں ہوتا ہے تاہم دونوں اس بات کو مانتے ہیں کہ شخصی آزادی کی حد ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے گو اس حد کا سبب وحشی کے عقیدے میں بادشاہ کی مرضی ہے اور مہذب سلطنت کے دل میں پوری آزادی کے لئے تمام شخصوں کا یکساں استحقاق۔

(۲) اگر اصول کلیہ مذکورہ بالا کو قبول کریں اور جو طریقہ وہ بتلاتا ہے اس پر چلنا اختیار کریں تو مذہب و سائنس کی اُن مزمنہ و کہنہ عداوتوں کے معاملات میں بڑی تائید ہو جنہوں نے انسان کو مختلف الآرا دشمنانہ بنا رکھا ہے۔ ہم اس اصول کو صرف ان خیالات ہی میں کام میں نہیں لائینگے جنسے کہ ہمارا کوئی تعلق ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ خود اپنے خیالات اور اپنے مخالفوں کے خیالات میں استعمال کر کے صحیح صحیح بے خطا رائیں قائم کرینگے ہم ہمیشہ اپنے اعتقاد کے بالکل حق ماننے میں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کے بالکل باطل ٹھیرانے میں متامل و مشتبہ ہونے کے لئے آمادہ رہینگے۔ ایک جم غفیر کے اعتقادات فقط ان اتفاقات پر مبنی ہوتے ہیں کہ ایک خاص زمانہ میں روئے زمین کے ایک خاص قطعہ میں پیدا ہوے۔

(عرب میں اسلام کے زمانہ میں مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے مسلمان ہوئے ہندوستان میں کسی ہندو کے گھر میں پیدا ہوئے ہندو ہوے۔)

انسان کا تقاضاء طبیعت ہے کہ وہ اس خاص مذہب کی نسبت کہ جس میں پیدا ہوا ہے اور تربیت پائی ہے۔ اعلیٰ درجہ کی رائے رکھتا ہے اور اسی کو معزز و مکرم جانتا ہے)

ہم اس گروہ کے ساتھ غلطی میں نہیں پڑینگے نہ اس گروہ کے ساتھ شامل ہو کر خطا کرینگے۔ جو آزادانہ عیب و صواب بینی کر کے نہایت حقارت کے ساتھ کل اعتقادات سے انکار کرتا ہے

اعتقادات میں جو عداوتیں ہیں انمیں سب سے زیادہ قدیم و وسیع و عظیم عداوت وہ ہے جو مذہب و سائنس کے درمیان ہے۔ انسان کے کل علم کی مملکت میں قوموں کے نہایت پیچیدہ روابط اور انکے نہایت سیدھے سادے کاموں میں یہ عداوت اپنا رنگ دکھاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے دل کے مختلف اسلوب ہوتے ہیں اسکے خیال کرنے کی عادت رنگ برنگ کی ہوتی ہے۔ پس یہ خیال کرنے کی نیرنگی جدا جدا بری بھلی تاثیرات قلب انسانی پر پیدا کرتی ہے اور انسان کے روزانہ چال چلن طرح طرح کے بناتی ہے۔

ہر زمانہ میں سائنس اور مذہب کے علموں کے نیچے رایوں کی متواتر لڑائیاں جاری ہیں اور کبھی موقوف نہیں ہوئیں جسکے سبب سے اہل مذہب اور اہل سائنس کے درمیان میں

خاتمہ کیا ہے یہ جو ہر مذہب اپنا جلوہ دکھا رہا ہے کہ اُس میں بیشمار تفسیر یقین موجود ہیں اور پھر بھی ان میں رفاقت ہے۔ یہ فرض کرنا کہ یہ رفاقت اتفاقی مصنوعی ہے یہ ایک نامعقول بات کا مان لینا ہے۔ اگر معقول راست بازی و نیک دلی کے ساتھ شہادت کا امتحان کیا جاوے تو وہ اس مسئلہ کو جو بعض آدمی پیش کرتے ہیں بالکل نامعقول ثابت کرتی ہو کہ۔ اعتقادات مذہبی مرشدان مذہبی کے ایجادات ہیں۔ اگر ہم اس بات کو بالکل احتمالات کا ایک مسئلہ بنائیں (احتمال پروبےبلٹی کا ترجمہ کیا ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ ایک بات قابل اعتبار ثابت ہو مگر اسمیں شبہ ہوسکے) تو عقلاً یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ہر ایک سوسائٹی نے خواہ وہ گذشتہ ہو یا موجودہ ہو وحشی ہو یا مہذب اسکے ایک خاص گروہ کے ممبروں نے آپس میں سازش کرکے سب کو دہوکہ ایسے طریقوں سے دیا ہو جو متشابہ ہوں۔ اگر کوئی اسکے جواب میں یہ کہے کہ جب سب انسان ایک ہی جا جمع تھے اور جابجا منتشر نہ ہوئے تھے تو اس حالت میں مرشدان مذہبی نے جھوٹے ابتدائی افسانے دہوکہ بازی کے بنالئے تو اسکا جواب یہ ہے کہ علم فلولوجی (علم اشتقاق لسان) سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے مرکز اجتماع سے جابجا منتشر ہوا ہے تو اس وقت اسکی زبان میں یہ قابلیت ہی نہ تھی کہ اس میں مذہبی خیالات کی تدوین ہوسکتی اب اگر کسی اور طرح سے اعتقادات یقینیات مذہبی کا مصنوعی ہونا معقول فرض کیا جائے تو وہ ان واقعیتوں کے وجوہ بتانے میں ناکام رہتا ہے۔ وہ اوسکی کوئی توجیہہ بیان نہیں کرسکتا کہ تمام صورتوں کی انقلابات کی حالت میں خاص مذہبی اعتقادات کے عناصر کیوں مستقل رہے وہ یہ نہیں ثابت کرتا کہ یہ بات کیونکر ہوئی کہ مخالفین کی جس عیب و صواب بینی نے ہر زمانہ میں خاص مذہبی مسائل مستقلہ کو فنا کیا ہو اُس نے ان مسائل مستحکمہ کے اصلی خیال کو غارت نہ کیا ہو۔ اس عجیب بات سے یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ جب قومی اعتقاد کے گرد لغویات وجہلات وبیہودگیاں ایسی جمع ہوئی ہوں کہ جنہوں نے اس اعتقاد سے بے پروا یا منکر بنا دیا تو پھر اسکا دوبارہ ظہور ہوا ہو گو وہ صورت میں ایک نہ ہو مگر اصل میں ایک ہو بس خیالات مذہبی کی عالمگیری۔ اُسکا آزادانہ ارتقاء مختلف ابتدائی اقوام میں انکی زندگی کا طولانی ہونا۔ یہ سب ملکر ثابت کرتے ہیں کہ ضرور انکا

ارتقا ایک انگریزی لفظ ارولیوشن کا ترجمہ کیا جسکے معنے یہ ہیں کہ کسی وجود کا خارجی شرائط کے باعث اندرونی زور کا آنا جس سے کہ اسکی ترقی ہو۔

صرف اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ پہلی واقعیتوں سے پچھلی واقعیتوں کے پیدا ہونے کے غالب احتمالات کیا ہیں۔

(۳) ہم نے اوپر اس اصول عامہ کی بھی توضیح خوب کر دی کہ مذہبی اعتقادات و یقینیات کی جو مختلف صورتیں ہمیشہ رہی ہیں اور اب بھی موجود ہیں وہ اپنی غایت انتہا میں ایک واقعیت پر مبنی ہوتی ہیں انہیں کم و بیش سچ ضرور ہوتا ہے گو جھوٹ نے اُس کے حسن صورت کو اپنی آمیزش سے بگاڑ دیا ہو۔ سچ کی روح انہیں موجود ہوتی ہے جسپر جھوٹ کے بہت سے اجسام لپٹ جاتے ہیں مگر روح اور جسم میں تو غیر جنسیت ضرور ہے۔ پس انکا سچ انکے جھوٹ کا ہم جنس نہیں بن جاتا۔ پس ہم کو ان کے سچ پر جو انکی روح ہے غور کرنی چاہئے اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ جو تصورات مذہبی جو بہت کثرت کے ساتھ موجود ہیں سب کے سب بالکل بے اصل ہیں تو عقل انسانی کا اوسط جس میں سب ہر فرد انسانی عقل کے ورثہ پانے میں شریک ہے بہت ہی ذلیل و خوار و حقیر ہو جاتا ہے۔ انسانوں میں سب سے زیادہ بانیان مذہب عاقل مانے جاتے ہیں جنکے عقل و علم کے پیرو و مقلد بے شمار آدمی ہوتے ہیں۔ پس جب وہ عقل سے خارج مانے جائیں تو پھر عقل انسانی کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

خاص دلائل سے ایک عام دلیل پرزور پیدا ہوتی ہے کہ ایک ہی مذہب کے بعض اعتقادات اور یقینیات مخالف ہوتے ہیں مگر ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ ان سب کی بنیاد مشترک ہے جس پر وہ مبنی ہیں پس اسی پر قیاس کرو کہ مختلف مذہبوں میں جو سب جگہہ اعتقادات و یقینیات موجود ہیں وہ بھی ظن غالب یہی ہے کہ انکی بنیاد مشترک ہوگی جسپر وہ مبنی ہیں۔ مذہبی خیالات ایک قسم کے یا دوسرے قسم کے کلیات عامہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ مان لیں کہ بہت سے مقامات میں ایسے گروہ انسانی آباد ہیں کہ نہ وہ مخلوق کو جانیں نہ خالق کا نام انہیں ہو نہ اُن میں توبہ و استغفار کے اعمال ہوں نہ معاد کا اُن میں تصور ہو۔ مگر جب اُن میں کچھ عقل آنے کی ابتدا ہوئی تو اُن کے ذہن میں اوپر کی چیزوں کی ابتدائی خیالات پیدا ہوئے۔ مان لو کہ انسان کی ساری قومیں جب عقل کی ایک خاص منزل میں گذریں تو انکی عقل بروئے کار ظاہر ہوئی اور اُن چیزوں کی طبائع کی نسبت جو انکے گرد اگرد تھیں فضول و بیہودہ خیالات پیدا ہوئے تو اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تفہمات کو عقل کی ترقی نے پیدا کیا ہے۔ انکی بنیاد پر فلسفی صرف اس کام میں آتی ہے کہ وہ اس نتیجہ کو قوی کر دے کہ مختلف مقامات اوقات میں متماثل و متشابہ حالتوں نے متشابہ سلسلہ خیالات پیدا کر کے متماثل نتائج پر کہ نا اس

کہ سائنس کی تعریف کیا ہے؟ سائنس علم عرفی (روزمرہ چیزوں کا علم جو ہر شخص جانتا ہے)
کے زیادہ بروئے کار آنے کا اور ترقی پانے کا نام ہے بس سائنس سے انکار کرنے
کے ساتھ ہی کل علم سے انکار کرنا لازم ہو جاتا ہے سخت سے سخت مذہبی متعصب اس
میں شبہ نہیں کرتا کہ اس بات کے مشاہدہ کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے کہ جاڑے کی
نسبت گرمی میں آفتاب سویرے طلوع ہوتا ہے اور دیر کر غروب ہوتا ہے۔ بلکہ اس
مشاہدہ کو وہ اپنے روزمرہ کے کاروبار کے لئے مفید جانتا ہے پس علم ہیئت کیا ہے؟
اس قسم کے مشاہدات کا نام ہے جو نہایت درستی اور خوبی سے کئے جاتے ہیں اور اس
طرح سے کئے جاتے ہیں کہ اجرام فلکی کا انتظام صحیح طور پر مرتب ہوتا ہے اور انکی نسبت
جو ہمارے دلوں میں غلط خیالات سمائے ہوئے ہیں انکو وہ دور کرتا ہے۔ پانی میں لوہے کو
زنگ لگتا ہے۔ لکڑی جلتی ہے۔ کھانا دیر تک رکھنے سے سڑ جاتا ہے۔ ان باتوں کے جاننے کو
ایک ادنیٰ طرفدار مذہبی فرقہ فائدہ مند بتلائیگا۔ اب یہ باتیں کیا ہیں؟ علم کیمیائی
باتیں ہیں علم کیمسٹری میں اس قسم کی واقعیتیں صحیح صحیح تحقیقات ہو کر مرتب و جمع کی جاتی ہیں
اور پھر وہ انواع و اقسام میں تقسیم کی جاتی ہیں اور پھر ان سے قواعد کلیہ بنائے جاتے
ہیں جو بالکل یقینی ہوتے ہیں۔ اشیاء مفردہ و مرکبہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ خاص حالتوں
میں انکے اندر کیا تبدل ہوگا۔ بس جو صورت ہم نے علم ہیئات اور علم کیمسٹری کی بتلائی ہے وہی
اور سائنسوں کی کیفیت ہے وہ جدا جدا روزانہ زندگی تجربات سے پیدا ہوتی ہے اور
نامعلوم بڑھتی ہے۔ دور جاکر وہ تجربات زیادہ پیچیدار بہت ہو جاتے ہیں اور انکے اندر قواعد
علم عرفی کی مثل مرتب کرتے ہیں سائنس اور علم عرفی کے درمیان کوئی ایسی حد فاصل نہیں مقرر
ہو سکتی کہ یہ کہا جاسکے کہ یہاں سے سائنس شروع ہوتا ہے اور یہاں سے علم عرفی جیسے
روزمرہ مستعمل چیزوں کا علم عرفی ہمارے چال چلن کا ہادی ہے ایسے ہی سائنس کی تحقیق
اور اطلاقی تحقیقاتیں ہمارے چال چلن کی ہادی ہیں۔ ہادی سائنس نے بیشمار محنت پردازی
کے عملوں سے اور کلوں کے طریقوں سے ہماری معاشرت اور تمدن کی باقاعدہ اصلاح
کی ہے علم عرفی یعنی گرد کی چیزوں کی واقفیت وحشیوں کی معاشرت کو باقاعدہ کرتی ہے
اس سے بہت زیادہ تکمیل کے ساتھ فزکس (علوم طبیعہ) ہماری معاشرت کو باقاعدہ منتظم بناتی
ہیں۔ ہر ایک سائنس ایک پیش بینی ہے اور ہر پیش بینی جلب منفعت و دفع مضرت میں ہماری

بنبع بڑا عمیق ہو بلکہ طبعی نہیں ہے ۔ ہم کو مجبوری یہ ماننا پڑتا ہے ۔ کہ اگر مذہبی خیالات فوق الفطرت نہیں ہیں جس کے لئے کثرت سے آدمی لڑتے ہیں تو ضرور وہ انسان کے تجربات سے آہستہ آہستہ مجتمع و منتظم ہوئے ہوں ۔

(۴) سائنس کے طلبہ کو یہ بات فراموش خاطر نہیں ہونی چاہئے کہ جیسے فضاء آسمانی کی کوئی حد ایسی نہیں مقرر ہو سکتی کہ جس سے پرے اور فضا ئے آسمانی نہ ہو ۔ ایسے ہی سائنس کی کوئی حد ایسی صحیح مقرر نہیں ہو سکتی کہ جس سے آگے اور تحقیقات نہ ہو ۔ بہت سی باتیں تحقیق ہو کر استحکام کے ساتھ قائم ہو چکی ہیں اور بہت سی باتیں محقق منکشف ہو کر قائم ہونگیں ۔ مگر تحقیقات کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو گا ۔ ہر توجیہ کی توجیہ بتلانے کا سوال متواتر چلا جائیگا سائنس کا دائرۂ فراخ ہوتا چلا جاتا ہے اسکی سطح پر جو افزائش ہوتی ہے اسکے سبب سے جہالت سے اسکا اتصال ہمسایہ بڑھتا جاتا ہے ۔ جواب حال ہی وہ آئندہ زمانہ میں ہمیشہ رہیگا کہ انسان مظہرات محققہ اور ان کے باہمی تعلقات میں جیسا مصروف ہے ایسے ہی مظہرات غیر محققہ اور انکے باہمی تعلقات میں مصروف رہیگا اسلئے مذہبی تحقیقات کے لئے انسان کے دل میں ہمیشہ جگہہ خالی رہیگی مگر یہ یاد رہے کہ مذہب برخلاف اور چیزوں کے تجربہ کے دائرہ کے اندر کبھی قدم نہیں رکھے گا وہ کبھی تجربہ اور مشاہدہ میں نہیں آئیگا ۔

(۵) مذاہب میں سے گو کوئی مذہب درحقیقت سچ نہ ہو مگر اسمیں شبہ نہیں کہ وہ ظل الحق ہے یعنی سچ کا سایہ ہے ۔ مذہب کی داد دینی اور سائنس کی حمایت کرنی دو نو ضرور ہیں ایک جماعت ایسی ہی کہ مذہب کی حماقتوں اور خرابیوں کو دیکھکر اسکی تحقیر و تذلیل کرتی ہے اور اسکی اصل راستی کے دیکھنے میں اندھی ہے ایک دوسری جماعت ہے کہ وہ سائنس سے بڑی خفا ہے وہ سمجھتی ہے کہ اہل سائنس مذہب کی عیب بینی و نکتہ چینی کرنے سے مذہب کے غارت کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اسلئے انکو سائنس کے برخلاف بڑا تعصب ہے اور اس سے نہایت نفرت ہے گو ان پاس اس ناپسندی و نفرت کی کوئی وجہ بیان کرنے کا سامان نہیں ہے فقط انکو یہ یاد ہے کہ سائنس نے وحشیانہ حملے کر کے بہت سے انکے عزیز اعتقادات و یقینیات کو ہلا دیا ہے اور انکو شبہ ہے کہ شاید وہ ہماری مقدس باتوں کو جڑ پیڑ سے اکھیڑ کر پھینک دے ۔ بس اس سبب سے انکے دل میں سائنس کی طرف سے ایک خوف بیٹھ گیا ہے ۔ جسکو وہ بیان نہیں کرسکتا

(۶) سائنس کے برخلاف بیجا تعصبات مذہبی کے دور کرنے کے لئے ہم بتلاتے ہیں

وہ بینائیاں ہیں جو وہ آرٹوں (فنون) کی کرتے ہیں۔ جنکی ترقیابی علی الاتصال چلی جاتی ہے۔ اب سائنس کی ایسی معتبر و مستند باتوں سے بیگانہ وار انکار کرنا حماقت ہے۔ حامیان مذہب کے ساتھ اہل سائنس کے برتاؤ کی طرز ایسی ہے کہ جس سے حامیان مذہب کے لئے ایک عذر پیدا ہوتا ہے کہ وہ سائنس سے بالکل بیگانہ ہو جائیں۔ مگر یہ عذر کافی نہیں۔ وکلاء میں نقص و قصور کا ہونا اس چیز میں جنکی وکالت بھی کیجاتی ہے قصور و نقص نہیں پیدا کرتا۔ سائنس کا انصاف سائنس سے کیا جائیے تو پھر کوئی بڑی اونہی سمجھ کا آدمی بھی نہ ہوگا کہ وہ نہ سمجھے گا کہ سائنس سب طرح سے ادب و تعظیم کے قابل ہے خواہ کوئی الہام ہو یا نہ ہو۔

سائنس کا الہام بڑا سچا و حق ہے عقل جو ہم کو عطا ہوتی ہے وہ متواتر مستحکم ترتیب اور انتظام عالم کی پردہ کشائی کرتی ہے۔ اس پردہ کشائی کی صداقت کا ثابت کرنا ہر شخص پر بقدر اسکے فہم کے لازم و واجب ہو اور جب وہ ثابت ہو جائے تو اُسکا فروتنی کے ساتھ ماننا واجب ہے۔

(۷) اس مباحثہ عظیم کے جانبیں میں حق و سچ کا موجود ہونا لازمی ہے اگر اسکے صور عامہ پر بے تعصبانہ غور کریں تو یہ نتیجہ سمجھ میں آئیگا کہ ہر مقام پر انسان کی تاریخ میں ہے تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے اور وہ ابدی حقائق بیان کرتا ہے۔ سائنس کی نسبت یہ کہنا تقریباً بالکل سچ کی برابر ہے کہ وہ ایک حقائق کا منتظم و مرتب مجموعہ ہے وہ ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اور اغلاط کی آلائش سے پاک صاف ہوتا رہتا ہے پس حقائق اشیاء میں دونو مذہب و سائنس کی بنیادیں ہیں اسلئے انمیں اصلی موافقت ہوگی۔ کیونکہ یہ فرض پایۂ اعتبار سے ساقط ہے کہ حق کے ایسے دو اسلوب ہوتے ہیں جو ہمیشہ مطلق و مدام مخالفت رکھتے ہوں۔ یہ کہنا کہ مذہب یزدانی یعنی رحمانی اور سائنس اہرمنی یعنی شیطانی ہے مانیچی بلکہ مسئلہ ثنویہ یزدان و اہرمن کا ماننا ہے جسکے ماننے کو کوئی دلیری سے تسلیم نہیں کرتا گو عمل اسی کا سا کرتا ہے۔ پادریوں کی گو بہت سی بے معنی باتیں ہوں۔ مگر ایسی بات کوئی پُر جوش مذہبی دیوانہ ہی صاف صاف نہیں بیان کرسکتا ہے پس جب یہ بات کوئی شخص نہ کہہ سکتا ہو تو اُس کو ماننا پڑیگا کہ مذہب و سائنس میں عداوت ظاہری ہے اور موافقت مخفی ہے۔

مذہب و سائنس میں سے ہر ایک کو دوسرے کے سچے حقوق شناخت کرنے چاہئیں۔ اُسنے بے علم رہنا نہیں چاہیئے جو شخص اس عالم کو مذہب کی نگاہ سے دیکھے تو اسکو اسکا پاس کرنا چاہیئے کہ اس بڑے کل کا ایک اصلی جز سائنس بھی ہے اسکے ساتھ مجھے اسی طرح پیش آنا چاہیئے جس طرح کہ مسائل مذہبیہ سے پیش آتا ہوں۔ اور جو شخص کہ اس عالم کو سائنس کی نظر سے

امداد کرتی ہے۔ جیسا کہ یقینی یہ تصور کہ ہمارے رستہ میں کوئی چیز پڑی ہوئی ہے ہمکو
آگاہ کرتا ہے کہ ٹھوکر کھانے سے بچنا ایسے ہی یقینی وہ باریک و دقیق و پیچدار تصورات
جنسے کہ سائنس مرتب ہوتا ہے ہم کو آگاہ کرتے ہیں کہ ہمارے دور کے مقاصد کی
راہ میں جو سنگ راہ ہیں انپر ٹھوکر کھانے سے بچنا۔ بس علم عرفی و سائنس دونو اپنی
اصل و خاصیت میں متحد ہیں۔ ایک میں سا وگی۔ دوسرے میں پیچیدگی ہے۔ ہم کو دونو
کے ساتھ ایک طرح کا سلوک کرنا چاہئے۔ ہم پر واجب ہے کہ وہ وسیع علم حاصل کریں
جو ہماری لیاقتیں و قابلیتیں و قوتیں حاصل کرسکتی ہیں اور اسکے ساتھ اس تنگ و چھوٹے و
تھوڑے علم کو چھوڑیں جسکو ہر ایک آدمی جانتا ہے۔ عقل کامل کو قبول کریں اور اس عقل ناقص
کو جسمیں اور حیوان بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں طلاق دیں۔

ہمارے استدلال اور براہین کو اس سوال سے بڑا تعلق ہے کہ آیا سائنس و اصل سچا
ہے؟ یہ سوال اس قبیل کا ہے کہ کوئی پوچھے کہ کیا آفتاب سے روشنی نکلتی ہے؟

حامیان مذہب خوب آگاہیں کہ سائنس کے اکثر مسائل ایسے استوار ہیں کہ جنکے ماننے میں کسی طرح سے
انکا ہوئی نہیں سکتا۔ اس سبب سے انکو سائنس کی طرف سے ایک مخفی خوف لگا رہتا ہے۔
وہ خوب واقف ہیں کہ سائنس دو ہزار برس سے جو نشو و نما پا رہا ہے اسکے بعض فروع
اعظم مثل علوم ریاضیہ۔ علوم طبعیہ۔ علوم ہیأت نسلاً بعد نسل متواتر معرض امتحان میں آتے
رہے ہیں۔ اور ان کے عیب و صواب کی خوب جانچ و پرتال ہوتی رہی ہے باوجود اسکے
وہ ہمیشہ زیادہ استحکام کے ساتھ قیام پاتے رہے ہیں انکا حال ہمارے مذہبی مسائل کا
سا نہیں ہے کہ ایک دفعہ تو سبنے انکو مان لیا۔ پھر وقتاً فوقتاً انپر شبہات وارد ہونے
شروع ہوئے اسکے برخلاف سائنس کے مسائل کا حال ہے کہ اول انکو چند متفرق
محققوں نے کہا پھر وہ آہستہ آہستہ علی العموم تسلیم ہونے لگے اور اب انکے بڑے حصے کو
بغیر کسی مناقشہ کے سب ماننے لگے۔ حامیان مذہب خوب واقف ہیں کہ ساری دنیا
میں اہل سائنس جو نتائج نکالتے ہیں انکا امتحان ہوتا ہے اور جو انمیں غلطی ہوتی ہے
اسکا گلا بڑی بیرحمی سے کاٹا جاتا ہے۔ اور جہاں خطا معلوم ہوتی ہے وہ اس طرح
نکال کر پھینک دی جاتی ہے جیسے کہ دودھ میں سے مکھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سائنس
کی صداقت کی بڑی شہادت انکی پیشین گوئیاں ہیں جو وہ روز کرتے ہیں۔ اور وہ

سب صورتوں میں موجود ہوتا ہے - پس یہ اطلاقی یا انتزاعی عنصر ہی مذہب میں ہوتا ہے جو غالباً سائنس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے ——

اسی طرح ہم کو دوسری طرف نظر کرنی اور تحقیقات کرنی چاہیئے کہ سائنس کی راستی وہ کون سی ہے جو اسکو مذہب کے ساتھ متفق کرتی ہے - یہ ظاہر ہے کہ مذہب ان مسائل کو جو مخصوص سائنس سے ہیں اور سائنس ان مسائل کو جو مذہب سے مخصوص ہیں اختیار نہیں کرتے بلکہ سماعت بھی نہیں کرتے وہ سچ جسکو سائنس پیش کرے اور مذہب اسکی صحت پر اپنے دستخط کردے - علوم ریاضیہ - علوم طبیعیہ و کیمسٹری نہیں پیدا کر سکتے - مکان - زمان - مادہ - زور کے مظہرات عامہ - مذہبی خیالات نہیں بن سکتے اگر سائنس کی کوئی واقعیت مذہب کے ساتھ مشترک ہوسکتی ہے تو وہ واقعیت ہے جسکی مشترک جڑ سے بہت سی فروع سائنس کی نکلی ہوں - پس مذہب کے اطلاقی یا انتزاعی راستی و سائنس کے اطلاقی راستی آپس میں توام ہیں یہی دو نو مطابقت پیدا کر سکتی ہیں -

انتباہ ایک لفظ اطلاقی یا انتزاعی کا ہم نے اوپر استعمال کیا ہے جو ہماری زبان میں اجنبی معلوم ہوتا ہے وہ ایک انگریزی لفظ ایبسٹریکٹ کا ترجمہ ہے جسکے معانی فلسفیانہ انگریزی زبان میں بہت بیان کیئے جاتے ہیں مگر ان میں سے ہم نے صرف یہ معنے لئے ہیں کہ ایک صفت کو اسکی ساتھ کی صفات سے انتزاع کرکے مطلق بنائیں اطلاقی کے معنے یہ ہیں جو اطلاق سے نسبت رکھے - اور اطلاق کے معنے قید سے چھوڑا دینے کے ہیں اسلئے اطلاقی ایبسٹریکٹ کا ترجمہ بھونڈا سا ہے مگر کوئی اور لفظ ہم کو نہیں معلوم فقط انتزاعی بھی ایسا ہے - انتزاع کے معنے جگہ سے اکھیڑ لینے کے ہیں +

باب دوم

مذہبی خیالات کی غایت انتہا

(۱) جب ہم سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں کہ دور کے جہاز کے پیندے سے جو

غور کرتا ہے اسکو بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس بڑی کل کا ایک اصلی جز مذہب بھی ہے مجھے اسکے ساتھ وہی برتاؤ برتنا چاہیئے جو میں سائنس کے مطالب سے برتتا ہوں اور اسکے ساتھ ایسا ہی بے تعصب ہونا چاہیئے۔ جیساکہ اور حقائق کے ساتھ۔ بس ہر فریق کو چاہیئے کہ وہ یقین کرے کہ دوسرے فریق پاس کوئی بات مخفی ایسی ہے کہ وہ سمجھنے کے قابل ہو اور جب طرفین کی سمجھ میں وہ آجائیگی تو وہی مخفی بات مذہب و سائنس کی باہم مطابقت کی بنیاد بن جائیگی۔

اب سوال یہ ہو کہ یہ مخفی بات جو سائنس اور مذہب میں مطابقت کراتی ہے کیونکر دریافت ہوتی ہے۔ ہم اس سوال کے حل کرنے میں مستقل جد و جہد کرینگے مذہب و سائنس میں ایسی مطابقت قائم کرینگے جو گھڑی ہوئی نہیں ہو گی۔ اور نہ دبی دبائی انکی باہم رضامندی ہو گی۔ جو نہ تو دلی اور مصنوعی ہوتی ہے جیسے کہ وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے بلکہ انکے درمیان اصلی اور مستقل مصالحت کرینگے ہم اس حق کی غایت انتہا کی جستجو کرینگے۔ جسکا دونو مذہب و سائنس بے ریا اقرار کرینگے۔ ہم ان دونو میں سے کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرینگے۔ اور دونو کو مصالحت کی زمین پر لائینگے جسکو ہر ایک برقرار رکھیگا ہم اس اصلی و حقیقی راستی کو منکشف کرینگے جو مذہب اپنی تمام ممکن صورتوں میں بغیر سائنس کے اور سائنس اپنی تمام ممکن صورتوں میں بغیر مذہب کے ظاہر کرتا ہے۔ پس اس اصلی راستی کی حمایت کرنے میں دونو مذہب و سائنس دوست و مددگار ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔

مذہب و سائنس کے اعتقادات و یقینیات جو ظاہر میں مخالف معلوم ہوتے ہیں ہم انکو مطابق کرینگے اور سائنسوں میں مخالفانہ خیالات کے باہم ملنے سے جنمیں سے ہر ایک میں سچ کا حصہ ہوتا ہے نتائج اعظم پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مذہب و سائنس کے مخالف خیالات کے اجتماع سے نتائج اعظم پیدا کرکے دکہائینگے اور سمجھائینگے کہ مذہب و سائنس جو ایک ہی واقعیت کے دو مخالف پہلو بتلاتے ہیں انمیں سے ایک پہلو قریب ہی اور دیکھنے میں آتا ہے دوسرا پہلو بعید ہو اور نظر سے مخفی ہے۔

(۴) ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ہر مذہب میں خواہ کیسا ہی وحشیانہ ہو ایک مخفی راستی ہوتی ہے۔ کل مذاہب کا عنصر مشترک۔ یہ اصلی راستی ہے گو مذاہب کے خصوصیات کے تناقض نے باہم ایک دوسرے کو مردود کردیا ہو۔ یقینی یہ عنصر اطلاقی۔ یا انتزاعی۔ بہ نسبت مروجہ مسائل مذہب کے برتر زیادہ ہوتا ہے۔ پس اطلاقی قضایا، مذہب اور سائنس میں ایک مشترک بنیاد ہوتی ہے۔ مذہب میں جو اصلی راستی ہوتی ہے وہ اطلاقی یا انتزاعی عنصر ہوتا ہے جو مذہب کی

کہتے ہیں جو کسی شے کے لئے ٹھہرالیں پھر اس علامت کا مفہوم وہی ہوتا ہے جو اصل شئی کا بہت بڑے حصوں کے علامتی خیالات ہوتے ہیں ان خیالات میں کلیات یا کلیوں کے بھی خیالات شامل ہیں مقادیر کلاں۔ امتداد دراز۔ اعداد اعظم کے خیالات سب کے سب علامتی ہوتے ہیں اور اُن چیزوں کے خیالات بھی علامتی ہوتے ہیں جنکا محمول ایک واقعیت مشترک ہو جب ایک کسی خاص آدمی کا خیال ذہن میں کامل ہوتا ہے اگر اس شخص کا خاندان مذکور ہو تو غالباً صرف اسکے ایک حصہ کا خیال ذہن میں آئیگا۔ اس خاندان کی نسبت جو کہا گیا ہے اگر اسکے اوپر توجہ کرنے کی ضرورت پڑیگی تو ہم صرف اس خاندان کے چند ممتاز ممبروں کا خیال کرینگے اور باقی سب کو نظرانداز۔ اگر اس خاندان کا پیشہ بتلایا جائے کہ زراعت ہے تو ہم اپنے ذہن میں اس پیشہ کے سب افراد کو نہیں لا سکتے اور یہ یقین کرینگے کہ اگر انکے خیال کی ضرورت پڑیگی تو اوس کو کامل طور پر ہم کر لینگے اور اسکے چند نمونے کے خیال پر بطور بانگی قناعت کرینگے اور یاد رکھینگے کہ انکا بے حد اضافہ ہو سکتا ہے۔ اگر اسکا محمول انگریزوں کو بنائیں تو ہماری آگہی دلی اور بہی اصل کی نقل اُتارنے میں قاصر ہوگی۔ اگر کسی چیز کو فرنگستانی یا انسانی کہیں تو اصل کا خیال اور بہی بعید ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر آگے شیرخوری کا یا ریڑہ دار جانور کا یا ذوی الاعضا کا بیان کریں تو ان چیزوں کے خیالات کے غیر مشابہت اپنی اصل کے ساتھ اپنی حد غایت کو پہنچ جائیگی۔ ان مثالوں کے سلسلہ میں ذہن میں جتنی چیزوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے اُتنا ہی وہ زیادہ علامتی خیال ہوتا جاتا ہے اور تخیل کے چند نمونے بطور بانگی رہ جاتے ہیں —

علامتی خیالات کا بنانا ناگزیر ہے۔ جب ہم تھوڑی مقرون چیزوں سے بہت سی غیر مقرون چیزوں کی طرف گذرتے ہیں تو علامتی خیالات کا بنانا اکثر بہت مفید اور ضروری ہوتا ہے جب بجائے اشیا کے جنکی صفات خاصی اچھی طرح آگہی دلی کیحالات مجرد میں متحد ہو جاتی ہیں تو ہم چیزوں کے ساتھ جنکے صفات بہت وسیع اور کثرت سے ہوتی ہیں اور وہ اس طرح متحد ہو جاتی ہیں تو یہ برتاؤ اُنکے ساتھ برتتے ہیں کہ انکی صفات کے ایک حصے کو اپنے ذہن میں رکھتے ہیں یا بالکل انکو ترک کر دیتے ہیں یعنی اسکے کم و بیش علامتی خیالات بناتے ہیں یا اُنکا خیال بالکل چھوڑ دیتے ہیں —

انتباہ انگریزی میں دو لفظ متضاد المعنی کونکریٹ و کرینٹ سٹریکٹ ہیں۔ ہم اول لفظ کا ترجمہ مقرون اور دوسرے لفظ کا ترجمہ مجرد یا اطلاقی یا انتزاعی کرتے ہیں۔ اول لفظ مقرون کے معنے اس چیز متخیلہ کے ہیں جو اپنے تمام خواص و صفات کے ساتھ نیچر میں موجود ہے اور دوسر

ہمارے افق کے نیچے ہیں ہمکو نہیں دکھائی دیتے۔ اور ان سے زیادہ دور کے بالا دبان
جہازوں کے نظر آتے ہیں تو سطح سمندر جو ہمارے سامنے ہوتی ہے اوسکا منحنی ہونا ہمکو خاصی
طرح سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب ہماری قوت متخیلہ اس سطح منحنی کی پیروی کرکے ہمکو آگاہ
کرتی ہے کہ وہ بتدریج مدور خمیدہ وہاں تک ہوتی جاتی ہے جہاں اسکے کل نصف النہار ہمارے
قدموں کے ٹھیک نیچے آٹھ ہزار میل پر ملتے ہیں تو ہم حیران رہ جاتے ہیں ہم تو اپنے کل کرہ زمین کی
ایسے ایک چھوٹے سے قطعہ کی اصلی صورت کا خیال نہیں کر سکتے جو ہمارے چاروں طرف سو سو
میل پھیلا ہوا ہو اور کل زمین کی نسبت بہت چھوٹا ہے اگر ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑے ہو کر
اسکی چوٹی کو اسکے اطراف کو اسکے سطحات زیرین کو دیکھیں اور ایک ہی وقت میں ایسے قریب قریب
انکو دیکھیں کہ ان سب کی آگہی ہمارے نفس میں ایک ساتھ موجود ہو تو اس طرح سے اپنی عقل میں
پہاڑی کی ایک نقل اپنے خیال میں کر سکتے ہیں (آگہی یا آگہی نفس کونشنس نیس کا ترجمہ کرینگے جس کے
معنے نفس یا قلب کے اُس حالت کے ہیں کہ اسمیں علم ہو) مگر اس طرح زمین کو خیال میں لانا
ممکن نہیں۔ آکاش یعنی فضاء آسمانی میں جو مقام دور دراز ہمارے قدموں کے نیچے واقع ہے
اُسکا خیال میں لانا ہماری قدرت سے باہر ہے کہ ہم ایک ہی وقت میں اُن تمام مقامات کا (اس سے زیادہ ہماری قدرت سے یہ امر باہر ہے)
جو سطح زمین پر دور دور واقع ہیں خیال کے اندر لائیں مگر ہماری عادت اس طرح کہنے کی پڑگئی
ہے کہ ہم جیسے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھتے ہیں ایسی ہی زمین کا خیال رکھتے ہیں اب
پڑھنے والا یہ سوال پوچھیگا کہ ہم زمین کا خیال کس طور سے کر سکتے ہیں جب ہماری زبان پر
زمین کا نام آتا ہے تو یقینی ہمارے دل میں ایک آگہی کی حالت پیدا ہوتی ہے تو اس سوال کا
جواب یہ ہے کہ ہم کو مختلف طوروں سے تحقیق ہو گیا ہے کہ زمین ایک کرہ ہے اسکے نمونے
بناتے ہیں جو تقریباً اسکے ڈیل ڈول کو تعبیر کرتے ہیں اور پھر اس نمونہ کو ایسے حصوں میں تقسیم کرتے
ہیں کہ وہ حصص زمین کو تعبیر کرتے ہیں۔ علی العموم جب ہم زمین کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہماری
ذہن میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک زمین کا جثہ جو ہمارے قدموں کے نیچے ہے۔ دوسرا ایک جسم
جو مثل کرہ زمین ہو جسمیں اصل زمین سے قطع نظر کیجاتی ہے اور جب ہم زمین کا خیال جیسی کہ وہ
اصل میں ہے کرتے ہیں تو دو تصوروں کو ملاتے ہیں۔ ایک اس سطح زمین کا تصور جو ہماری آنکھوں نے
پیدا کیا ہے اور دوسرے کرہ کا تصور پس زمین کا خیال جو ہم کرتے ہیں وہ اصلی نہیں ہوتا۔ بلکہ
علامتی خیال ہوتا ہے۔ علامتی وہ کہ علامت سے علاقہ و نسبت رکھے۔ اور علامت اُس نشان کو

نہیں بنا سکتے مگر پھر بھی ہم اونکو جانتے ہیں کہ مساحت و حساب کے عملوں سے وہ صحیح ثابت ہوسکتے ہیں اجرام فلکی کا اصلی خیال ہم بالکل نہیں کرسکتے جیسے کہ نظام شمسی ہے لیکن ہمارے علامتی خیالات پیشین گوئیاں کرتے ہیں جو پوری ہوتی ہیں جس سے ہمکو یقین ہوتا ہی کہ ہمارے علامتی خیالات اصلی خیالات کی جگہ موجود ہوتے ہیں اور ایک معنی کر وہ اُن کے تعلقات اجزا کو ظاہر کرتے ہیں پس اسطرح اکثر صورتوں میں علامتی خیالات ظہور کامل کی قابلیت رکھتے ہیں اور اور بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ وہ نتائج نکالنے کے لئے بمنزلہ سیڑھیوں کی بنجاتے ہیں ہماری عادت ہوجاتی ہے کہ ہم اُنکو سچے اصلی خیالات جاننے لگتے ہیں اور نقل کو مثل اصل سمجھنے لگتے ہیں۔ بہت سی تجربوں کے بعد ضرورت کی صورت میں وہ ثابت ہوسکتے ہیں مگر عادت ایسی پڑگئی ہی کہ ہم اونکو بغیر ثبوت کے ماننے لگتے ہیں پس اسطرح ہم ایسی چیزوں کے لئے دروازہ کھول دیتے ہیں کہ وہ بظاہر معلومات کی قائم مقام ہوتی ہیں مگر درحقیقت ایسی اشیاء مجہولہ کی جگہہ کھڑی ہوتی ہیں جو کسی طرح نہیں معلوم ہوسکتیں۔

خیالات کے باب میں جو کچھہ اوپر بیان ہوا ہے اُنکا ماحصل یہ ہی کہ خیالات کامل وہ ہوتے ہیں کہ خیال شدہ شی کی صفات کی تعداد اتنی اور قسم ایسی ہو کہ ہماری آگہی نفس پر انکا نقش ایسا ہو کہ تقریباً ایک ہی وقت میں وہ سب یکجا موجود معلوم ہوں خیالات ناقص وہ ہوتے ہیں کہ خیال شدہ اشیاء کی تعداد زیادہ کثیر ہو اور اُنمیں پیچیدگی بہت ہو اس حالتمیں بعض صفات جو اول خیال میں آئیں تھیں آگہی نفس میں ضعیف ہوجاتی ہیں پہلے اس سے کہ باقی اور صفات اپنا نقش جمائیں پس خیال ناقص ہوجاتا ہے جب کسی خیال شدہ شئی کا قد و قامت پیچیدگی یا ممیز ہونا بہت زیادہ ہوجاتا ہے تو اسکی صفات کا بہت تھوڑا حصہ ایک دفعہ میں خیال کے اندر آتا ہے اور اس طرح اسکا خیال ایسا ناقص ہوتا ہے کہ وہ فقط ایک علامت ہوتی ہے اس پر بھی یہ علامتی خیالات جو کلیات کے خیالات میں ناگزیر ہیں جائز اور روا رکھے جاتے ہیں بشرطیکہ خیال کے بواسطہ عمل ہو یا متواتر عمل پر عمل یا ان پیشین گوئیوں کا پورا ہونا جو اُسپر مبنی ہوں اُنسے ہمکو تحقیق ہوجائیں کہ وہ اصلیتوں کے قائم مقام ہیں لیکن جب ہمارے علامتی خیالات ایسے ہوں کہ نہ بواسطہ عمل نہ متواتر عمل پر عمل خیال کرنے سے ہمکو یہ تحقیق ہوجاے کہ انکے مطابق اصلیتیں نہیں ہیں اور نہ انکی کوئی پیشین گوئیاں ایسی ہیں کہ جنکا پورا ہونا اسے ثابت کرے تو وہ بالکل قبیح اور دھوکا دینے والے سمجھنے چاہئیں اور وہ کسی طرح خالص جھوٹے

لفظ مجرد یا اطلاقی یا انتزاعی کے معنے پہلے بالعکس اس تخیل کے ہیں جسمیں کسی چیز کی تمام صفات مخصوصہ جو اسکے ساتھ ہمیشہ رہتی ہیں الگ کرلی جائیں ۔

اگر ہم اسی عمل سے قضایا و کلیہ بنانے اور ان سے نتائج کلیہ نکالنے لگیں تو یہ عمل ہمکو خطرہ میں ڈالیگا اور اکثر مغالطے دیگا۔ اکثر ہماری عادت اس غلطی کرنے کی ہو جاتی ہے کہ علامتی خیالات کو اصلی خیالات سمجھنے لگتے ہیں اور ان سے بیشمار غلط نتیجے نکالتے ہیں صرف یہی نہیں ہوتا کہ کسی شی کے یا جماعت اشیاء کے متخیلات سے ہم اصلیت کے باب میں غلط نتائج نکالیں بلکہ اصلیت کے باب میں جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ بھی غلط ہوتا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت سی بوقلموں چیزوں کا سچا خیال کر لیا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ ہم نے یہ خیال جھوٹے طور سے کیا ہے اور پھر ان خاص چیزوں میں خلط ملط کرتے ہیں جنکا خیال کسی طرح نہیں کرسکتے۔ ایسی غلطیوں میں کیوں ہم ناگزیر پڑتے ہیں اس کی توضیح نیچے کرتے ہیں۔

ایسی اشیاء سے کہ جنمیں مجموعتًا نقل اُترنے کی قابلیت ہوتی ہے ان اشیا تک جنمیں تقریبًا بھی نقل اُترنے کی قابلیت نہیں ہوتی ایک انتقال ذہنی غیر محسوس و نامعلوم ہوتا ہے ایک ڈھیلے اور کل زمین کے درمیان مقادیر کا ایک سلسلہ داخل ہو سکتا ہے جنمیں سے ہر ایک اپنے متصل کے ہمسایہ سے ایسا کمتر فرق رکھتا ہو کہ یہ کہنا ناممکن ہو کہ اس سلسلہ میں کسی مقام سے ان کے خیالات میں قصور آنا شروع ہوا اسی طرح چند افراد کی گروہ بندیوں سے جنکو ہم اچھی طرح خیال کرسکتے ہیں۔ بڑی بڑی گروہ بندیوں تک جنکا صحیح خیال نہیں کرسکتے یہ تدریج ترقی ہوتی ہے پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلی خیالات سے علامتی خیالات تک بہت ہی ننھے ننھے قدموں سے ہم چلتے ہیں + تم اسبات سے بھی مطلع رہو کہ ہم علامتی خیالات کا برتاؤ اس طرح کرتے ہیں کہ گویا کہ اصلی خیالات ہیں اسکا صرف یہی سبب نہیں ہوتا کہ ہم انکو آپس سے صفائی کے ساتھ جدا جدا نہیں کرسکتے بلکہ یہ ایک اور سبب بھی ہے کہ بہت صورتوں میں ہمارے علامتی خیالات تقریبًا بالکل ہماری ایسی ہی کام نکال دیتے ہیں جیسے کہ اصلی خیالات۔ انمیں صرف مختصر علامات بجائے ان دقیق و دشوار علامتوں کے قائم مقام ہوتی ہیں جو اصل چیزوں کی مساوی لہ ہوتی ہیں معمولی اشیاء کی بہت ناقص نقلیں جو ہم اپنے ذہن میں عادتًا اُتارتے ہیں انکو ہم جانتے ہیں کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ کامل نقلیں ہو سکتی ہیں با وجودیکہ بڑی بڑی مقداروں اور جماعتوں کو کل میں متخیل ہم

ہوتی ہے اسمیں تناقض لازم آتا ہے پس بود یا خود یا واجب الوجود کے معنے یہ ہیں کہ ابتدا کے بغیر وجود
یا بود ہو پس بود یا خود یا واجب الوجود کا خیال کرنا ایسے وجود کا خیال کرنا ہے کہ جسکی ابتدا
نہ ہوئی ہو اور یہ خیال ہماری عقل میں خواہ عقل اپنا کتنا ہی زور لگائے نہیں آسکتا۔ ماضی زمانہ ابدی
میں کسی چیز کے وجود کے خیال کرکے یہ معنی ہیں کہ زمانہ ماضی غیر متناہی کا خیال کیا جاوے اور یہ ناممکن
ہے (جب زمانہ کا تصور ذہن میں آتا ہے تو وہ متناہی ہوتا ہے یعنی ایسے زمانہ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا
جس پر اضافہ نہ ہو سکے) اسکے سوا اگر یہ مان بھی لیں کہ عالم کی بود یا وجود کا خیال ہم کر سکتے ہیں تو
اس سے بھی وجود عالم کی توجیہ کی کوئی مشکل آسان نہیں ہوتی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس
لمحہ میں جو چیز موجود ہے اسکے سمجھنے میں اس سبب سے آسانی ہو جاتی ہے کہ یہ محقق ہو کہ وہ پہلے
ایک گذشتہ گھنٹے میں یا گذشتہ دن میں یا گذشتہ سال میں موجود تھے پس اگر کسی چیز کے وجود
کے سمجھنے میں مقدم زمانہ محدود میں موجود ہونے سے ذرا سا بھی اضافہ نہ ہو تو اگر ان محدود
زمانوں کو جوڑ کر غیر متناہی زمانہ تک وسعت دیں تو بھی اسکے وجود سمجھنے میں ذری سی بھی تائید نہیں
ہو گی پس منکران خدا کا یہ مسئلہ نظری کہ عالم واجب الوجود ہے قطعاً خارج از خیال ہی نہیں بلکہ اگر وہ
خیال میں آنے کے قابل بھی ہوتا تو اس عقدہ مشکل کو حل نہیں کرتا اور ہستی موجودہ کے علم میں
ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا وہ صرف سر مخفی کو مکرر بیان کرتا ہے۔ اگر مسئلہ ہمہ اوست کی موافق
یہ نہیں کہ عالم کا خالق خود عالم ہے کوئی خارجی خالق اسکا اس سے غیر نہیں ہے تو بھی وہ خیال میں
نہیں آسکتا۔ ایسے مظاہرات جیسے کہ ابر میں غیر مرئی بخارات کی سرنگوں روانی عالم کے خود بخود ظہور
کی علامتیں خیال بنانے کی تائید کرتی ہیں اور آسمان میں اور زمین پر ایسی چیزیں موجود ہیں کہ وہ
اس خیال کے محدود بنانے میں خاصی طرح ہماری تائید کرتی ہیں لیکن متواتر عالم نے جو اپنی
ہیئتوں کو دکھایا ہے جنہیں وہ گذر کر حالت موجودہ میں آیا ہے وہ سمجھ میں اس معنی کر آتا ہے کہ عالم خود
ہی اپنا مشخص اور مقرر کرنے والا ہو لیکن عالم کی خود آفرینی کا جو علامتی خیال ہے اسکا اصلی خیال
بنا ممکن نہیں فی الحقیقت عالم کی خود آفرینی کا خیال اس امکانی وجود (وہ وجود جو ممکن ہو مگر موجود نہ ہو)
کا خیال ہے جو اصلی وجود میں کسی جبلّی ضرورت کے سبب سے آیا ہوا اور عالم کے امکانی وجود کا
خیال نہیں کر سکتے جو اسکے اصلی وجود سے ممیز ہو۔ امکانی وجود خیال میں جب منقش ہو سکتا ہے
کہ وہ کسی چیز کی نقل ہو جو حقیقی وجود میں موجود ہو۔ خیال میں اسکا منقش ہونا معدوم کا منقش ہونا
فرض کرتا ہے اسمیں دو باطل باتیں شامل ہوتی ہیں اول کسی چیز کا نہ ہونا اسکے معدوم ہونے سے کچھ

افسانوں سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں۔

(۲) یہ جو اوپر سچ کا یا حق کا ایک کلیہ بیان کیا گیا ہے اسکو اپنے اصل مقصود خیالات مذہبی کے غایت انتہا میں کام میں لاتے ہیں۔

جب انسان کی حالت ابتدائی تھی تو اُسکو خوابوں کے دیکھنے سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جسم سے رُوح باہر جا کر سیر کرتی ہے اور جب آدمی مرجاتا ہے تو اُس روح کو جسم سے ہمیشہ کے لئے مفارقت ہو جاتی ہے تو وہ ایسے ایسے عجیب عجیب غیر معمولی کام کرتی ہے جیسے کہ امراض۔ طوفانات۔ زلزلے۔ صدائیں۔ گرہن۔ ہیں۔ ان سب کا مخصوص سبب یہ مردوں کی ارواحیں ہوتی ہیں۔ مُردوں کی ارواح عظیم کی نسبت بالفعل یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے کام کا دائرہ فراخ کر رکھا ہے جب انسان نے عقل و دانائی میں ترقی کی تو ان چھوٹی چیزوں کے غیر مرئی فاعلوں (یعنی کام کرنیوالے جو دکھائی نہ دیں) کے خیالات ایک غیر مرئی فاعل کے خیال میں غرق ہو گئے پھر صرف ان اتفاقی حادثات ہی کے لئے نہیں بلکہ عالم کی کل اشیاء کی حقیقت و ماہیت کے باب میں مفروضات قیاسی پیدا ہونے شروع ہوئے۔ مگر جب کسی مفروض قیاسی مروجہ کا امتحان عیب و صواب بینی کے ساتھ ہوگا تو ثابت ہوگا ۔ یہ مفروض معقول نہیں ہے اور اس باب میں کوئی معقول مفروض بن سکتا ہے۔

(۳) اس عالم کی ماہیت و حقیقت کے باب میں تین صورتیں فرض کیگئی ہیں کہ وہ سمجھنے کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ عالم کی بود باخود ہے یعنی وہ واجب الوجود ہے دوم عالم خود آفریں ہے یعنی عالم اپنا آپ خالق ہے سوم عالم کا خالق اُس سے خارج ہے۔ یہاں اسکی ضرورت نہیں کہ اسپر بحث کیجائے کہ ان تینوں صورتوں میں سے کونسی قابل اعتبار ہے۔ یہاں تو سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ان تینوں مفروضوں میں کوئی مفروض ایسا بھی ہے کہ وہ خیال میں اس حال میں آسکتا ہے کہ خیال کے اصلی معنی لیں۔ ۳۔ عالم کی ماہیت کی نسبت تین فرضیں ہو سکتی ہیں

جب ہم کہتے ہیں کہ عالم بود باخود رکھتا ہے تو اُسکے معنے یہ ہیں کہ اسکی بود کو دوسری شی سے کچھ علاقہ نہیں وہ اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں۔ کسی دوسری چیز نے اُسکو پیدا نہیں کیا۔ وہ نہ مخلوق ہے نہ اپنے بود کے لئے کوئی علت ساتھ رکھتا ہے بس اسکی ابتدا خارج از خیال ہے اس لئے کہ کوئی زمانہ ایسا نہ تھا کہ جسمیں اسکی ابتدا ہوئی ہو اگر کوئی زمانہ ایسا پائیں کہ جسمیں اوسکی ابتدا ہوئی ہو تو اس بات کا ماننا لازم آتا ہے کہ اوسکی ابتدا بعض چیزوں سے مشخص و متعین

مگراپنے کام کے تیار کرنے میں عمل کرتا ہی - یہ فرض کچھ اہل مذہب ہی نے نہیں مانا بلکہ اکثر حکمای
متقدمین اور متاخرین کا مذہب یہی ہی کہ جہاں آفرین کوئی جہان سی خارج ہے اور اس سی
غیر ہے - افلاطون کی اور بہت سے زندہ اہل سائنس کی تصنیفات میں یہ مدلیل تمثیل ثابت کی
گئی ہی کہ پیدائش عالم میں اعمال صنعت کاری کے اعمال کے متماثل ہیں -

جہان کا خالق کوئی جہان سی باہر اور غیر ہے اسبات کی تشریح اس تمثیل سی کرتے ہیں کہ جیسی
آدمی صنعت گر چیزوں کو بناتا ہی ایسی ہی صانع اعظم نے یہ ثوابت وسیاری اور جو کچھ انکے اندر
ہے بنائی ہیں اس تشبیہ میں یہ خرابی ہی کہ آدمی تو لوہے لکڑی پتھر کو پیدا نہیں کرتا وہ انکو گھڑ گھڑا
اور جوڑ کر چیزوں کو بنا دیتا ہے اب اگر صانع اعظم نے بھی اس طرح ثوابت وسیاری بنائے
ہیں تو اب یہ سوال ہوگا کہ وہ کونسا مصالح یعنی مادہ پہلے سی موجود تھا کہ جنسے یہ ثوابت وسیاری بنائی
گئے اسمیں اصل سر مخفی یہ ہے کہ مادہ معدوم سے موجود کیونکر ہوا؟ تشبیہ مذکورہ بالا اس راز سربستہ کو کشادہ
نہیں کرتی پھر مادہ کے لئے مکان کی ضرورت ہی اسکا پہلے سی موجود ہونا ضرور ہے اسکی نسبت یہ سوال ہی
کہ وہ کیونکر پیدا ہوا؟ اگر اسکا جواب یہ دیا جای کہ وہ پیدا کیا گیا ہے تو مکان ایسی چیز ہے کہ وہ ہمکو
ایسا چاروں طرف سی گھیرے ہوئی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسکا جدا ہونا خیال نہیں کر سکتے -
اور نہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ وہ زمانہ آیندہ یا گذشتہ میں معدوم ہو بس جب اسکا معدوم ہونا خیال
میں نہیں آتا تو اسکی پیدائش بھی خیال میں نہیں آسکتی - اب اگر یہ مان لیں کہ آفرینندگی عالم خارجی سبب
سے ہوئی ہے تو اب سوال یہ ہوگا یہ خارجی آفرینندگی کیونکر پیدا ہوئی جسکے لئے ہم کو وہی تین مفروضہ
سابق پھر ماننے پڑینگے کہ وہ بود یا خود رکھتی ہے یعنی واجب الوجود ہے یا خود آفرین ہے یا خارجی
آفرینندہ رکھتی ہی - آخر مفروض تو اس سب سی بیکار ہے کہ اسمیں خارجی آفرینندگی کا ایک سلسلہ
غیر متناہی لازم آئیگا جو خارج از خیال ہی - دوسری مفروض ہیں کہ وہ خود آفرین ہی ایک سلسلہ
غیر متناہی امکانی وجود کا لازم آئیگا جسکا اوپر بیان ہوا وہ بھی خیال میں نہیں آسکتا اب جاہے تیسرا مفروضہ
بود باخود یعنی واجب الوجود ہونے کی طرف رجوع کرنی پڑیگی جسکو جمہور نے تسلیم کرکے اپنی خاطر کو
مطمئن کر رکھا ہی لیکن جب خود عالم کا واجب الوجود ہونا خیال میں نہیں آتا جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو پھر
اوسکی آفرینندگی کا واجب الوجود ہونا کیونکر خیال میں آسکتا ہے پس جیسے کہ منکران خدا کا مسئلہ
عالم کی بود باخود کا خیال میں نہیں آتا ایسے ہی موحدوں کا مسئلہ خالق کے واجب الوجود ہونے کا
خیال میں نہیں آتا - دونو میں ایسے ناممکن خیالات ہیں کہ وہ عقل انسانی میں نہیں آسکتے *

اور مزید براں ہی۔ دوم قطعاً وہ اپنا نقش خیال پر جماتی ہی۔ اور یہ معدوم شی اور معدوم
شیئوں سے ممیز ہے کہ وہ اپنی قوت سے خود اپنے تئیں وجود کا عبور کرتی ہے۔ ہمارے
آگہی نفس میں کوئی ایسی شی نہیں کہ ان الفاظ کا جواب دے کہ ایک جبلی ضرورت ہی جسکی
سبب اصلی وجود میں امکانی وجود ایک زمانہ غیر محدود میں اپنی ایک صورت میں ہی تو [illegible]
یہ خیال کرنا پڑیگا کہ کسی خارجی تحریک کے بغیر اسنے دوسری صورت اختیار کی پس اس سے
یہ خیال پیدا ہوگا کہ ایک تغیر بغیر کسی علت کے پیدا ہوا۔ یہ بات ایسی ہے کہ جسکا خیال ممکن
نہیں۔ پس اس مفروض کے الفاظ ایسے نہیں کہ اصلی خیال پیدا ہونے دیں اسمیں نہایت فضول
علامتیں ہیں جنکے معانی کچھہ بیان نہیں ہوسکتے۔ علاوہ اس کے اگر یہ سچ ہو کہ وجود امکانی
خیال میں آنے کی قابلیت رکھتا ہے تو وہ حقیقی وجود سے جدا ایک شی ہے اور عالم
امکانی سے عالم حقیقی میں انتقال عقلاً یوں ہوسکتا ہے کہ یہ تبدل یا خود تشخیص سے پیدا
ہوا ہو۔ اس سے بھی ہمارا کوئی قدم آگے نہیں بڑھتا۔ بلکہ سوال ایک قدم پیچھے ہٹتا ہی
اسوقت سوال یہ ہوگا کہ عالم امکان کا وجود کہاں سے پیدا ہوا اسکے لئے بھی اُن ہی وجوہ کی
ضرورت پڑیگی جو عالم حقیقی کے وجود کے لئے پڑی تھی اور پھر انہیں ہی مشکلات پیش آئینگی جو پہلے
آئی تھیں۔ اس مخفی قوت کی اصل کے لئے وہی فرائض کرنے پڑینگے جو اوپر بیان ہوئی ہیں
کہ وہ واجب الوجود ہے یعنے بود با خود رکھتی ہے یا خود آفریں ہے یا کوئی اوسکا خالق
خارجی ہی جو اس سے غیر ہے۔ وجود امکانی کے واجب الوجود ہونے کے خیال میں دقتیں کچھ
کم ان دقتوں سے نہیں ہیں جو وجود حقیقی کے خیال میں تھیں اب وجود امکانی کو خود آفریں
کہیں تو اسمیں وہی دقتیں پیش آئیں گی جو ابھی اوپر بیان ہوئیں۔ عالم کے وجود امکانی
کے پیچھے بہت بعید جا کر ایک اور عالم کا وجود امکانی فرض کرنا پڑیگا پس اس طرح ایک
سلسلہ لامتناہی چلا جائیگا۔ پس اس صورتیں بھی ہم کچھہ آگے نہیں بڑھینگے بلکہ جہاں اول تھے
وہیں تھمے رہیں گے اور یہ فرض عالم امکانی کا آفرینندہ کوئی اس سے غیر خارج میں ہی عالم
امکانی کے اصل مقصود کو مفقود کرتا ہے۔ اب موحدین کا یہ فرض باقی رہا کہ جسکو
جمہور مانتے ہیں کہ عالم آفریں کوئی عالم سے باہر اور اس سے غیر ہے۔ وحشیانہ اعتقاد ہو
میں اور اس عالم کی پیدائش میں جسکو عیسائی مذہب مدت سے تسلیم کرتا چلا آیا ہے
یہ مان لیا ہی کہ آسمان و زمین کی پیدائش میں اسی طرح عمل ہوا ہے جسطرح کہ ایک کاریگر

یہ یقینی ناممکن ہے کہ کسی محدود چیز کا خیال کریں بغیر اسکے کہ اُسکے حدود کے گرد کسی احاطہ کا خیال نہ
کریں اب سوال اس احاطہ کی نسبت ہے۔ اگر علت اولی محدود ہے تو اس سبب سے کوئی چیز اسکی
حد سے پرے ہوگی۔ اس چیز کی کوئی علت اولی نہ ہوگی اسلیئے وہ بے علت ہوگی۔ پس اگر
کوئی چیز بے علت ہوسکتی ہے تو کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہر چیز کی علت کو ہم مانیں اگر اس محدود
احاطہ سے جس میں علت اولی پھیلتی ہے پرے کوئی چیز ہے تو اُسکو مجبوری غیر متناہی لحاظ کرنا پڑیگا
جس میں علت اولی نہیں پھیلتی اگر کوئی غیر متناہی بے علت کے متناہی یا علت کے گرد ہو تو ہم کو
اس مفروض کو کہ ہر چیز کی علت ہوتی ہے خاموشی کے ساتھ چھوڑنا پڑیگا بس اس سبب سے یہ ناممکن ہے
کہ علت اولی یعنی علت العلل متناہی ہو پس جب کہ وہ متناہی نہیں ہے تو ضرور ہے کہ غیر متناہی ہوگا۔
علت العلل کے باب میں یہ ماننا بھی ضرور ہے کہ وہ کسی چیز پر موقوف نہ ہو بلکہ بالکل غیر موقوف ہو
اگر وہ کسی چیز پر موقوف ہوگا تو علت اولی نہ ہوگا بلکہ وہ چیز جس پر وہ موقوف ہے علت اولی ہوگی یہ کہنا
بھی کافی نہیں کہ وہ بالجبر غیر موقوف ہے۔ کیونکہ اسکے معنے یہ ہیں کہ کوئی ضرورت ایسی ہے کہ اُس کی
بالجبر موقوف ہونے کو مقرر کرتی ہے پس یہ ضرورت خواہ کچھ ہی ہو وہ اعلی علت یعنی علت اولی ہوگی
اس ہستی ناقص لازم آئیگا۔ علت اولی کو یہ خیال کرنا کہ وہ بالکل غیر موقوف ہے یہ خیال کرنا ہے کہ
ایک وجود بغیر اور موجودات کے ہے۔ اگر کسی اور وجود کا ہونا ضروری ہو تو وہ بالجبر موقوف دوسرے
وجود پر ہوگا اسلئے وہ علت اولی نہ ہوگا پس علت اولی یعنی علت العلل ہستی کی ایسی صورت
ہے کہ وہ کسی دوسری ہستی سے کوئی ضروری علاقہ نہیں رکھتی اور اپنے اندر بھی وہ کسی سے ضروری
علاقہ نہیں رکھ سکتی اسکے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جو تغیر کو مقرر کرے یا تغیر کو روکے
اسلیئے کہ اگر کوئی چیز اسکے اندر ایسی ہو جسکے سبب سے ایسی ضرورتیں یا روکیں پیدا ہوں تو
وہ چیز علت العلل سے اعلی ہوگی یہ باطل ہے پس علت العلل ہر لحاظ سے کامل اور پورا اور کل ہوگا جسکے
اندر ساری قوت ہوگی اور وہ سب قوانین سے برتر ہوگا جسکے لئے اگر مقرری لفظ کو استعمال
کریں تو مطلق کہیں۔ بس عالم کی طبیعت و سرشت کے باب میں خاص نتائج ہمنے ایسے نکالے ہیں جو
لابدی ہیں۔ اشیا اور افعال و اعمال ہمکو گھیرے ہوئے ہیں اور ہمارے آگہی نفس کے مظہرات
سے کم نہیں وہ ہمکو مجبور کرتے ہیں کہ ہم علت کی پرستش کریں اور اس علت کی جستجو میں ہم کو قیام
کے لئے کوئی جگہہ جبتک نہیں ملتی کہ ہم علت اولی یعنی علت العلل مفروض قیاسی نہ بنائیں اور
اس علت العلل کی کوئی صورت نہیں سوا اسکے کہ وہ غیر متناہی اور مطلق ہو۔ براہین ایسی ہیں کہ

حقائق اشیائے کے باب میں یہ تین مفروضات مختلفہ ایسی ہیں کہ الفاظ میں تو بخوبی سمجھ میں آتے ہیں اور انہیں سے ہر ایک کے ماننے والے یقین کرتے ہیں کہ وہ براہین عقلیہ سے ثابت ہیں مگر جب انکا امتحان نکتہ چینی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو وہ لفظ بہ لفظ خیال میں آنے کے قابل نہیں یہاں بحث احتمال و یقین سے نہیں ہے بلکہ فقط خیال میں آنے سے بحث ہے۔ ان مفروضات کا آگہی نفس میں آنا ایسا ہے جیسا کہ ان بیہودہ خیالات کا کہ پانی کا مربع اور اخلاق کی سبزی وہ بالکل ناجائز اور خراب علامتی خیالات ہیں جو بڑا دھوکا دیتے ہیں انہیں واجب الوجود تو کسی طرح نہیں آسکتا۔

اب ہم اگر عالم کی اصل اصول کی تحقیقات کو چھوڑ کر اسکی سرشت یا طبیعت کی تحقیقات کیطرف متوجہ ہوں تو پہلے سے بھی زیادہ مشکلات نئی نئی صورتوں میں پیش آتی ہیں ایکطرف مجبوراً ہمکو خاص مفروضات مقرر کرنے پڑتے ہیں دوسری طرف یہ مفروضات خیال میں نہیں آتے اس تحقیقات میں کہ ہماری حواس پر جو مختلف اثر ہوتے ہیں انکے کیا معنے ہیں اور اس سوال میں کہ ہماری آگہی نفس میں آوازوں اور رنگوں اور مذاقوں اور بہت سی صفات و اجسام نقش ہوتے ہیں انکے لئے ہمکو مجبوری ماننا پڑتا ہے کہ وہ کسی علت کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں اور ہمکو اس بات کے ماننے میں بہت ہی تھوڑا تامل کرنا پڑتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ علت مادہ ہے بعض محققوں کا قول ہے کہ روح کے ظہور کا خاص طور صرف مادہ ہے جسکے سبب سے مادہ ہی اصل اصول علت ہے مادہ اور روح کو فاعلیت قریبہ کو لحاظ کرکے ہم کل ان تغیرات کو جو ہماری آگہی نفس میں ہوتے ہیں قدرت الٰہی سے ملحق کرتے ہیں علت خواہ کچھ ہی ہو اسکے لئے بھی ہمکو مجبوراً ایک علت ماننی پڑتی ہے۔ بس ہم اسی پر مجبور نہیں ہیں کہ بعض علل کو مانیں بلکہ اسپر بھی کہ علت اولی یعنی علت العلل کو مانیں ہماری آگہی نفس میں جو مختلف نقوش ہوتے ہیں انکا پیدا کرنے والا مادہ کو یا روح کو خواہ کسی اور چیز کو مانیں تو وہ کیا انکی علت اولی ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر وہ علت اولی ہے تو ہم نتیجہ پر پہنچ گئے اور اگر وہ علت اولی نہیں ہے تو اسکے پیچھے کوئی علت ہوگی جو اس طرح سے علل کی اصل علت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ خواہ کیسی ہی مفروض پیچیدہ ہوں مگر ناگزیر سب کا نتیجہ ایک ہی پیدا ہوگا۔ ہماری آگہی نفس میں یہ خارجی دنیا جو نقوش جمانی ہے وہ بغیر علل کے ہماری خیال میں نہیں آسکتے اور انکی تعلیل یعنی علت و معلول کے باب میں تحقیقات نہیں کرسکتے جب تک کہ علت اولی یعنی علت العلل کو نہ فرض کریں۔

اگر تحقیقات میں آگے قدم رکھیں تو سوال یہ ہوگا کہ علت العلل کی حقیقت کیا ہے متناہی ہے یا غیر متناہی ہے اگر ہم اسکو متناہی کہیں تو اسکی حدود انتہائی سے پرے کسی چیز کا خیال کرنا پڑیگا

تناقض ہے کہ ہم اوسکو واحد خیال کریں۔ یا متعدد اس میں بھی تناقض ہے کہ ہم اس کو خاص ہستی شخصی خیال کریں یا عام ہستی غیر شخصی اسمیں بھی تناقض ہے کہ ہم اس کو فاعل خیال کریں یا نہیں اسمیں بھی تناقض ہے کہ اسکو کُل موجودات کا مجموعہ خیال کریں یا اس مجموعہ کا ایک جزو ہر مذہبی اعتقاد کے ساتھ اخلاق کا دفتر ضمیمہ کے طور پر بڑھتا جاتا ہے ہم اس دفتر سے قطع نظر کرتے ہیں اور مذہبی اعتقاد کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایک مسئلہ نظری علت ہونے پر مبنی ہے۔ ادنے سے ادنے وحشی جو ہیں وہ اشیا کی پیدایش کی تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے لیکن جب عجیب و غریب ظہورات دکھائی دیتے ہیں تو انمیں فاعلیت کا سوال پیدا ہوتا ہے وہ ہر غیر معمولی مظہر کے لئے انسان کی فاعلیت کا یقین کرتے ہیں کہ انسان کے مُردوں کی روحوں نے یہ کام کئے ہیں جسکا حال اوپر بیان کیا گیا ہے پس یہی فاعلیت کا خیال موحدوں کے مذہب میں اور غیر موحدوں کے مذہب میں زیادہ توسیع کے ساتھ پھیل گیا ہے۔ سب مذہبوں میں فاعلیت یعنی کرتا ہونے کا ایک مفروض قیاسی ایسا ہے جسے کہ عام سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے۔ یہ فاعلیت کا خیال تو منکران الٰہی کے مذہب میں موجود ہے کہ وہ مکان و مادہ و حرکت کو مظہر کی علت فاعلی بناتے ہیں ہر مسئلہ نظری دو باتیں ظاہر کرتا ہے۔ اوّل کوئی چیز ہے جسکی توجیہ کیجاتی ہے دوم جو توجیہات ہیں اس مسئلہ کے حل کرنے میں خواہ محققین کا کیسا ہی اختلاف ہو مگر اسمیں سب کا اتفاق ہے کہ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے ہے کل اعتقادات مذہبی میں یہی ایک عنصر مشترک ہے۔ مذہب اپنے مسائل میں خواہ کیسے ہی مخالف معاند ہوں مگر یہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ دنیا کا وجود اور اسکا وجود جو اسکے اندر اور گرد ہے ایک سرّ مخفی ہے جو ہمیشہ اپنے معانی بتانے کے لئے زور سے تقاضا کرتا ہے پس اسبات میں سارے مذاہب کا اتفاق ہے گو اور باتوں میں تناقض ہے جس مقصد کی ہمکو تلاش تھی وہ ہماری نگاہ کے روبرو آگیا اوّل باب میں اس نتیجے کے نکالنے کی دلائل بیان کی تھیں کہ عموماً اعتقادات انسانی میں سچ کی روح کچھہ ہوتی ہے خواہ ان اعتقادات پر کیسی ہی غلط اور جھوٹ کی رنگتیں چڑھ گئی ہوں۔ سخت توہمات کے اندر بھی جو سچ تھا اسکو دریافت کرلیا یہ بھی بیان کردیا کہ غالباً ایک گروہ کے متنازع آرائے کے بعض اجزا جنسے کہ وہ رائیں بنتی ہیں مشترک ہیں اور ایک جزو مقوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ سب مذاہب میں موجود ہوتا ہے۔ یہ بھی ہم نے بتلایا کہ یقینی سب سچ مذہبی مقولات انتزاعیہ یا اطلاقیہ میں زیادہ انتزاعی ہوتا ہے اسلئے ہر لحاظ سے ہمارا نتیجہ ہمارے مطلوب کے لئے کافی ہے۔ جو نتیجہ ہم نے نکالا ہے اسمیں وہ اصل اصول ہستی کا موجود

کہ ہم ان نتائج سے بچ نہیں سکتے مگر جن مواد پر یہ وہ مبنی ہیں اور نتائج جو ان دلائل پر مبنی ہیں آسانی سے ثابت ہو سکتے ہیں کہ وہ محض علامتی خیالات ہیں جنکا اسلوب نا جائز ہے وہ ان دلائل سے بھی جو ہمنے اوپر بیان کئے ہیں باطل ثابت ہو سکتے ہیں مگر ہم ایک اور طرح سے انکا بطلان نیچے لکھتے ہیں جنہیں انکے تناقض کو بتلاتے ہیں +

(۴) یہ تین خیالات۔ علت مطلق۔ غیر متناہی ہیں جنمیں سے ہر ایک لا بدی ہے جب یہ تینوں خیالات مجتمع ہو کر ایک ہی ہستی کے صفات ہوں تو سوال یہ ہے کہ اسمیں تناقض تو لازم نہیں آتا؟ ۔ علت مطلق نہیں ہو سکتا اور مطلق علت نہیں ہو سکتا علت کو تعلق اپنے معلول سے ہوتا ہے۔ علت اپنے معلول کی علت ہوتی ہے اور معلول اپنے علت کا معلول ہوتا ہے اسکے برعکس مطلق کا خیال ہی جسکا وجود بغیر کسی تعلق کے ہوتا ہے۔ ایک ذات کی صفات مطلق اور علت ٹھیرانے میں تناقض لازم آتا ہے مگر اس صورت میں تو اس تناقض سے چھٹکارا یوں ہو سکتا ہے۔ کہ تو اتر تفاوت زمانی کے خیال کو داخل کریں کہ مطلق اول تھا اور بعد ازاں علت بنا مگر اسکا مانع غیر متناہی کا خیال ہے کیونکہ غیر متناہی کی صورت کوئی اور جو اول میں نہ ہو نہیں ہو سکتی اگر ممکن طور وجود کا علت کا ہونا ہو تو جو بے علت موجود ہے وہ غیر متناہی نہیں اور جب وہ علت ہو تو اپنی پہلی حدود سے گذر جاتا ہے ۔

علم الٰہی وہ سائنس ہے جسمیں ذات الٰہی اور انتظام الٰہی کا ذکر ہو) جو معقول ہو وہ تو خود اپنا آپ فنا کرنیوالا ہے۔ بالطبع اسکے خاص استعمال میں تضاد و تناقض ہے مثلاً یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر متناہی عدل ہر گناہ کی غایت درجہ کی ٹھیک سزا دے اور غیر متناہی رحم گنہگاروں کے گناہ معاف کرے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غیر متناہی دانائی کو علم ہو کہ کیا آیندہ ہونیوالا ہے اور غیر متناہی آزادی کرنے اور درگذر نہ کرنے کے لئے آزاد ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بدی کا وجود اس غیر متناہی کامل ذات کے ساتھ موافقت رکھتا ہو اگر بدی کرنی اسکے ارادہ کے موافق ہو تو وہ غیر متناہی نیکی نہیں اور اگر اسکے ارادہ کے موافق ہو تو اسکا ارادہ آڑے ہاتھوں آتا ہے اور اسکے کام کا دائرہ محدود ہوتا ہے ۔

خلاصہ اوپر کے بیان کا یہ ہے کہ ہم مطلق اور غیر متناہی کا خیال خواہ کسی پہلو سے کریں اسمیں تضاد و تناقض موجود ہوتا ہے اسمیں یہی تناقض ہے کہ ایسی ایک چیز کا وجود تنہا فرض کریں یا اور چیزوں کے ساتھ اسمیں کوئی تناقض ہے کہ وہ وجود نہ رکھتا ہو اور اسمیں بھی

انہیں کافی نہیں بلکہ کوئی مفروض قیاسی ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ قابل خیال ہو۔ پس سر مخفیہ جسکو ہر مذہب تسلیم کرتا ہے سر مخفیہ سے بھی برتر ہے وہ مطلق ہے اضافی نہیں کہ کوئی اسمیں شک و شبہ کر سکے + پس مذہبی سچ غایت درجہ کا جسکا یقینی ہونا بھی ایسا ہی کہ کوئی یقین اس سے اعلیٰ تر نہیں ہو سکتا ایسا سچ ہے کہ جسکے ماننے میں سب مذاہب متحد ہیں بلکہ فلسفہ بھی جو مذہبی مسائل کا دشمن ہے اسکو مانتا ہے۔ یہ سچ وہ ہی جسکے ماننے میں کل نوع انسان چھپا ہوا اتفاق رکھتی ہے خواہ وہ مادہ پرست ہو یا کوئی بڑا اعتقاد مذہبی کا نکتہ چیں ہو۔ اگر مذہب و سائنس کی ... مصالحت ہو تو اس مصالحت کی بنیاد عمیق و عریض و بالکل تحقیق اور واقعیتوں سے زیادہ یہ ہوگی کہ عالم جس قوت کا جلوہ دکھاتا ہے وہ بالکل انسان کے فہم میں آنے کے قابل نہیں ہے۔

باب سوم

سائنس کے خیالات غایت انتہا کے

(۱) مکان اور زمان کیا ہیں؟ انکے باب میں دو مفروض قیاسی مروج ہیں اوّل یہ کہ انکا وجود خارج میں ہے یعنی ہم سے باہر وجود خارجی رکھتے ہیں اور وہ ہم پر موقوف نہیں ہیں دوم یہ کہ وہ وجود ذہنی رکھتے ہیں یعنی ہمارے ذہن میں موجود ہیں اور ہمارے آگہی نفس سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اب ان دونو مفروضات کی تشریح و تحلیل کو دیکھنا چاہیے کہ کیا حاصل ہوتا ہے۔

یہ کہنا کہ مکان و زمان وجود خارجی رکھتے ہیں یہ کہنا ہے کہ وہ اعیان ہیں یعنی ایسی اشیا کہ بالذات قائم ہیں اب انکو یہ کہنا کہ وہ اعیان نہیں انکے وجود کا فنا کرنا ہے۔ اعیان کا نہ ہونا اور معدوم ہونا ایک ہی بات ہے پس یہ کہنا کہ معدوم وجود خارجی رکھتا ہے الفاظ میں تناقض پیدا کرتا ہے سوا اسکے اس سے انکار کرنا کہ زمان و مکان اعیان ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ ہم کہیں کہ وہ معدوم ہیں اس سے لازم آتا ہے کہ معدوم کی دو قسمیں ہیں جو باطل ہے ہم زمان و ہم مکان کو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بعض اعیان کی صفات۔

جو مذاہب عموماً ظاہر کرتے ہیں۔

تمام مذہبوں کی جان یہ عنصر ہے اس واقعیت سے اور بھی زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ یہی عنصر ایسا ہے کہ ہر انقلاب و تغیر میں زندہ سلامت رہا اور جس قدر مذہب کا انکشاف زیادہ ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ عنصر زیادہ صاف اور اعلیٰ درجہ کا ہوتا جاتا ہے۔ پرانے قدیمی اعتقادات میں غیر مرئی فاعلیت کا خیال شائع تھا لیکن یہ فاعلیتیں کامل مقرون اور معمولی صورتوں میں تھیں انکی تصنیف انسان و حیوان کی مرئی فاعلیتوں میں کی جاتی تھی۔ غرض سر مخفیہ کا خیال بے سرو پا حتی الامکان غیر اسرار مخفیہ کے لباسوں میں چھپا ہوا تھا۔ متعدد خداؤں کے ماننے والوں کے خیالات اعلیٰ صورت میں تھے کہ فاعلیتیں اعلیٰ مقام میں بہت دور رہتی ہیں اور انکے کام کرنے کے طریقے نہایت باریک و دقیق ہیں وہ شگونوں اور ملہم آدمیوں کے انسان کے ساتھ عجب طرح سے رسل و رسائل کرتی ہیں۔ اشیا کی علل غائی سے واقفیت بہت کم ہے اور وہ بہت کم سمجھ میں آتی ہیں۔

موحدین کے ایمان کا نشو و نما ہمکو ہمارے مسلک میں ایک قدم اور لے جاتا ہے۔ اس ایمان کے ساتھ ضرور ہے کہ ان اعتقادات کا انکار کیا جاوے جنہیں خدا کی ذات ادنیٰ خواہشات میں انسان کے ساتھ یکساں کیجاتی ہیں۔ ابتدا میں یہ اعلیٰ درجہ کا ایمان خواہ کیسی ہی ناقص طور پر حاصل ہوا ہو پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کی عبادتگاہوں میں خدا واحد جو نامعلوم ہے اور نہ جسکی معرفت حاصل ہوسکتی ہے عبادت ہو رہی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ معرفت الٰہی کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی اور صاف صاف یہ امر تسلیم کیا جاتا ہے کہ خالق کا سمجھنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ جب علم الٰہی کی اور ترقی ہوئی تو اسکا خاتمہ اس بیان پر ہوا کہ جو خدا سمجھ میں آسکے وہ خدا ہی نہیں

اور یہ خیال کرنا کہ خدا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں خدا کا انکار کرنا ہے۔ زمانہ حال میں کہ علم الٰہی کی زیادہ ترقی ہوگئی ہے یہ خیال مانا جاتا ہے۔ مذہبی اعتقادات کے اور اجزا فرداً فرداً ساقط ہوتے جائینگے مگر یہ خیال باقی رہے گا اور بہت ظاہر ہوتا جائیگا بس اس سے ثابت ہوا کہ یہی اصل الاصول جزو مقوم ہے۔ ہر مذہب اس سر مخفیہ کا اقرار کرتا ہے مگر وہ کارروائی اس طرح کرتا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سر مخفیہ کی عقدہ کشائی کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی ایسا سر مخفیہ نہیں ہے کہ انسان کی سمجھ سے باہر ہو مگر ان عقدہ کشائیوں کا امتحان کرو تو خوب اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب یکساں ضعیف ہیں اس کے باب میں جتنے مفروضات قیاسی ہوسکتے ہیں ہر ایک کی تحلیل و تشریح ثابت کرتی ہے کہ کوئی

یہ قابلیت نہیں ہے کہ ہم مکان کی انتہائیں ایسی مقرر کریں کہ جس سے پرے اور مکان نہ ہو اور اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ مکان کی قابلیت انقسام کی کوئی حد ہم مقرر کریں اور اسکے ساتھ یہ بھی ناممکن ہے کہ مکان کی قابلیت انقسام غیر متناہی خیال کریں گو زمانہ کے باب میں ہم یہ نہیں بیان کرتے مگر اسکے اندر بھی ہم مکان کی طرح قاصر و عاجز ہیں۔ پس مکان و زمان کو ہم نہ اعیان اور نہ صفات اعیان نہ غیر اعیان خیال کر سکتے ہیں۔ پس ہم انکے وجود کے ماننے میں تو مجبور ہیں لیکن ہم انکو اصل حالتوں میں نہیں لا سکتے کہ جیسے ہمارے خیال میں وجود اپنی تصویر بناتا ہے اوپر کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ مکان زمان بالکل عقلاً سمجھ میں آنے کے قابل نہیں قریب کا علم جو انکا ہم رکھتے ہیں اگر اسکا امتحان کریں تو ثابت ہوگا کہ وہ علم بالکل جہالت ہے اسکے وجود خارجی کا یقین ایسا ہے کہ اسپر کوئی چیز غالب نہیں آ سکتی مگر انکا بیان عقلاً ہم نہیں کر سکتے ان دو باتوں میں سے کہ انکا علم ممکن البیان لیکن ممتنع الحصول ہے ایک کا ہی یقین کرنا نامعقولیت کو زیادہ کرتا ہے۔

(۲) اب مادہ کا حال سنیئے کہ اسکے قابلیت انقسام کے باب میں ہنوز گفتگو کا خاتمہ نہیں ہوا اس باب میں ان دو باتوں کے سوا کوئی تیسری بات نہیں ہو سکتی کہ مادہ کیا متناہی قابلیت انقسام رکھتا ہے یا نہیں۔ اب اگر یہ کہیں کہ مادہ غیر متناہی قابلیت انقسام رکھتا ہے۔ ایک ایسی بات ہم کہتے ہیں کہ خیال میں نہیں آ سکتی۔ ہم ایک جسم کی تنصیف کر سکتے ہیں اور پھر اس تنصیف کی تنصیف اور علیٰ ہذا القیاس متواتر تنصیف پر تنصیف کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ نوبت ایسے چھوٹے اجزا پر پہنچتی ہے کہ پھر مادہ زیادہ تقسیم نہیں کر سکتے مگر عقلاً تقسیم کا عمل بے انتہا جاری رکھ سکتے ہیں اس طرح عمل کے کرنے سے مادہ کی غیر متناہی قابلیت انقسام اصلاً عقل میں نہیں آ سکتی مگر اسکا ایسا علامتی خیال بن سکتا ہے کہ وسعت پانے سے کبھی اصلی خیال نہیں بن سکتا اور اسکا کوئی دوسرا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حقیقتاً غیر متناہی قابلیت انقسام کے خیال کے لیئے عقلاً غیر متناہی تقسیم چاہیئے اور غیر متناہی تقسیم کیلیے غیر متناہی زمان درکار ہے۔ اب دوسری صورت یہ ہے کہ مادہ قابلیت انقسام غیر متناہی نہیں رکھتا اسکے یہ معنی ہیں کہ اسکے اجزا ایسے ہو سکتے ہیں کہ کوئی قوت تصور میں نہیں آتی کہ انکی تقسیم آگے کرے تو یہ مفروض لفظی خیال میں اپنی تصویر ایسی ہی نہیں بنا سکتا جیسا کہ پہلا مفروض اس لیئے کہ ان آخر اجزا میں سے ہر ایک شکل ٹھہری اجزا کے نیچے اوپر دائیں بائیں طرف میں سطح ہوگی اب یہ تصور کرنا ناممکن ہے کہ ہر اطراف ایسی متصل ہوں کہ انکے درمیان بسیط فاصل داخل نہ ہو سکے۔ خواہ کشش الصاق میں

اعراض ہیں اسمیں صرف ہم ہی نہیں دیکھتے کہ درحقیقت کسی ایسی عین کا خیال کرنا ناممکن ہے
جسکی وہ صفات نہ ہوں بلکہ اس سے اور زیادہ یہ دیکھتے ہیں کہ اگر ہر چیز غائب ہو جائے تو
بھی ہم انکا غائب ہونا نہیں خیال کر سکتے اب اسکے برخلاف یہ ضرور ہے کہ جب اعیان غائب ہوں
تو انکے ساتھ انکے صفات بھی غائب ہوں۔ پس زمان و مکان کو نہ تو غیر اعیان خیال
کر سکتے ہیں نہ کسی عین کی صفات۔ پس ناگزیر ہم انکو اعیان خیال کر سکتے ہیں پس جب
ہم زمان و مکان کا وجود خارجی کے مفروض قیاسی کی صورت میں انکو اعیان کی نوع
میں ماننا پڑتا ہے۔ مگر تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکو اعیان کے طور پر خیال میں لانا ناممکن ہے۔
کسی اعیان کا خیال میں لانا اسپر موقوف ہے کہ وہ صفات رکھتی ہوں۔ ہم اعیان کو غیر اعیان سے
صرف کسی عین کی اس قوت سے تمیز کرتے ہیں وہ ہمارے آگہی نفس پر کچھ عمل کرتی ہے
ہمارے آگہی نفس پر بہت سے نقوش منقش کرتی ہے جنکے ساتھ اسکو ہم موصوف کرتے
ہیں اور انکو اسکی صفات کہتے ہیں ان صفات کی غیر حاضری ان حدود کی غیر حاضری ہے
جس کے سبب سے وہ عین خیال میں آئی تھی اور اسمیں خیال کی غیر حاضری شامل حال ہو جاتی
ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مکان کی صفات کیا ہیں؟ اسکی صرف ایک صفت وسعت
یا امتداد ہے جسکو ایک لمحہ کے لئے ممکن ہے کہ ہم سمجھ سکتے ہیں جسکے سبب سے خیال منتشر ہوتا ہے
اسلئے کہ مکان اور وسعت یا امتداد سے ہم معنے لفظ ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی جگہہ
استعمال ہو سکتے ہیں جب ہم اپنے گرد کے چیزوں کی وسعت یا امتداد کے معنے یہ
ہوتے ہیں کہ وہ مکان سے شغل رکھتی ہیں پس یہ کہنا کہ مکان وسعت یا امتداد ہے
اسکے معنے یہ ہیں کہ مکان مکان ہے اس طرح سے ہم زمان کی کوئی صفت نہیں مقرر کر سکتے
جسکے بیان کی ضرورت نہیں۔ صفات کے نہ ہونے ہی سے صرف زمان و مکان
کو ہم اعیان خیال نہیں کر سکتے بلکہ ایک اور خاص بات ہے جو علم الٰہیات کے پڑھنے
والے جانتے ہیں جو انکو اعیان کی نوع سے خارج کرتی ہے درحقیقت تمام اعیان جنکو
ہم جانتے ہیں وہ متناہی ہیں اگر ہم اسکو مان لیں کہ ہم بعض غیر متناہی چیزوں کو جان
سکتے ہیں یا خیال میں لا سکتے ہیں تو ہم قطعی ان غیر متناہی اعیان کو متناہی اعیان کی نوع
سے جدا کرتے ہیں لیکن ہم زمان و مکان کی انتہاؤں کو پا لے انتہاؤں کو بیان نہیں کیا
کر سکتے۔ ہم میں یہ بالکل قابلیت نہیں ہے کہ کسی غیر متناہی مکان کی ذہنی تصویر بنا سکیں اور ہم میں

ہونگے کہ آن واحد میں ۴ و ۲ کی رفتاروں سے وہ حرکت کریں یہ ناممکن ہے پس حسب یہ فرض
کہ مادہ مطلق جامد ہے نامعقول ثابت ہے تو پھر نیوٹن صاحب کا فرض قیاسی سچا ہوگا کہ مادہ کے اجزاء
صغیر کے درمیان تماس نہیں ہے بلکہ فصل ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے پر قوائے دافع وجاذبہ
کے سبب عمل کرتے ہیں جو فاصلہ کے اعتبار سے بدلتے ہیں یہ مفروض فقط مشکل کو بدل دیتا ہے
کہ جو سوال پہلے مادہ کے مجموعی حجم کی بابت تھا وہ اب اجزاء صغیرہ مفروضہ میں منتقل ہو گیا اگر
یہ مان لیں کہ مادہ کا تصور ہم اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ایسی کثیف امتدادی احاد یا افراد سے
بنایا گیا ہے جنکو زور گھیرے ہوئے ہے تو اب یہ سوال ہوگا کہ ان احاد کی بناوٹ کیا ہے
ہمارے لئے کوئی دوسری بات سوا اسکے ماننے کے لئے نہیں ہے کہ ہر ایک واحد یا فرد انہیں سے
مادہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ اب اگر عقل کی خردبین لگا کے دیکھیں تو انہیں سے ہر ایک میں مادہ کا
حجم ہے جیسا کہ ہم سوچ رہے تھے اسکی جو تحقیقاتیں پہلے ہو چکی ہیں وہ پھر از سر نو ہر جزو صغیر کے اجزاء
کے باب میں دوبارہ پیش کرینگے اور ہر جواب میں مشکلات سابقہ کا سامنا ہوگا ظاہر ہے کہ
اگر فرضی جزو صغیر میں یہ مانا جائے کہ وہ بہت چھوٹے چھوٹے اجزاء صغیرہ سے مرکب ہے تو دوسری
قدم پر مشکل سابقہ بارز و نما ہوگی اور اس سے فرضوں کے بے انتہا سلسلہ سے بھی نجات نہیں ہوگی
مادہ کے باب میں جو بوسکووچ صاحب کا خیال ہے اب اسکی تحقیقات باقی رہی صاحب
نے یہ دیکھ کر کہ لیبنیز صاحب نے مادہ کے باب میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ اُن جواہر فردی
جنہیں امتداد نہ ہو مرکب نہیں ہو سکتا اسلئے کہ بے شمار نقاط کے جنہیں امتداد نہ ہوں بے انتہا
علی الاتصال رکھنے سے بھی وہ امتداد نہیں پیدا ہو سکتا جو مادہ میں موجود ہوتا ہے اس پر
نیوٹن صاحب نے اعتراضات کئے ہیں انکو بھی بوسکووچ نے سوچ سمجھ کر ان دونوں مسئلوں کے
درمیان ایک درمیانی مسئلہ نظری پیش کیا جسمیں دونوں مسائل مذکورہ شامل تھے اور مشکلات
بھی دور ہوتی تھیں وہ مسئلہ نظری یہ تھا کہ مادہ کے اجزاء مقوم (وہ اجزا جنسے مادہ بنے)
زور کے مراکز (جمع مرکز) ہیں۔ یہ نقاط بغیر امتداد کے ہیں جو ایک دوسری کو جذب و دفع
اس طرح کرتے ہیں کہ وہ خاص خاص فاصلوں پر جدا جدا رہتے ہیں۔ استدلال ریاضیہ سے ثابت کیا
ہے کہ زور ہیں جو ایسے مرکزوں کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ فاصلوں کے ساتھ ایسے بدلتے ہیں کہ
خاص معلوم حالتوں میں ان مرکزوں کے درمیان ایک مستقل موازنت مع درمیانی مکانات
کے ہوتی ہے اور اور حالتوں میں کم و بیش درمیانی مکانات رکھتے ہیں گو اس مسئلہ نظری

کیسا ہی زور ہو یہ ناممکن ہے کہ ہم اس سے بڑے زور کا خیال نہ کر سکیں جو اس پر غالب ہونے کی قابلیت نہ رکھتا ہو پس عقل انسانی میں جیسا کہ ایک مفروض قیاسی نہیں آسکتا ایسا ہی دوسرا نہیں آسکتا لیکن یہ نتیجہ انسانی عقل کو لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک مفروض قیاسی کو یا دوسرے مفروض قیاسی کو کسی واقعیت سے موافقت ضرور ہونی چاہیئے۔

اب اس سوال کو جو حل نہیں ہوتا چھوڑ دو تو یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ مادہ حقیقت میں کوئی چیز مثل امتدادی جامد جسامت کے جو ہماری آگہی نفس میں موجود ہے رکھتا ہے یا نہیں۔ دھات کا ٹکڑا جس مکان سے شغل رکھتا ہے وہ ہماری آنکھوں اور انگلیوں کو محسوس ہوتا ہے کہ بالکل اس سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جسم متجانس بغیر اپنی اتصال استمراری کے توڑانے کی مزاحمت کرتا ہے اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت مادہ ایسا ہی مجسم جامد ہے جیسا کہ وہ بظاہر ہمکو معلوم ہوتا ہے؟ کیا ہم یہ کہینگے کہ وہ ایسے عنصر سے بنا ہے جو قابلیت انقسام غیر متناہی رکھتا ہے یا اسکی افراد واحدہ غایت انتہائی زیادہ تقسیم کی قابلیت نہیں رکھتے اسکے اجزا حقیقةً تماس رکھتے ہیں؟ یہ کہنا ہم کو ایسی مشکلات کی دلدل میں پھنساتا ہے کہ اُس سے نکل نہیں سکتے۔ اگر مادہ ایسا ہی محض مجسم جامد ہوتا تو اُسکے یہ معنے ہوتے کہ وہ ضغطہ کی یعنی دبنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ضغطہ یا دبنے کے قابل ہونے کے معنے یہ ہیں کہ اوسکے اجزاء مقوّم غایت درجہ کی قربت میں آتے ہیں یہ امر خیال میں نہیں آسکتا جبتک اس کے اجزاء کے درمیان کوئی جگہ خالی نہ ہو فقط یہی بات نہیں ہے بلکہ علم مکینکس کا سچا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مجسم متحرک برفتار معلوم حرکت کرے اور وہ اپنے مساوی مجسم سے اسطرح ٹکڑائے کہ دونو ساتھ حرکت کریں تو ٹکر دینے والے مجسم کی رفتار سے دونو مجسموں کی رفتار مشترک آدھی ہوگی۔ یہ قانون ایسا ہے کہ جسکی نفی خیال میں نہیں آسکتی کہ جب ایک مقدار ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں گذرتی ہے تو ضرور ہے کہ وہ ان دونو درجوں کے درمیانی مدارج میں گذر کر انکو طے کرے۔ اب یہ صورت جو پیش ہے کہ مجسم متحرک جو ۴ کی رفتار رکھتا ہے اوسکی رفتار گھٹ کر ۲ نہیں ہوگی جبتک کہ وہ ۔۴ و ۲ کے درمیان تمام رفتاروں میں نہیں گذریگا۔ اگر مادہ حقیقت میں مجسم جامد ہوتا اور اُسکے اجزا منفرداً ضغطہ کے یعنے دبنے کے قابل اور مطلق حالت متماسہ میں نہ ہوتے تو یہ قانون جسکا نام اتصال استمراری کا قانون رکھا گیا ہے بالکل ٹوٹ جاتا اسلیئے کہ جب دو افراد واحدہ کی رفتار ۴ سے آناً فاناً میں گھٹ کر ۲ ہو جائے تو ۴ کی رفتار سے ۲ کی رفتار میں بغیر وقفہ زمانی کے آنے کے یہ معنے

اور وہ ایک نقطہ کی طرف ہی۔ اب اس بات کا ثابت کرنا نہایت آسان ہی کہ ان دو باتوں میں ہماری رای صحیح نہیں ہی۔ مثال کی آسانی کے لئے فرض کرو کہ ایک جہاز خط استوا پر لنگر انداز ہے اور اسکا سر مشرق کی طرف ہی۔ جب جہاز کا کپتان جہاز کی اگاڑی سے پچھاڑی کی طرف چلے تو بتاؤ وہ کس جہت میں حرکت کرتا ہی؟ اسکا صاف جواب یہ ہی کہ مشرق کیطرف جاتا ہی اس جواب میں لمحہ بھر کے لئے بھی شبہ نہیں ہو سکتا اب جہاز کا لنگر اٹھا اور وہ جنوب کی طرف اس رفتار سے چلا کہ جہاز کا کپتان مشرق کی طرف چلتا تھا تو اب بتاؤ کہ جہاز کا کپتان جو جہاز کی اگاڑی کی طرف سے پچھاڑی کی طرف جاتا ہی تو کس جہت کو چلتا ہی؟ اب اسکی جواب میں مشرق کی طرف تو کہہ نہیں سکتے اسلئے کہ جہاز مغرب کیطرف اسی رفتار سے جاتا ہی جس رفتار سے جہاز کا کپتان مشرق کی طرف چلتا تھا اسکو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ مغرب کی طرف جاتا ہی اسلئے کہ وہ مشرق کیطرف چل رہا ہی۔ وہ جہاز کے گرد مقام کے لحاظ سے حالت سکون میں ہی۔ مگر اہل جہاز اسکو متحرک دیکھتے ہیں۔ کیا ہم اس نتیجہ پر ذرا بھی یقین کر سکتے ہیں کہ وہ شخص ساکن ہے اور جب ہم اس حساب میں یہ بات اور داخل کریں کہ زمین اپنی محور پر حرکت کرتی ہی وہ بجائے ساکن ہونے کے ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہی پس نہ تو اس شخص کا خیال درست ہی جو اسکی طرف دیکھتا ہی اور نہ اس شخص کا خیال صحیح ہی جو جہاز کی حرکت سے نتیجہ اسکے باب میں نکالتا ہی بے شک اور زیادہ توجہ کرنے سے بھی ہم کوئی نتیجہ عمدہ نہیں نکال سکیں گے اسلئے کہ اس حساب میں ہم یہ بھول گئے ہیں کہ زمین جو اپنی مدار میں ہزار میل فی گھنٹہ رفتار سے حرکت کرتی ہے اسکو محسوب کریں پس اس محسوب کرنے سے یہ بات پیدا ہوگی کہ اگر دوپہر کا وقت فرض کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ وہ شخص نہ تو مشرق کیطرف حرکت کرتا ہی نہ مغرب کی طرف بلکہ اس خط میں حرکت کرتا ہی جو سطح طریق الشمس پر مائل ہی اور اسکی رفتار زیادہ یا کم (سال کی اوقات کی موافق) رفتار مذکورہ بالا کی نسبت سے ہے اسپر ہم اور یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اپنی نظام کو کبھی سے پوری طور پر واقف ہیں اگر علم حرکت کے موافق انکی ترکیبوں اور نظاموں کو دیکھیں تو غالبًا اسکے موافق جو حقیقی حرکت کی جہت اور رفتار تحقیق ہوگی وہ بہت مختلف اوپر کے بیانوں سے ہوگی بس ہمنے کافی طور پر ظاہر کر دیا کہ حرکت کے خیالات ہمارے کیسے دھوکہ دینے والے ہیں کہ جو متحرک

کمال ذہانت پائی جاتی ہے اور وہ خوب فصاحت سے بیان ہوتا ہے اور مختلف طرح کی مشکلات بھی دور ہوتی ہیں مگر یہ مسئلہ بھی ایسا ہے کہ کسی طرح اسکی تصویر خیال میں نہیں بن سکتی وہ ساری باتیں جو خیال میں نہیں آتی ہیں اور اوپر بیان کی گئی ہیں ان سب کو شامل کر کے اس مسئلہ نے صرف ایک بات میں جو خیال میں نہیں آتی مستغرق کر دیا ہے وہ ایک بات یہ ہے کہ زور کا مرکز مطلقاً بغیر امتداد کے خیال میں نہیں آسکتا ان الفاظ کے جواب میں سوا اسکے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ایک علامتی خیال کا جائز اسلوب کا بنائیں۔ ایک مجسم ذی امتداد سے جو مزاحمت کرتا ہے۔ مزاحمت کے جدا ہونے کا تصور خیال میں بھی نہیں آتا۔ یہ فرض کرنا کہ مرکز می زور ہیں جن نقاط میں رہتے ہیں بے نہایت ہیں چھوٹے نہیں ہیں بلکہ لامکان ہیں یعنی مکان سے خواہ وہ کچھ ہی شغل نہیں رکھتے یعنے نقاط صرف مقام رکھتے ہیں لیکن کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ انکے مقام کو متعین کرے اور ان پر نقاط کسی لحاظ سے گرد کے نقاط سے جو زور کے مرکز نہیں ہیں کوئی تمیز نہیں رکھتے۔ یہ فرض کرنا قدرت بشری سے باہر ہے

بس اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مادہ کی بناوٹ کے باب میں تمام مفروضات قیاسی سے ایسی منطقیہ نتائج مستنبط ہوتے ہیں کہ جو خیال میں آنے کے قابل نہیں۔ لیکن پھر بھی اگر خیال کرنے کے لئے ہم دلیل رکھتے ہیں کہ وہ کسی واقعیت کے موافق ہوں کہ مادہ کے باب میں یہ خیال کہ وہ کثیف افراد سے جو قابل انقسام نہیں ہیں ایک علامتی خیال ہے جو کامل طور پر خیال میں نہیں آسکتا لیکن اسکا بواسطہ ثبوت علم کیمسٹری کے حقایق صحیحہ میں موجود ہے انہیں بدیہی براہین سے ثابت ہے کہ ضروری مادہ کے باب میں یہ یقین کیا جائے کہ وہ سالمات یا جواہر افراد سے جنکے خاص اوزان ہوتے ہیں مرکب ہے اسی لئے انکے خاص جسامتیں ہوتی ہیں اگر یہ حالت نہ ہو تو پھر قانون عامہ تناسب کا کسی اور طرح کی حالت میں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

بس مادہ کی غایت حقیقت یہ ہے کہ وہ زمان و مکان کی طرح مطلق سمجھ میں نہیں آتا جو جو امر اسکے باب میں فرائض مقرر کرو انکے سراغ لگانے سے ہمارے لئے کوئی بات سوائے اسکے نہیں پیدا ہوگی کہ متضاد باطل باتوں میں سے ایک کو ہم اختیار کریں۔

(۳) ایک جسم کو ہاتھ سے دھکیلیں تو وہ حرکت کرتا ہوا صاف معلوم ہوگا کہ وہ ایک محدود جہت میں جاتا ہے ابتداءً نظر میں شبہ کا ہونا ممکن ہے کہ اسکی حرکت حقیقۃً اصلی ہے

اپنے مقام بدلنے کا میلان نہ تھا اب دوسری حالت میں ہر آن کے اندر نئے مقام سے شغل رکھنے کے
لئے مجبور ہو گیا وہ کیا چیز ہے جو ہمیشہ یہی اثر کرتی رہتی ہے بغیر اسکے کہ وہ کبھی درماندہ ہو؟ کسی
طرح سے وہ اس جسم میں رہتی ہے؟ تم کہتے ہو کہ حرکت پہنچائی گئی ہے لیکن کس طرح؟ کیا چیز پہنچائی گئی
ہے؟ مگر دینے والے جسم نے کوئی چیز اس جسم میں منتقل نہیں کی جسکو ٹکرایا ہے یہ کہنا خارج از سوال ہے
کہ اُس نے ایک صفت کو منتقل کیا ہے سوال یہ ہے کیا چیز اُس نے منتقل کی ہے؟ -

سکون و حرکت کے درمیان کیا تعلق ہے؟ یہ قدیم زمانہ سے ایک لاحل معما چلا آتا ہے۔ ہم ہر روز
دیکھتے ہیں کہ جب چیزوں کو ہاتھ سے اوپر پھینک دیتے ہیں یا دھکیل دیتے ہیں تو بہ تدریج انکی حرکت
میں کمی آتی جاتی ہے اور آخر کو وہ ساکن ہو جاتی ہے! ور اکثر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سکون سے جو
حرکت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زور سے پیدا ہوتا ہے۔ ان تغیرات کی تصویر حقیقۃً خیال میں
بنانی ناممکن ہے اسلئے کہ اس میں قانون اتصال استمراری کا منسوخ ہوتا ہے اور یہ منسوخ ہونا خیال
میں آنے کے قابل نہیں ہے جب ایک جسم معلوم رفتار سے مسافت طے کر رہا ہے تو وہ سکون کی حالت
میں نہیں آسکتا یعنی اسکو کوئی رفتار نہیں حاصل ہو سکتی جب تک وہ درمیانی رفتاروں کے درمیان کی
نہ گذرے۔ ابتداء نظر میں کوئی بات اس سے زیادہ آسان نہیں معلوم ہوتی کہ ہم اس فعل کا تصور
کریں اس بات کا خیال کرنا بالکل ممکن ہے کہ حرکت نامعلوم کم ہوتی جائے جب تک کہ وہ بے انتہا
چھوٹی ہو جائے۔ اسی کی برابر بہت لوگ یہ خیال کرنا بھی آسان جانیں گے کہ بے انتہا چھوٹی حرکت
سے بالکل بے حرکت ہو جائے مگر اس میں ایک غلطی ہے عقلاً خیال میں رفتار کی کمی کو جہاں تک ہم چاہیں
متواتر کم کرتے چلے جائیں مگر ضرور کچھہ نہ کچھہ رفتار باقی رہیگی رفتار کو آدھا کرو اور پھر اس آدھے کا آدھا
اور علیٰ ہذا القیاس ہمیشہ تنصیف در تنصیف کرتے چلے جاؤ کچھہ نہ کچھہ حرکت باقی موجود رہیگی اور نہایت
چھوٹی سی چھوٹی حرکت کے درمیان ایک فصل رہیگا جس پر گذر نہیں ہو سکیگا کوئی چیز خواہ کیسی ہی
چھوٹی ہو وہ بمقابلہ ناچیز کے نہایت بڑی ہوتی ہے پس وہ چھوٹی سی چھوٹی حرکت جو خیال میں آسکتی
ہے سکون کے مقابلہ میں بے انتہا بڑی ہو گی پس سکون سے جو حرکت میں تغیر ہوتا ہے اسمیں جو دقتیں
و دشواریاں پیش آتی ہیں انکی خاص بیان کی ضرورت نہیں پس دشواریاں جو ہم نے پہلے بیان کیں ہیں
انکی برابر ہمکو ان تغیرات کے وقوع میں پیش آتی ہیں مگر اس خیال کرنے میں ہم مجبور ہیں کہ ایسے
تغیرات حقیقۃً وقوع میں آتے ہیں مگر وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے پس نہ مکان کے تعلق کے
اعتبار سے نہ مادہ کے تعلق کے لحاظ سے نہ سکون کے تعلق کے لحاظ سے ہماری سمجھ میں

معلوم ہوتا ہے وہ ساکن ثابت ہوتا ہی اور جو ساکن معلوم ہوتا ہی وہ متحرک ثابت ہوتا ہے۔ جو تیز رفتاری سے ایک جہت میں چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ مخالف جہت میں اور زیادہ تیز رفتاری سے چلتا ہوا ثابت ہوتا ہے یہ بیان ہمکو یہ سبق سکھاتا ہی کہ کسی متحرک کی حقیقی جہت ورفتار کے باب میں ہمارا علم غلط ہوتا ہے فقط حرکت کی وہ صورت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جو کسی مقام متعینہ سے پیمایش واندازہ کی جاتی ہے یہ مقام معینہ خواہ وہ ہو جسمیں ہم مقیم ہیں یا کوئی اور ہو بس یہ نتیجہ نکالنے پر ہم مجبور ہیں کہ جن حرکتوں کا ہم تصور کرتے ہیں وہ تحقیقی و اصلی نہیں ہوتیں مگر در پردہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ تحقیقی و اصلی ہیں ایک جسم کے راستہ و رفتار کے باب میں ہم اپنی متواتر راؤں کی نظر ثانی اس طرح کر لیا کرتے ہیں کہ مان لیتے ہیں کہ ایک تحقیقی راستہ و رفتار ہی۔ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ مکان میں چند مقامات متعینہ ہیں جنکے لحاظ سی تمام مطلق حرکتیں ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ اس خیال سی ہمکو فراغ ہو باوجودیکہ کہ حرکت مطلق تصور میں نہیں آسکتی اسپر بہت کم علم ہوتا ہے۔ ہماری عادت یہ پڑگئی ہی کہ حرکت کے وقوع کو مکان کی حدود کی ساتھ ملا دیا کرتے ہیں اگر ان حدود مکانی سے حرکت کو جدا کریں تو وہ بالکل خیال میں نہیں آسکیگی حرکت کے معنے تبدل مقامی کے ہیں لیکن مکان غیر متناہی ہیں تبدل مقامی خیال میں نہیں آسکتا اسلئے کہ خود مکان خیال میں نہیں آسکتا ایک مقام کا خیال بہ لحاظ دیگر مقامات کے ہوتا ہی اور جب مکان میں آشیا نہ پھیلے ہوئی ہوں تو کوئی مقام خیالیں حدود مکانی سے متعلق سمجھ میں آسکتا ہے پس اس سی معلوم ہوا کہ غیر متناہی مکان میں مقام کا خیال نہیں آسکتا۔ نامعلوم حدود سی کل مقامات مساوی فاصلہ رکھتی ہیں پس جیسی کہ اس خیال کرنے پر مجبور ہیں کہ حرکت مطلق ہوتی ہے ایسی ہی اس خیال کرنے پر مجبور ہیں کہ حرکت مطلق بالکل ہمارے خیال میں نہیں آسکتی +

جب انتقال حرکت پر غور کرتے ہیں تو ایسی مشکل پیش آتی ہے کہ کسی طرح سہل نہیں ہوسکتی۔ عادت نے اندھا کر رکھا ہی کہ اس مظہر کی تعجب خیزی اور حیرت انگیزی پر نظر نہیں ڈالتی۔ بچپن سے اس واقعیت سے ہم ایسی واقف ہوتے ہیں کہ اس بات سی کوئی استعجاب ہمکو نہیں ہوتا کہ ایک متحرک چیز ایک ساکن چیز میں حرکت پیدا کری بس لحاظ سی ایک نسیم کے کرانے کے بعد اپنے سے مختلف ہو جاتا ہی؟ کیا چیز اس میں زیادہ ہو جاتی ہی جو اسکی صفات پر اثر کرتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی مگر اسمیں مسافت طی کرنے کی قابلیت پیدا کر دیتی ہی؟ یہاں ایک جسم ساکن تھا وہی جسم یہیں حرکت کرنے لگا ایک حالت میں اس کو

کہ کسی طرح سے خیال میں اس کی تصویر نہیں بن سکتی - یہ اعتراض یوں رفع کیا جاتا ہے کہ اجزا صغار (آٹم) کے یا مراکز کے درمیان ایک سیال فرض کیا جاتا ہی - مگر اس طرح سوال حل نہیں ہوتا مگر اسکی ہیئت بدل جاتی ہے - اور اس سیال کی تحقیقات میں پھر وہ اپنا جلوہ دکھاتا ہے - مکان کے درمیان جو زور کا انتقال ہوتا ہے اگر اسکو اجرام فلکی کے ذروں کے درمیان دیکھیں تو اسکی مشکل کا دور کرنا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناممکن ہے آفتاب ہم پر اس طرح اثر کرتا ہے کہ جس سے حرارت و روشنی ہمکو محسوس ہوتی ہے اور یہ ہم نے تحقیق کر لیا ہے کہ آفتاب میں جو علت یا سبب یا اثر موجود ہے اسکے معلول کا سبب یا مؤثر کا زمین پر تجربہ ہوتا ہی اور ان دونو علت و معلول کے درمیان آٹھ منٹ کا وقفہ ہوتا ہی اسکا لابدی نتیجہ یہ ہی کہ دونو زور اور حرکت کے خیالات ہم میں پیدا ہوتے ہیں اگر ہم روشنی ایتھر کو فرض کریں کہ وہ سب جگہ پھیلا ہوا ہی تو یہ فرض صرف کسی بات کی حفاظت نہیں کرتا کہ مطلق خلا کے ٩٥٠٠٠٠٠٠ میل کے اندر زور کا عمل کرنا خیال میں آنے کے قابل نہیں ہے بلکہ وہ اسکی ہی تائید کرتا ہے کہ حرکت کا خیال میں آنا جب تک ناممکن ہی کہ کوئی چیز ایسی نہ ہو جسکو حرکت دی گئی ہی یہی صورت کشش ثقل کی ہی - خود نیوٹن صاحب نے لکھا ہے کہ میرے خیال میں نہیں آسکتا کہ ایک جسم کی کشش فاصلہ پر دوسرے جسم پر بغیر اسکے عمل کرے کہ انکے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو - اب سوال یہ ہی کہ اگر درمیانی واسطہ فرض کر لیا جاوے تو اس سے کونسا قدم تحقیقات کرنے پر آگے بڑھ جائیگا - مفروض قیاسی جو تسلیم کیا گیا ہے کہ ایتھر کے تموج یا ترقص سے حرارت اور روشنی محسوس ہوتی ہے اور وہی کشش ثقل کا مرکب (سواری) ہی تو سوال یہ پیش ہوگا کہ ایتھر کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ ہم علم طبعی کو عالموں کی طرح اسپر لحاظ کرتے ہیں کہ وہ نہایت اجزا صغیر سے مرکب ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو جذب اور دفع کرتے ہیں گو وہ بہ لحاظ معمولی مادہ کے بے انتہا چھوٹے ہوں مگر پھر بھی آخر کو وہ بھی اجزا صغیر ہیں - یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ ایتھر بے وزن ہی تو ہمکو یہ نتیجہ ناگزیر نکالنا پڑیگا -

آن خود اجزا صغیر کو ان اجزا صغیر کے درمیانی مکان سے جو نسبت ہی وہ وزنی مادہ کی اسی قسم کی نسبت سے ایسی بڑی ہی کہ کوئی اسکا مقیاس مشترک نہیں بن سکتا - ورنہ کتنا فقیق پھر ایسی نہیں ہیں کہ انکا مقیاس مشترک نہ ہو پس بجائے اسکے کہ آفتاب کے عمل کو بلا واسطہ زمین پر بغیر اسکے مانیں کہ کوئی چیز انکے درمیان ہو - یہ مانیں کہ آفتاب کا عمل ایک وسیطہ کے درمیان پھیلتا ہی جسکے جواہر فرد غالباً اپنے درمیانی مکانوں سے ایسے ہی چھوٹے ہونگے جیسے کہ زمین اور آفتاب اپنے درمیانی مکان سے

ٹھیک ٹھیک نہیں آسکتی۔ اسکی اصل طبیعت کے سمجھنے میں جتنی کوششیں کرتے ہیں وہ خیال کے لئے دو ناممکن صورتیں پیش کرتے ہیں کہ انمیں سے ایک صورت جو چاہو اختیار کرو۔

(۴) جب ہم ایک کرسی کو زور کر کے اُٹھاتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ وہ اس مخالف زور کے برابر ہے جسکو کرسی کا وزن کہتے ہیں ان دونوں زوروں کی مساوات کا خیال نہیں کر سکتے جبتک انکو ہم قسم میں متماثل نہ جانیں اسلئے کہ انہیں چیزوں کے درمیان مساوات ہو سکتی ہے جو ہم طبع ہوں یعنی متماثل ہوں یہ اصول عامہ کہ ایکشن و ری ایکشن (عمل و رد عمل) آپسمیں متساوی ہوتے ہیں اور متقابل جہات میں ہوتے ہیں جسکی تمثیل اسی مثال سے دیجاتی ہے کہ ایک طرف اعصابی زور اور اسکی مخالفت میں وزن ہو سوا اس صورت کے کسی اور حالت میں یہ اصول عامہ سمجھہ میں نہیں آتا اسکے بالعکس یہ بات خارج از قیاس ہے کہ کرسی میں جو زور موجود ہو وہ اُس زور کے متماثل ہو جو ہمارے ذہنوں میں حقیقۃً موجود ہو۔ اس بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب کرسی کو ایک اُنگلی سے یا ساری ہاتھ سے یا ٹانگ سے اُٹھاتے ہیں تو انکا احساس مختلف پیدا ہوتا ہے پس جب وہ ان تمام احساسوں کے متماثل نہیں ہو سکتا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسکو کسی زور کا متماثل یقین کریں بس یہ بیان کرنا کافی ہے کہ ہماری آگہی نفس میں احساس سے جو زور کا نقش بنتا ہے وہ اس صورت سے کرسی میں جبتک موجود نہیں ہو سکتا کہ ہم کرسی کو بھی آگہی نفس نہ عطا کریں یہ باطل ہے کہ زور کو ہم یہ خیال کریں کہ وہ فی نفسہ ہماری زور کے احساس کے متماثل ہے لیکن اگر ہم اُسکو بالکل آگہی نفس میں حاصل کرنا چاہیں تو ایسا خیال کرنا ضرور ہے۔

اب بتائیے کہ کس طرح سے ہم زور اور مادہ کے تعلق وارتباط کو سمجھہ سکتے ہیں؟ مادہ کو فقط اس سبب سے جانتے ہیں کہ اس سے زور کے ظہورات نمایاں ہوتے ہیں اور مادہ کی غایت انتہا کے امتحان کی کسوٹی اسکی مزاحمت ہے۔ مادہ سے مزاحمت کو انتزاع کر لیجئے تو فقط اسمیں خالی امتداد باقی رہ جائیگی۔ یہ بات خیال میں نہیں آسکتی کہ مزاحمت کو مادہ سے جُدا کر کے اسکو خالی امتدادی چیز بناویں چند صفحے اُلٹ کر دیکھو تو تمکو معلوم ہوگا کہ ہم نے لکھا ہے کہ زور کے مراکز خالی از امتداد خیال میں آنے کے قابل نہیں ہیں مگر یہ لابدی نتیجہ ہے کہ ہم یہ نہیں خیال کر سکتے کہ زور کے امتدادی یا غیر امتدادی مراکز جذب و دفع اور ایسے مرکزوں کا کرتے ہوں بغیر اسکے کہ اُنکے درمیان کسی قسم کے مادہ کا واسطہ نہو۔ نیوٹن اور ریوسکو وچ کے مسائل کے اُس مفروض پر برابر اعتراض ہوتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز پر ایک مطلق خالی مکان کے درمیان عمل کرتی ہے۔ یہ فرض ایسا ہے کہ کسی طرح سمجھ

(۵) اب ہم عالم خارجی کے یعنی اس عالم کے بیان کو چھوڑتے ہیں جو ہم سے باہر تھا اور اس عالم کے بیان پر متوجہ ہوتے ہیں جو ہمارے اندر ہے یعنی ان فاعلیتوں پر جو باطنی تبدلات صور پیدا کرتی تھیں چھوڑتے ہیں اور خود تبدلات صور پر متوجہ ہوتے ہیں اُنسے ایک سلسلہ مرتب ہوتا ہے جسکا صاف صاف منفرد اور جدا کرنا بہت مشکل ہے باوجود اسکے وہ ہماری آگہی نفس میں متواتر حالتیں پیدا کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ جو آگہی نفس کی حالتیں ہیں وہ متناہی ہیں یا غیر متناہی۔ ہم نہ اُنکو متناہی کہہ سکتے ہیں نہ غیر متناہی۔ یہ دونو باتیں خیال میں نہیں آسکتیں +

(۶) اب اس نفس آگہی کی وسعت سے قطع نظر کرکے جو اُسکے جوہر یعنی ذات پر توجہ کریں تو بھی کوئی بڑی کامیابی نہیں حاصل ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو سوچتی ہے؟ اس سوال کا جواب بھی یہی کہ وہ خیال میں نہیں آسکتی۔

(۷) بس سائنٹیفک خیالات غایت انتہا کے جو حقائق کے مصور ہیں وہ سمجھ میں نہیں آسکتے خواہ واقعات کتنی ہی جمع ہوں اور اُنسے عمومات و کلیات کتنی ہی قائم کئے جائیں اور پھر ان عمومات و کلیات سے اعظم عمومات و کلیات بنائے جائیں۔ حقائق حقہ کا اصل اصول ہماری رسائی سے دور رہیگا جو چیزیں کہ توجیہ کے قابل ہیں انکی توجیہات ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے پیچھے ایسی چیزیں ہیں جنکی توجیہ نہیں ہوسکتی عالم اندرونی اور بیرونی میں۔ سائنس کا جاننے والا مدامی تغیرات کے اندر گرویدہ رہتا ہے اور وہ ان تغیرات کی نہ ابتدا کو جانتا ہے نہ انتہا کو اگر وہ اشیا کے اشتقاق کی طرف ماضیہ کو دیکھتا ہے تو اس کو یہ مفروض قیاسی کرنا پڑتا ہے کہ اس عالم کا وجود ایک ابتر و منتشر حالت میں تھا اور وہ یہ بالکل ناممکن جانتا ہے کہ یہ امر خیال میں آئے کہ یہ امر کیونکہ وقوع میں آیا اور اگر انکی طرف آیندہ پر غور کرتا ہے تو ناممکن جانتا ہے کہ منظرات جو اسکے سامنے اپنا افشا کرتے ہیں انکے تواتر اعظم کی انتہا کا تعین ہو سکے اسی طرح وہ اپنے عالم اندرونی میں دیکھتا ہے کہ آگہی نفس کے رشتے کے دونو سرے اسکی گرفت سے باہر گیا ہیں بلکہ اسکے خیال کی قدرت سے باہر ہیں یعنی اسکے خیال میں نہیں آسکتا کہ انکا وجود کس طرح تھا اور آیندہ کس طرح ہوگا۔ اگر وہ عالم بیرونی اور اندرونی کے منظرات سے پلٹ کر اُنکی ذاتی طبیعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اُسمیں بھی وہ قاصر رہتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ اشیا کے ظواہر و خواص و حرکات کی ہر صورت کو زور و مکان و زمان کے ظہورات میں بیان کرسکتا ہے مگر پھر بھی اسکو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ زور و مکان و زمان کا فہم و عقل میں آنا ممکن نہیں ایسی ہی وہ اعمال عقلی کی تحلیل و تشریح کرکے آخر کو وہ محسوسات پر اترتا ہے جو کل خیالات کے اصلی مواد ہیں مگر

چھوٹے ہیں۔ اب ہمکو یہ خیال کرنا پڑیگا کہ یہ بے انتہا چھوٹے اجزا صغیر آپس میں ایک دوسرے پر
محض خالی مکانوں میں عمل کرتے ہونگے جو انکی اپنی جسامت کے مقابلہ میں نہایت بڑے ہونگے
اب بتلائیے کہ اس خیال میں بہ نسبت پہلے خیال کے کیا آسانی ہوگی؟ دونو خیالوں میں ہم کو ایک
قسم کی تصویر بنانی پڑتی ہے جو اپنا عمل وہاں کرتا ہے جہاں وہ نہیں ہے اور کوئی چیز ہی نہیں ہے
جسکے سبب سے اسکا عمل منتقل ہو بس اس سے کیا فرق آتا ہے کہ یہ بات اعلیٰ یا ادنیٰ
پیمانہ کی ہو؟ بس اس سے معلوم ہوا کہ زور کے عمل کا سمجھنا ہماری عقل سے باہر ہے بغیر کسی چیز کے وساطت
کے جو امتداد رکھتی ہو زور کا تصور نہیں کر سکتے۔ جب اس چیز کو مان لیتے ہیں تو بھی پیچیدگی و دقت دور
نہیں ہوتی بلکہ ملتوی ہو جاتی ہے بس اب ہم اس نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ مادہ خواہ بے وزن ہو یا وزن دار
یا مجموعہ افراد ہو یا اسکے مفروضی احاد ہوں وہ محض خالی مکان میں مادہ پر عمل کرتا ہے اور یہ نتیجہ
ایسا ہے کہ قطعی خیال میں آنے کے قابل نہیں ہے۔

خیال کی ایک اور دشواری ہم زیادہ کرتے ہیں جو نیچر میں موجود ہے اور کسی طرح اٹھائی نہیں اٹھ سکتی
ایک طرف ہم نہیں خیال کر سکتے کہ مادہ مادہ پر ایک درمیانی مکان میں عمل کرے جو خلا محض رکھتا
ہو۔ دوسری طرف یہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مادہ کی ایک جز کی کشش ثقل دوسری ایک جزو پر یا کل اجزا پر
عمل کرے اور یہ مطلقاً ایک ہی ہو خواہ درمیانی مکان مادہ سے پر ہو یا نہ ہو۔ میں اپنے ہاتھ میں ایک
سیر کا وزن زمین پر سے اٹھا لیتا ہوں اس وزن اور زمین کے درمیان میں جو خالی جگہ ہے ایک
مادہ کا حجم لاؤ خواہ وہ کسی قسم کا اور کسی حالت کا ہو گرم ہو سرد ہو سیال ہو منجمد ہو۔ شفاف ہو یا غیر شفاف
ہو لطیف ہو یا کثیف ہو۔ اسکے وزن کی ثقل میں کچھ فرق نہیں آئیگا۔ کل زمین و اسکے بے انتہا اجزا میں سے
جنسے وہ مرکب ہے۔ ہر فرد اس ایک سیر وزن پر مطلقاً ایک ہی طرح عمل کرتے ہیں خواہ کوئی چیز
درمیان میں حائل ہو یا نہ ہو زمین کے مادہ کا ہر جو ہر فرد جو ہمارے قدموں کے نیچے آٹھ ہزار میل پر ہے
اس ایک سیر وزن پر اپنا عمل کرتا ہے جسکو میں ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں اور اسمیں اس مکان کے خلا و ملا پر
کچھ اعتنا نہیں ہوتا جو اُنکے درمیان واقع ہے۔ بس مادہ کا ہر حصہ اپنے سے بعید حصص پر اسطرح
برتاؤ کرتا ہے کہ درمیانی حصص جو دہی نہیں رکھتے مگر اسکے ساتھ ہی انکے وجود کا ہونا سمجھا جاتا ہے
جنکی بلا واسطہ برتاؤں کی صحت مشتبہ ہوتی ہے۔

بس جب زور کا خیال کوئی خیال ناممکن ہے تو بالاولیٰ اسکے طریقہ عمل کا خیال عقل میں آنے
کے قابل نہیں ہوگا۔

جسقدر سوی لیزیشن یعنی تمدن کی شائستگی بڑھتی جاتی ہی۔ آہستہ آہستہ یہ یقین بھی زیادہ ہوتا جاتا ہی کہ عقل انسانی میں یہ قابلیت نہیں ہی کہ وہ علم مطلق کو حاصل کرسکے عالم و موجودات کے علم کی ہر جدید مسئلہ میں نئی عیب و صواب مبنی ہوتی ہی اور پھر وہ نئی تشکیک میں داخل ہوتی ہی بجائی اسکے کہ وہ پہلی طرح سے ثابت کیجائے کہ وہ عقل میں نہیں آتا۔ کل ممکنہ خیالات میں سے ہر ایک کا امتحان کیا گیا تو وہ قاصر نکلا پس سوچ بچار کا سارا میدان بہ تدریج بغیر اسکے خالی ہو گیا کہ کوئی نتیجہ مثبتہ نکلے جو نتیجہ نکلا وہ نافیہ یا سالبہ تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ظہورات کے پردہ کے اندر حقیقت و ماہیت شیا ایسی چھپی بیٹھی ہو کہ وہ کبھی نمایاں ہو کر معلوم نہیں ہو گی اس نتیجہ پر اکثر حکماء کبار کا اتفاق ہے اور جو حکما اسکے برخلاف ہیں وہ چند ہیں۔

تشریح و تحلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا علم متعلق ہوتا ہے مطلق نہیں ہوتا۔ عام و خاص تجربوں سے جو استقرار کیا جاتا ہی اسکا استحکام ہماری عقل کی طبیعت سے ہوتا ہے ایسی استقرار پر پہنچنے کے دو طریقے ہیں اوّل یہ ثابت کرنا کہ ہمارا گیان نہ ہے نہ کبھی ہوگا کہ وہ مطلق ہو۔ وہ کیا تو خیال کی تولید سے۔ یا خیال کی تعمیل سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) اگر تم ساون کے مہینے میں کسی سبزہ زار میں جاؤ اور وہاں چند گز آگے پھڑپھڑ کی آواز تمہاری کان میں آئی اور گھاس کو ہلتے جلتے دیکھو تو غالباً تم اس آواز اور حرکت کے دریافت کرنے کے لئے وہاں گئے تو ایک تیتر دیکھا جسکے سبب سے آواز اور حرکت کی وجہ تمکو معلوم ہو جائیگی تم کو بار بار یہ تجربہ اپنی زندگی میں ہو چکا ہی کہ جب ساکن اجسام میں متحرک اجسام اپنی حرکت پہنچاتے ہیں تو ایسی آواز اور حرکت پیدا ہوتی ہے پس یہ مشاہدہ بھی اسکی ایک مثال ہی۔ اب تم نے تیتر کو پکڑ لیا اور اس تحقیقات کے درپے ہوئے کہ وہ اڑا کیوں نہیں تمنے اسکو خوب دیکھا و ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ اُسکے پروں پر کچھ خون کے دھبے ہیں جب تم یہ سمجھے کہ کسی شکاری نے اسکو گولی ماری ہے جس سے وہ زخمی ہوا ہی۔ تم بہت دفعہ ایسی صورتیں دیکھ چکے ہو کہ پرندوں پر چھرّے گولیاں چلائی جاتی ہیں جس سے وہ زخمی اور ہلاک ہوتے ہیں پس یہ صورت بھی منجملہ ان ہی صورتوں کے ہی۔ اب تم اس بات کے سمجھنے میں اُلجھے کہ گولی تو ایک اسی پر چلائی گئی اور وہ کہیں جان جوکھوں کی جگہ بھی نہیں لگی اسکے بازؤں کو کوئی آسیب پہنچا نہیں اور وہ عضلات بھی محفوظ ہیں جنسے کہ تیتر اڑتا ہے اور اُسکے پھڑپھڑانے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ اس میں بہت سی طاقت باقی ہی اب اس امر کی تحقیق کرنے کے لئے کہ باوجود ان ساری باتوں کے وہ اڑا نہیں۔ تم ایک علم تشریح کے جاننے والے کے پاس گئے اور اس سے پوچھا اُس نے کہا کہ بازو کے عضلات کی

پھر بھی وہ آگے نہیں بڑھتا اسلئے کہ وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ احساسات اور وہ چیز جو احساسات کی علت ہے کیا ہے کہ خارجی اور ذہنی اشیا کو اُس نے تحقیق کرلیا ہو کہ انکی ذات یا جوہر کی ایک ہی طرح کی پیدایش ہو ممکن نہیں کہ وہ سمجھہ میں آسکیں اسکی تحقیقات کی تمام جہات میں ایک لاحل معما سامنے آتا ہے جسکا حل کرنا اوسکے خیال و وہم و گمان میں بھی نہیں گذرتا۔ اس سے وہ یہ سبق سیکھتا ہے کہ انسان کی عقل بڑی بھی ہے اور چھوٹی بھی ہے اسکی بساط یہ ہے کہ وہ اپنی قوت تجربات کی حدود میں کام میں لایا کرے اور ان تجربات کی حدود سے باہر تحقیقات میں اپنے تئیں ضعیف و ناتواں جانے اسکے علم کی غایت انتہا یہ ہے کہ وہ ایک سیدھی سادی واقعیت کی فی نفسہ حقیقت کو جانتا ہے کہ میری فہم و عقل سے اُسکا سمجھنا باہر ہے سوا اسکے وہ کماحقہٗ اس بات کو جانتا ہو کہ میں کسی چیز کی کنہ اور حقیقت کو نہیں جان سکتا۔

باب چہارم

کل علم کی تعلیق یعنی علاقہ بندی

(۱) حقائق و ماہیت اعیان کے باب میں ہم بعض فرض کرتے ہیں ور ہر فرض میں جو خیال میں آسکتا ہو خواہ انہیں کسی طرح مباحثہ کا آغاز کریں آخر کو ناگزیر یقینی دلائل منطقیہ سے یہ ایک ہی نتیجہ نکلے گا کہ دو ناممکن خیالات پیش آئینگے کہ انمیں سے ایک کو اختیار کرو اگر کوئی بھی فرض نہ کریں اور یوں آغاز کریں کہ ہمارے گرد کی چیزوں میں جو خواص محسوس ہوتے ہیں انکے تعلق کے خاص قوانین تحقیق کریں اور ان خاص قوانین سے قوانین عامہ و اعم بناتے چلے جائیں تو آخر کو پھر اُس علم سے ہم دور ہی رہینگے جو یہ خواص ظاہر کرتے ہیں ہمارا ظاہری علم جو ہوتا ہے اسکے امتحان کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ خود اپنی ذات میں بھی مطابقت و موافقت نہیں رکھتا۔ مذہب سائنس کے خیالات غایت انتہا کے فقط علامتیں ہیں اصلی گیان نہیں۔ ہم نے یہاں گیان انگریزی لفظ نولج یا کوگ نی شن کا ترجمہ کیا ہے جسکے معنے اس وسیع علم کے ہیں جسمیں وہ سارے علم داخل ہیں جو احساس و ادراک و خیال و وہم و قیاس و فکر و اعلیٰ درجہ کی ہدایت سے حاصل ہوتے ہیں۔

پہ کچھہ سمجھنے لگا عضلات کا سکڑنا جسکا سبب تم کو بالکل نہیں معلوم تھا۔ اب تمکو وہ کم بے سبب معلوم ہوگا۔ جب تم کو یہ دکھلایا جائیگا کہ ایک گیلوینک کرنٹ (برقی رو) نرم آہنی مقناطیسوں کے سلسلہ کو چھوٹا بنا دیتی ہے جسکا سبب یہ ہے کہ ہر مقناطیس اپنے ہمسایہ کی مقناطیس کی کشش سے چھوٹا ہوجاتا ہے۔ ایک تمثیل جو خاص ہماری دلیل کے مطلب کا ایفا کرتی ہے خواہ نفس الامر حقیقۃً ہو یا خیالاً تو وہ اس عقلی روشنی کو چمکا دیتی ہے جو ایک نوع کی صورتوں سے پیدا ہوئی ہے جسمیں ایک خاص صورت کا داخل ہونا ممکن ہوتا ہے۔ یہاں جو مثال بیان کی گئی ہے وہ اس بات کے یاد کرنے سے سمجھنے کا اثر اور زیادہ کردیتی ہے کہ نسوں کے ذریعہ سے اعضا میں جو اثر جاتا ہے وہ مشبتاً برقی نہیں ہوتا مگر ایسا زور ہوتا ہے جو برقی زور سے رفاقت وقرابت رکھتا ہے۔ ایسے ہی جب تم کو معلوم ہوگا کہ امتزاج کیمیائی سے حرارت حیوانی پیدا ہوتی ہے جس طرح اور امتزاج کیمیائی سے حرارت ہویدا ہوتی ہے اسی طرح یہ حرارت حیوانی ظاہر ہوتی ہے جب تم کو معلوم ہوگا کہ غذای عرق جب آنتوں کے غلافوں میں جاتے ہیں تو وہ ایک مثال اوس میٹک عمل کی ہوتی ہے۔ اوس میٹک کے معنے یہ ہیں کہ مائعات جو مختلف قسم اور مختلف کثافتکے ہوں انکا میلان پردہ فاصل کے چھونے سے پھیلنے کا ہوا۔ تمکو یہ بھی معلوم ہوگا کہ غذا کے ہضم ہونے میں وہ تغیرات ہوتے ہیں جو کہ پورے طور سے کیمیا خانہ میں مصنوعی پیدا کئے جاتے ہیں۔ پس ان باتوں کے جاننے سے تم ایسے مظہرات کی طبیعت سے کچھہ واقف

اب تم غور کرو کہ ہمنے اوپر کیا کیا؟ عام سوال پر متوجہ ہوئے اسکے متواتر معانے بیان کئے۔ جہاں یہ معانے تم کو لے گئے اسپر غور کی خاص مقرون واقعیتوں سے آغاز کیا۔ بعد ازاں ہر ایک کی توجیہ کی اور اس توجیہ میں زیادہ عام واقعیتوں کی توجیہ داخل کی جسکی توجیہ اول ایک مثال تھی۔ خاص اعلیٰ درجہ کی واقعیتوں پر پہنچے یعنے اصول مناسبہ یا خواص سطح پر علم تکنیک کے سیدھے سادے قانون پر علوم طبیعہ۔ علم کیمسٹری۔ علم حرارت۔ علم برق کے حقائق پر۔ خاص مظہرات جنسے کہ ہمنے آغاز کیا تھا وہ بڑے بڑے مظہرات کے گروہ میں مستغرق ہوئے اور اس استغراق سے ہم کو رسائی ان عقدہ کشائیوں پر ہوئی جنکو ہم عمیق و دقیق اتنا ہی جانتے تھے جتنے قدم ہم آگے رکھتے تھے مثلاً جب یہ پوچھا جائے کہ میرم اور مائعات کی موازنت کی اور مائعات کی حرکت کی قانون کی وجہ کیا ہے تو اسکے جواب میں علوم ریاضیہ کے عالم ایک اصول کو بتلائینگے جو جامدات و مائعات دونوں پر صادق آئیگا اور ایک عام واقعیت اعلیٰ درجہ کی مادہ کی بناوٹ کے باب میں معلوم ہوگی جسکے یہ سارے ظہورات کیمیائی۔ برقی۔ حرارتی ہیں۔

ایک نس جو ریڑھ کی ہڈی سے نکلتی ہے گولی سے زخمی ہوئی ہے اور اس نس میں جب ذراسی بھی ضرب لگتی ہے اور اس کے پاس کے چند ریشے ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر بازو اس قابل نہیں رہتا کہ دوسری بازو کی ساتھ ہم پرواز ہوسکے اسلئے تیتر میں اُڑنے کی قابلیت نہیں رہی اس تشریح سے تمہاری تشفی ہوجائیگی اور کچھہ حسرت بھی باقی نہیں رہیگی اسلئے کہ تم نے رگوں کے نظام کے مجروح اور اعضا کے مفلوج ہونے کو بار بار دیکھا ہے۔ اب علت و معلول (سبب و مسبب یا اثر و مؤثر) کا ایک تعلق معلوم ہوگا جو اصلاً متشابہ ہوتا ہے۔

اعضا کے اعمال کو تم روز دیکھتے ہو مگر اُن کے سمجھنے کا قصد نہیں کرتے اب اگر تمکو اس طرف توجہ ہو اور تم یہ سوالات پوچھو کہ تنفس یہ اثر کیونکر ہوتا ہے پھیپھڑوں میں وقتاً فوقتاً ہوا کیوں داخل ہوتی ہے؟ تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ ریڑھ دار جانوروں میں جیسے کہ ہم ہیں ہوا کی مداخلت سینہ کے جوف کے فراخ ہونے سے ہوتی ہے اور یہ فراخی کچھہ ڈایافریم یعنی حجاب حاجز کے دبنے سے اور کچھہ پسلیوں کے اُٹھنے سے پیدا ہوتی ہے اب یہ سوال ہوگا کہ پسلیوں کے اُٹھنے سے جوف صدر کیوں فراخ ہوتا ہے؟ علم تشریح کا عالم اسکا جواب یہ دیگا کہ پسلیوں کے ہر زوج کی سطح ریڑھ کے ساتھ حادہ زاویہ بناتی ہے جب پسلیوں کے متحرک سرے اُٹھتے ہیں تو زاویہ کشادہ ہوتا ہے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوف بڑھتا ہے اُسکی مثال یہ ہے کہ متوازی الاضلاع کا رقبہ اسی قدر بڑھتا ہے کہ جسقدر اُسکے زاویے زاویہ قائمہ کے قریب ہوتے جاتے ہیں اس خاص واقعیت سے جب تم سمجھو گے کہ اسکو ایک مثال ہندسیہ عامہ کی واقعیتوں کی دیکھو گے اب تم یہ سوال پوچھو گے کہ اس جوف کے وسیع ہونے کی وجہ سے ہوا اسمیں کیوں داخل ہوتی ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ جب جوف سینہ فراخ ہوتا ہے تو اسمیں ہوا اس سبب سے کہ اسمیں دباؤ کچھہ کم ہو جاتا ہے پھیلتی ہے اور اس وجہ سے اسمیں مزاحمت کی قوت کم ہو جاتی ہے تو بیرونی ہوا کی مزاحمت دو کم دباؤ سے کرتی ہے اور ہوا مثل اور سیالات کے سب جہات میں یکساں دباؤ کرتی ہے پس بیرونی ہوا کی حرکت اُس سمت میں ہوتی ہے جہاں اور مقامات کی نسبت دباؤ کم ہوتا ہے اسلئے ہوا اندر کیطرف جاتی ہے۔ اسبات کو تم بخوبی سمجھہ جاؤ گے جب تمکو مائع کی جیسے پانی ہے اس قسم کی واقعیتیں دکھلائی جاینگیں ایسی ہی جب تمکو یہ بتلایا جاوے کہ دست و پاء انسانی مرکب لیورین یعنی بیرمین ہیں جو اس طرح عمل کرتے ہیں جیسے کہ لکڑی یا لوہے کی بیرمیں۔ تم یہ جانو گے کہ اب میں حرکات حیوانی کو

نفس ناطقہ دائرہ محدود سے باہر نہیں جاسکتا۔ اور یہ محدود بھی مشروط ہوتا ہے۔ ہم نے خیال کرنے کے معنے شرط کرنے کے بیان کئے ہیں۔

آگہی نفس کی صفت یہ ہی کہ وہ متعلق ہوتا ہے۔ ایک شخص ہوتا ہے جو آگاہ ہوتا ہے۔ ایک چیز ہوتی ہے جسپر آگہی ہوتی ہے۔ پس تین چیزیں عالم و معلوم و علم ہیں۔ اگر انمیں سے دو اول یعنی عالم و معلوم معدوم ہوں تو علم خود معدوم ہو جائیگا۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ علم ہمیشہ معلوم سے متعلق ہوتا ہی۔ آگہی نفس میں جیسے غیر متناہی نہیں آتا مطلق نہیں آسکتا

باب ۵ پنجم

مذہب و سائنس کی مصالحت

(۱) اوپر کے ابواب سے ثابت ہوتا ہے کہ خواہ عالم خارجی ہو۔ خواہ عالم ذہنی ہو۔ ان کے اعلے درجے کے سوالات کے جواب دینے میں ہمارے عقل و فہم کے قوتین قاصر ہیں حقائق اشیاء کے ماہیت و کینہ کبھی ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی یہی اس مصالحت کی اصلی بنیاد ہی جسکی ہمکو تلاش ہی اب مصالحت کے بخوبی سمجھنے کے لئے ہم کو نتیجہ مذکور کی نسبت سائنس و مذہب کے اسلوب کو دیکھنا چاہئے

(۲) مذہب نے اپنی نہایت وحشیانہ و جاہلانہ مادہ پرستی کی حالت میں جسمیں کسی پتھر یا درخت یا کوئی اور چیز کو اٹھاکر پوجا کی جاتی ہی۔ مادہ گھڑ کر بت بھی نہیں بنایا جاتا۔ اپنی نہایت دھندلی آنکھوں سے غایت انتہا کی راستی کو دیکھا اور اسکا کھونا کبھی موقوف نہیں کیا۔ یہ مذہب کی بڑی لیاقت ہے۔ ایک اور مذہب کی یہ خوبی ہی کہ اس نے ایک علم بدیہی ایسا ظاہر کیا جو کل فلسفوں کا اصل تخم یا جرم ہی۔ علم بدیہی کے معنے تو یہ ہیں جو علم خود بخود پیدا ہو۔ نظر و فکر و اکتساب کا محتاج نہ ہو۔ یعنی ایک انگریزی لفظ انٹیوٹن کا ترجمہ بدیہی کیا ہے جسکے معنے لوک صاحب نے یہ بیان کئے ہیں کہ بعض اوقات نفس ناطقہ دو خیالات کی مطابقت و غیر مطابقت کو خود بخود دریافت کر لیتا ہے بغیر اسکے کہ اسمیں کسی تیسرے خیال کی مطابقت ہو اسمیں نفس ناطقہ کو نہ ثابت کرنے کی نہ امتحان کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہی اور انکے بغیر وہ ادراک اس طرح کر لیتا ہی جیسے کہ آنکھ روشنی کو صرف اسکی طرف دیکھنے سے کر لیتی ہی ایسے ادراکات کی مثالیں یہ ہیں کہ سفید سیاہ نہیں دائرہ مثلث نہیں تین دو سے زیادہ ہوتے ہیں ایک اور ایک ملکر دو ہوتے ہیں۔ مذہب نے ایک علم بدیہی نہایت بیہودہ اور نامناسب طور پر

اب سوال یہ ہے کہ اس عمل کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں ہے؟ - واقعیتوں کی انواع کی توجیہ کرنے میں کیا ہم اسی طرح انواع اعظم انکے بناتے چلے جائینگے اور آخر کو ایک نوع اعظم پر پہنچ جائینگے؟ یہ فرض کرنا کہ یہ عمل بے حد یوں ہی چلا جائیگا اسلئے باطل ہے کہ کبھی غایت انتہا کی توجیہ پر رسائی نہیں ہوگی اسکے واسطے ایک غیر متناہی زمانہ چاہیئے؟ لہذا گزیر یہ نتیجہ نکلا کہ یہ عمل محدود ہے (یہ بات صرف مشاہدہ کے دائرہ کے محدود ہونے سے نہیں ثابت ہوتی بلکہ کلیات وعمومات کی تعداد کی کمی سے بھی جو ضرور اسکے عرض کو بڑھاتی ہی) اسی بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غایت انتہا کی واقعیت عقل فہم میں نہیں آسکتی اسواسطے کہ اگر نیچر کی متواتر دقیق وعمیق توجیہات جنسے کہ علم میں آگے قدم بڑھتا ہی فقط خاص حقایق کا حقائق عامہ میں متواتر داخل کرتا ہے یہ پھر ان حقائق عامہ کا اور اعظم حقائق اعمہ میں داخل کرتا ہی تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ انتہا کی حقیقت عامہ جو اور کسی حقائق عامہ میں نہیں داخل ہو سکتی توجیہ کو نہیں قبول کرتی اب ظاہر ہے کہ اعلی درجہ کا عام گیان جسپر ہماری رسائی ہوتی ہے وہ اور زیادہ اعلیٰ درجہ کے گیان میں تبدیل ہو یہ سمجھ میں نہیں آتا بس اسلئے ضرور ہے کہ آخر توجیہ ایسی ہو کہ پھر وہ توجیہ ہونے کے قابل نہ ہو بس سب سے اعلی درجہ کو حقیقت حقہ پر ہماری رسائی ہوتی ہے وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ اسکا سبب بیان ہو سکے پہلے اس سے کہ غایت انتہا کی حقیقت حقہ ہماری فہم میں آئے - ہماری فہم فہم ہی نہیں رہتی - وہ کچھ اور ہو جاتی ہے

(۳) سائنس کے موافق جو خارجی اشیاء کی کلیات عمومات بنائے جاتے ہیں اسکی تشریح میں خیال جو باتیں پیدا کرتا ہے انکا نتیجہ اوپر بیان کیا گیا ہے نتیجہ ان باتوں سے بھی نکلتا ہی جو خیال اپنے عمل کرنے سے پیدا کرتا ہے -

ہمارا النفس ناطقہ خیال کرتا ہے اور استدلال کرتا ہے اس سبب سے وہ محدود اور مشروط محدود کو جان سکتا ہے - غیر مشروط غیر محدود یعنی غیر متناہی کی توجیہ کبھی وہ نہیں کر سکتا - ہم کسی مطلق کل کا خیال ایسا نہیں کر سکتے کہ اس سے کوئی اور مطلق کل بڑا خیال میں نہ کر سکیں اور نہ کسی ایسے مطلق جزو کا خیال کر سکتے ہیں کہ اس سے چھوٹا کوئی اور مطلق جز خیال میں نہ آسکے غرض کل و جزو دونو کا خیال متعلق ہوتا ہے - خیال مطلق نہیں ہو سکتا اسکی مثالیں زمان و مکان ہیں علم کا و خیال کا ممکن موضوع مشروط و محدود ہے وہ قطعی خیال میں آسکتا ہے خیال کرنے کی معنے مشروط کرنے کے ہیں اور ممکن خیال کا اصل اصول مشروط محدود ہے جیسا کہ کتا اپنی سایہ سے الگ نہیں ہو سکتا - اور باز جو ہوا کے سہارے سے اڑ رہا ہے ہوا سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اسی طرح

رہا مگر اسکے ساتھ بیوفائی کرنے لگا کہ ایسے نامعقول مسائل کو ماننے لگا کہ جس سے اس سچائی پر تاریکی چھاگئی
اور مذہب میں لامذہبی داخل ہوگئی عالم موجودات جس قوت کا ظہور و شہود معلوم ہوتا ہے وہ قوت
آگہی نفس میں مخفی پائی جاتی ہے اسکے برخلاف اسکی ذات و افعال و مقاصد کے باب میں بہ اظہار
ایسا کیا گیا کہ نہ وہ فی نفسہ اور نہ اور اظہاروں کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا پھر ان اظہاروں پر ہر
زمانہ میں اصرار کیا گیا ۔ مذہب اس سے واقف نہ ہوا کہ ایک مرکزی مقام اسکے لئے ایسا موجود تھا کہ
کہ جسکا تسخیر ہونا ناممکن تھا وہ اس مقام سے دور کے مقامات کے لئے جنکی حفاظت کرنی اسکی
قدرت میں ممکن نہ تھی بڑی سینہ زوری سے لڑنے لگا اب اس بات کا اقتضاء یہ ہے کہ ایک تیسری صورت
لامذہبی کی بڑی سنجیدہ و متین ہماری روبرو پیش ہوئی یعنی مذہب اپنا ناقص یقین دکھاتا ہے۔ اس یقین
پر جسکا وہ خاص اقرار کرتا ہے ۔ مذہب نے اپنے مرکزی مقام پر جسکا تسخیر ہونا ممکن نہ تھا ٹھیک ٹھیک طور پر
یقین نہیں کیا۔ نہایت سچے ایمان میں ہم عادتاً دیکھتے ہیں کہ ایک چھپا ہوا زخم تشکیک کا ہوتا ہے جسکے
سبب سے سائنس کے روبرو مذہب آنے سے ڈرتا ہے ۔ سائنس مذہب کو مجبور کرتا ہے کہ جن اوہام کو
اس نے بہت مضبوط پکڑ رکھا ہے انمیں سے ایک ایک کو چھوڑتا چلا جائے ۔ مذہب دیکھتا ہے کہ جن
اعتقادوں کو میں نے پالا پوسا تھا وہ بھی متزلزل ہوئے جاتے ہیں اس سبب سے مذہب کو یہ مخفی خوف ہوگیا ہے
کہ کسی نہ کسی دن اسکی ساری باتوں کی توجیہ پوچھی جائیگی اس طرح وہ شک کی کمین کو دشمن پر خود ظاہر
کرتا ہے کہ آیا وہ علت العلل جو فہم سے بالاتر ہے اور آگہی نفس میں رکھتا ہے وہ حقیقت میں فہم سے بالاتر
یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مذہب میں خواہ کیسی ہی خرابیاں اور برائیاں و غلطیاں ہوں اسنے
ایک اعلیٰ سچائی کو ظاہر کیا ہے اور اسکو پھیلایا ہے اس اعلیٰ سچائی کا اقرار خواہ کیسا ہی ناقص طور
پر ابتدا میں کیا گیا ہو وہ مذہب کا زندہ عنصر ہے اور جان ہے اسکی بہت سی خرابیاں اور برائیاں
انتہائی حد پر پہنچ گئی ہیں مگر بہ تدریج کم ہوتی جاتی ہیں جنکی بالکل تسلیم کر لینے میں ایسی ناکامیابی ہوئی
کہ وہ بالجبر تسلیم کی گئیں ۔ مذہب کا سچا عنصر ہمیشہ جزو نیکی ہے مگر اسمیں یہ لامذہبی کا عنصر داخل ہوجاتا ہے
کہ اسکے اقوال نامعقول اور افعال بد ہوجاتے ہیں اور اسی سبب سے ہمیشہ وہ برائیوں سے پاک صاف
(۳) سب باتوں کو غور کی نظر سے دیکھو گے تو تمکو معلوم ہوگا کہ مذہب کا برائیوں و خرابیوں سے
پاک صاف کرنے والا سائنس ہے ۔ اکثر اس امر واقعی کے دیکھنے میں فروگذاشت ہوتی ہے کہ سائنس کی
خدمات میں سے ایک خدمت یہ بھی ہے کہ وہ مذہب کو برائیوں سے پاک صاف کرے ۔
مذہب خود نہیں جانتا کہ وہ سائنس کا بڑا قرضدار ہے ۔ سائنس کو بھی مشکل سے یہ اطلاع ہوتی ہے کہ مذہب

ایسا ظاہر کیا کہ وہ ساری فلسفوں کا اصلی تخم یا جرم تھا۔ مذہبی تاریخ میں بڑا انقلاب بیان کیا جاتا ہے کہ نیچر کے محدود اور سادہ معانی کچھ ترک ہوتے گئے اور انسے مذہبی معانی پیدا ہوتے گئے۔
بالکل مقرون اور خیال میں آنیکے قابل فاعلیتیں جو اشیا کی علل تھیں انکی جگہہ وہ فاعلیتیں قائممقام ہوتی گئیں جو کم مقرون اور کم خیال میں آنیکے قابل تھیں اتنا ہی سر مخفیہ کا عنصر غائب ہوتا گیا۔ اسکے متواتر ٹیوں میں شبیہ مسائل غیر مستدل مسلمہ جنکے سبب سے سر مخفیہ سر غیر مخفیہ بنا تھا غائب ہوتے گئے یہی اصل تغیر ہے جسکی تفصیل مذہبی تاریخ میں کیجاتی ہے۔ مذہب کا مقصد اعظم یہی ہے کہ وہ اس سر مخفیہ کو قریب الفہم بنائے۔ مذہب اپنے اصلی اعتقاد کے لئے ہمیشہ لڑتا رہا ہے مذہب نے اول اپنے اعتقاد کے برے رویوں کی حمایت اور پرورش کی۔ اور اب بھی وہ ایسے لباسوں میں ہے کہ اوسکو بدنما بناتے ہیں۔ مگر مذہب نے اسکی پرورش اور حمایت سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ یہ مقولہ گو اپنی صورتیں گوناگوں دکہاتا رہا ہے۔ مگر ہر جگہہ وہ قیام کرتا اور اشاعت پاتا رہا ہے کہ ساری اشیاء عالم ایک قوت کا ظہور و شہود ہے جو ہماری علم سے برتر ہے۔ ہر زمانہ میں مذہب کو سائنس شکست دیتا رہا جہاں سائنس سے مذہب لڑنے کے لئے کھڑا ہوا اسکے ساری مورچے سائنس نے چھین لئے مگر مذہب کا یہ ایک مورچہ سائنس نہیں لے سکا۔ مذہب نے اسکو کبھی اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا اب تک اسکو وہ سنبھالے ہوئے ہے منطق نے مذہب کے بہت سے نتائج کی نامناسبت ثابت کی۔ اسکے خاص مسائل غیر مستدل مسلمہ کو باطل ثابت کیا مگر مذہب کی جو غایت انتہا کی راستی سے دوستی تھی اسکو سائنس ضعیف نہیں کر سکا عیب و صواب بینی نے مذہب کی تمام دلائل کو ڈھا کر اسکو ساکت کر دیا مگر پھر بھی جو اسمیں سچائی تھی اسکو وہ مٹا نہیں سکا خواہ اسکے اظہار کرنے کا کیسا ہی برا طریقہ ہو۔ سچائی میں کوئی حرف گیری کے لئے جگہہ نہیں ہوتی اس سچائی پر ایمان یا عقیدہ بے ریائی کے ساتھ رہا ہے اسکی حفاظت و اشاعت کی گئی ہے جسکے سبب سے انسانیت ہمیشہ اسکی ممنون منت ہی ہے اور رہیگی۔

اس سچائی سے پرے مذہب نے جو بتلانا چاہا اسمیں وہ ناکام رہا ہمیشہ اسمیں کم و بیش لا مذہبی داخل ہوتی رہی اور ابتک یہ لا مذہبی اسمیں چلی جاتی ہے اس نے اول یہ سکھایا کہ علت العلل برتر از خیال و قیاس و وہم و گمان و علم ہے (انچہ در وہمت نیاید آں خداست) پھر وہ اس علم کو جو اسکے فہم و علم سے باہر تھا سمجھانے بیٹھ گیا جس سے اس کے کلام میں تناقض لازم آیا ایک سانس میں اسنے یہ کہا کہ تمام اشیا کی علت کا جاننا ہماری فہم میں نہیں آسکتا دوسرے سانس میں یہ کہنے لگا کہ علت کی یہ صفات ہیں اور یہاں تک وہ سمجھ میں آسکتی ہیں دوئم اس سچائی کے بڑے حصے کے ساتھ وہ دل سے بے ریا وفادار

ہماری عقل کی گرفت میں آتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ کشش ثقل کے زور کو خیال میں لائیں نیوٹن صاحب اس قانون کے موجد تھے وہ خود یہ اقرار کرتے ہیں کہ کشش ثقل کا زور جبتک عقل میں نہیں آسکتا۔ اگر ایتھر واسطہ نہ بنائی جائے اور ہمنے کسی دفعہ میں ثابت کر دیا ہے کہ اگر ایتھر کا واسطہ بھی فرض کیا جائے تو بھی کشش ثقل کے سمجھنے میں تائید نہ ہوگی۔ بس علی العموم سائنس ہی کا یہ کام ہے کہ وہ اپنی ترقی سے مظاہرات کے خاص تعلقات کی گروہ بندی قانوناً کرتا ہے اور پھر ان خاص قوانین سے قوانین اعم برابر بناتا چلا جاتا ہے پس ضرور علل کی ترقی زیادہ تر انتزاعی یا علی الاطلاق یا مجرد ہوتی ہے اور علل جتنی زیادہ انتزاعی یا مجرد ہوتی جاتی ہیں اتنی ہی وہ بالضرور خیال میں آنے کے قابل ہوتی ہیں اسلئے کہ انتزاعی یا خیال بناتے ہیں عناصر مقرون کے خیال چھوڑنے پڑتے ہیں پس معلوم ہوا کہ انتزاعی یا مجرد خیال جسکے قریب آہستہ آہستہ سائنس آتا ہے وہ خیال کے تمام عناصر مقرون کے ساقط کرنے سے بالکل خیال میں آنے کے قابل نہیں رہتا بس اب اس بات کا اظہار کرنا انصاف ہے۔ سائنس نے مذہب پر جن لقینیات کا زور لگایا ہے وہ درحقیقت زیادہ تر مذہبی بہ نسبت ان لقینیات کے ہیں جنکی جگہہ وہ قائمقام ہوئے ہیں۔

سائنس نے مذہب کی طرح اپنے عہدہ کا کام بہت ہی ناقص طور پر کیا جیسا کہ مذہب اپنی خدمتگزاری میں قاصر رہا اور لا مذہبی کو اپنے میں داخل کیا۔ ایسے ہی سائنس اپنی خدمت گذاری میں قاصر رہا۔ اور غیر سائنس کو اپنے اندر داخل کیا۔ سائنس نے اپنے مراحل دلنے میں جب مظاہرات کے مستقل تعلقات کو سکھانا شروع کیا تو اس نے ان جداگانہ شخصیتوں کا بالکل اعتبار نہیں کیا جو ان مظاہرات کی علل بتاتی تھیں اور اسکی جگہہ اپنا یقین ان فاعلیتوں پر جو مظاہرات کے علل کو بتاتی تھیں قائم کیا وہ اگرچہ شخصی نہ تہا مگر مقرون ضرور تھا۔ جب بعض واقعیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ نیچر خلا سے نفرت رکھتا ہے (خلا محال ہے) اور سونے کے خواص کی توجیہ ایک عین سے جو اسکو ترکیب دیتی تھی بیان کی گئی اور مظاہرات حیات ایک جاندار اصول سے منسوب کئے گئے تو واقعیتوں کے بتانے کے لئے ایک اسلوب قائم کیا گیا جو مذہبی اسلوب کے مخالف اس سبب سے تھا کہ وہ اور فاعلیتوں کو مقرر کرتا تھا اور وہ غیر سائنس بھی اس وجہ سے تھا کہ وہ ان باتوں کے جاننے کا اقرار کرتا تہا جنکو وہ بالکل نہیں جانتا تہا۔ سائنس نے برقی کیمیائی اختلاط اور ایسے ہی عام قوتوں کے مظاہرات کی گروہ بندیاں کثرت سے کیں نہیں مذہب ہی سے مخالفت نہیں کی بلکہ سائنس سے بھی۔ مگر اب بڑے بڑے محقق سائنس کے عالم ان باتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں: پہلے مقناطیس۔ حرارت۔ روشنی وغیرہ جدا جدا ہیو ن

اُسکے قرضدار ہونے کا کس قدر اقرار کرتا ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب نے ترقی میں جو قدم آگے بڑھایا ہے اور ادنیٰ خیال سے لیکر حال میں وہ اعلیٰ خیال پر پہنچا ہے اسمیں سائنس اسکا معین و مددگار تھا اور سائنس اپنا زور مذہب کی پیشقدمی میں خرچ کرتا تھا اور آئندہ بھی ترقی کی راہ میں مذہب کو چلنے کے لئے تائید کریگا اور ترغیب دیگا۔

جن تبدیلیوں سے ہم خوب واقف ہیں جب تجربہ سے انکا ایک ہی ترتیب و نظم سے واقع ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو یہ ہمارا پہلا خیال پژمردہ ہو جاتا ہے کہ کسی خاص شخصی متلون ارادہ سے یہہ تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن تبدیلیوں سے ہم کم واقف ہیں اُن کے اعتقادات کی بھی بتدریج مشاہدات کے جمع ہونیسے اسی طرح کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

یہ عمل اُن لوگوں کو جو اسکے عامل اور متحمل ہیں مذہب کے برخلاف معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت نفس الامر میں اسکے برعکس ہے یعنی وہ مذہب کے موافق ہے بجائے اسکے کہ کوئی خاص فاعلیت جو سمجھہ میں آتی تھی اور پہلے مقرر کی گئی تھی ایک فاعلیت قائمقام ہوتی ہے جو نہ معین ہوتی ہے نہ سمجھہ میں آتی ہے وہ پہلے فاعلیت کے مقابلہ میں ایستادہ ہوتی ہے اسکی مثال یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں سورج کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک دیوتا کا رتھ ہے جسکو گھوڑے کھینچتے ہیں۔ خیال بہت چھوڑ رہنے سے ظاہر کیا گیا وہ سمجھہ میں کیونکر آگیا اسکی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں فقط یہ لکھنا کافی ہے کہ سورج کی ظاہری حرکت کے سبب بتانے کے ایک فاعلیت قرار دی جسکی مثالیں زمین پر بہت سی فاعلیتیں دیکھنے میں آتی تھیں اور اس طرح روز ایک عجیب چیز سورج کا نکلنا معمولی عقلوں میں آنے لگا۔ بہت صدیوں کے بعد کیپلر صاحب نے تحقیق کیا کہ سورج گرد سیارے بیضوی مداروں میں پھرتے ہیں اور مساوی وقت میں مساوی رقبے طے کرتے ہیں جس سے اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ ہر سیارہ میں روح ہے جو اسکی حرکات کی ہادی ہوتی ہے بس سائنس کی ترقی نے آفتاب کی صورت میں رتھ کے کھینچنے کے خیال کو غائب کر دیا۔ مگر اسکی جگہہ جو دوزور قائمقام بنایا وہ کم معین تھا اور خیال کرنا ضرور تھا جو بے قاعدہ حرکت کے باقاعدہ ہونے کا سبب ہو پھر آخر کو یہ ثابت ہوا کہ یہ جو سیاروں کی گردشیں ہوتی ہیں اور انہیں تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور خلل پڑتے رہتے ہیں وہ ایک قانون عامہ کے موافق ہوتی ہیں پس کیپلر صاحب نے جو ارواح کو متسلط بنایا تھا انکا خیال دور ہوا اور اسکی جگہہ کشش ثقل کا زور قائمقام ہوا اب ایسی ایک فاعلیت جو خیال میں آنے کے قابل تھی موقوف ہوئی اور اسکی جگہہ ایسی فاعلیت قائمقام ہوئی جو خیال میں آنے کے قابل نہیں ہے اسواسطے کہ کشش ثقل کا قانون

ع۔ ... اور جرمنی میں پیدا ہوا ... میں بمقام ... وفات

جو فطری ہیں اور انکا سبب بتلایا جا سکتا ہی بس ہماری عقل کے سامنے دو متضاد و متناقض باتیں
پیش ہوتی ہیں جس ہستی کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں اُسکے متقابل جانبوں کو عقل سے جواب دینا
پڑتا ہے۔ نیچر کی آگہی نفس ایک طرف سے سائنس بناتی ہے اور دوسری طرف نیچر کی آگہی نفس سبب
مذہب و سائنس میں باہم ایک ضروری شکافی رشتہ مندی ہوا ہی اسطرف اشارہ کیا گیا ہی
کہ آگہی نفس کے دو متقابل اسلوب ہیں جنکا وجود آپس سے علحدہ نہیں ہوسکتا معلوم کا خیال مجہول سے
علحدہ اور مجہول کا خیال معلوم سے علحدہ نہیں ہوسکتا اس سبب سے دونوں میں سے جب ایک زیادہ
منقح ہوتا ہی تو دوسرا اسکے ساتھ زیادہ منقح ہوتا ہے تشبیہاً اور استعارتاً مذہب اور سائنس کو
یہ کہو کہ وہ خیال کے مثبت و منفی قطب ہیں جنمیں سے ایک کی افزائش دوسرے کی افزائش کے ساتھ
لازم و ملزوم ہے۔

(۵) تمام مظہرات موجودات ایک قوت مطلق ممتنع التفتیش کو آگہی نفس میں ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ
آگہی نفس زیادہ صاف ہوتی جاتی ہے اور آخر کو چاہیئے کہ بالکل عیبوں اور نقصانوں سے پاک
ہو جائے۔ ایک طرف یہ امر یقینی ہے کہ قوت مطلق موجود ہے اور دوسری طرف یہ امر یقینی ہی کہ اس
قوت مطلق کی طبیعت ہمارے علم ضروری سے برتر اور خیال سے باہر ہے اور یہ امر بھی تحقیق ہے
کہ ابتدا سے ہماری عقل اُسکی طرف ترقی کر رہی ہے۔

بعض محقق یہ کہتے ہیں کہ موجودات عالم کی غایت انتہا کی علت یعنی علت العلل درحقیقت ہمارے
خیال میں ایسی نہیں آسکتی کہ اُسکو صفات کے ساتھ موصوف کرسکیں گو ہماری آگہی نفس کی صورتیں ایسی
ہیں کہ اُنکے اندر مطلق کسی طور اور طریقہ سے نہیں سما سکتا۔ مگر باوجود اسکے ہم پر فرض ہے کہ ان صورتوں
کے اندر مطلق کا نقش جمائیں۔ مسٹر مینسل صاحب کہتے ہیں کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ شخصی خدا ایک خاص
ذات کا خیال کریں اور یہ بھی یقین کریں کہ وہ غیر متناہی ہے۔ سپنسر صاحب کہتے ہیں کہ اگر اوپر کے
دلائل کے کچھ معنی ہیں تو یہ ہیں کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ خدا کی شخصیت کا نہ اقرار کریں نہ انکار۔ عقل کی جو
حدود قائم ہو گئی ہیں انکی اطاعت انکسار کے ساتھ کریں اور انکے برخلاف بغاوت کر کے سر نہ اٹھائیں
جو لوگ یہ یقین کرتے ہیں کہ ہماری قوائے عقلیہ اور اخلاقی فرائض میں باہمی جنگ ہے انکو یہ یقین کرنے دو۔ مگر
مذہب و سائنس کی بناوٹ میں کوئی اصلی برائی نہیں ہے۔

ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کہ تمام مظہرات موجودات کی ماہیت حقیقت کنہ ہماری خیال میں نہیں آسکتی
علت العلل ہر لحاظ سے ہماری خیال سے برتر ہے اس سبب سے ہماری خیال میں نہیں آسکتا ہی

اشیا پائی جاتی تہیں اب وہ ایک ہی عام زور کے طور مختلف طور پر مانے جاتے ہیں اور اُس زور کو بھی ہیں گو وہ سمجھہ میں آنے کے قابل نہیں۔ سائنس اپنی ترقی کی ہر صورت میں اول اول سطاحت پر تھوڑی دیر قیام کرتا رہا ہے پھر آگے قدم بڑھانے میں اُس نے ایسے انتزاعی یا مجرد عام فاعلیتوں کو اختیار کیا جو سمجھہ میں نہیں آسکتیں اب بھی وہ اس پر قانع ہے کہ حقائق محققہ یہی ہیں یہ سائنس کی ایک خاصیت غیر سائنس ہونے کی ہے اور یہی سبب مذہب اور سائنس کی لڑائی کا ایک حصہ ہے۔

(۴) ہم نے بیان کیا کہ ابتدا سے دونو مذہب و سائنس کی خطائیں و نقص یہ ہیں کہ دونو کا ظہور بالفعل ناقص ہوا ہے اور دراصل دونو کی حالت بے ہنگم تھی انمیں سے ہر ایک کامل صورت میں آتا جاتا ہے۔ ہر زمانہ میں مذہب و سائنس میں سے ہر ایک کی برائی یہ ہی کہ اسکی حالت ناقص تھی ہمیشہ دونو میں اس ناقص ہونے کے سبب سے ناموافقت رہی۔ جب وہ اپنی انتہائی صورتوں میں آجائیں گی تو بالکل انمیں موافقت ہو جائیگی۔

دونو مذہب اور سائنس ساتھ ساتھ عقلی ترقی پاتے ہیں گو ان دونو کو اپنی ترقی کی جو وہ کرتی ہیں خبر نہیں ہوتی جو قدم آگے بڑھتا ہے وہ دونو نیچرل (فطری) اور سوپر نیچرل (فوق الفطری) کیطرف ہوتا ہے۔ ہر مظہر کی ایک طرف ہم اُس علت کو چھوڑتے جاتے ہیں جسکی طبیعت بالاضافت خیال میں آنے کے قابل تھی مگر اپنے افعال کی ترتیب میں نامعلوم تھی اور دوسری طرف ہم اس علت کو اختیار کرتے جاتے ہیں جو اپنے افعال کی ترتیب میں معلوم ہے مگر اپنی طبیعت میں بالاضافت خیال میں آنے کے قابل نہیں ایک عام مادہ پرستی سے اوّل قدم آگے یہ بڑھا کہ ان فاعلیتوں کا خیال پیدا ہوا جو انسان اور حیوان کی فاعلیتوں سے بہت مشابہت رکھتی تھی اور اس سبب سے کم سمجھہ میں آنے کے قابل تھیں اسی وقت میں ایسی نئی فاعلیتیں خیال میں آئیں کہ وہ اپنے اثروں کے یکساں کرنے میں ممیز تھیں اور ان فاعلیتوں کی نسبت جنکے وہ قائمقام ہوئیں زیادہ سمجھہ میں آتی تھیں۔ بعدازاں جو ترقیاں ہوئیں اُنہوں نے اپنے دوہرے نتیجے دکھلائے۔ مظہرات موجودات کی علت ایک عمیق اور عام قوت معلوم ہوئی جو اس خاص قوت کی نسبت جسکی وہ قائمقام ہوئی اس معنی کر کم سمجھنے میں آنے کے قابل تھی کہ خیال میں اسکی تصویر کم معین بنتی تھی اور اس معنی کر زیادہ سمجھہ میں آنے کے قابل تھی کہ اسکے افعال زیادہ کامل طور پر معمول ہوتے تھے۔ اب ترقی ایسی ہو گئی ہے کہ ہم حقیقۃً کہہ سکتے ہیں کہ کون سی چیز معلوم ہے اور کون سی چیز نامعلوم۔ علم تقریباً اپنی معراج کو پہنچا جاتا ہے ہر ایک واقعیت جسکا سبب نہیں بیان ہو سکتا اور وہ فوق الفطری معلوم ہوتی ہے وہ اُن واقعیتوں کی مد میں آتی جاتی ہے جو

ایسے خیالات کے اندر متواتر ایسی ناکامیابیاں ہوئی ہیں کہ جنسے صرف بلند سے بلند تر خیالات پر بہ تدریج ہماری رسائی ہوئی ہے۔ بیشک جو خیالات بالفعل مروج ہو رہے ہیں۔ وہ بالضرور خیال کے ایسے اسلوب ہیں جو ہمیشہ حالت تبدل میں رہینگے۔ بلکہ اُس سے بھی زائد ہم خوشی سے مان سکتے ہیں کہ ممکن کیا بلکہ غالباً یہ ہے کہ نہایت انتزاعی مجرد صورتوں کے اندر اس ترتیب کے خیالات ہمیشہ آگہی نفس کی پایاں گادمیں بسے رہینگے۔ غالباً ہمیشہ یہ صورت باقی رہیگی کہ ہستی مطلق کے غیر معین معنی کا کوئی نہ کوئی رنگ ڈھنگ بناتے رہیں جو ہماری عقل کی بنیاد بناتی ہے اِس کام کرنے میں جب تک ہم غلطی نہیں کرینگے کہ اس خیال کو جو اس طرح بنایا ہوا سکو ایک ایسی علامت جانیں جو اس سے کچھہ مشابہت نہیں رکھتی جسکی وہ علامت ہے لاشی کمثلہ شاید ان علامات کا ہمیشہ بنانا اور پھر اسکا اس سبب سے ترک کرنا کہ وہ معقول نہیں ہیں عمدہ وسائل ہماری تعلیم و تربیت کے ہونگے جیسے وہ پہلے ابتک ہوئی ہیں ایسی ہی آیندہ ہونگے ہمیشہ ایسے خیالات کا بنانا جنمیں ہمارے قواء عقلیہ کی نہایت فراخی درکار ہے اور پھر ہمیشہ ان خیالات کا ترک کرنا اس سبب سے کہ وہ مہمل خیالات ہیں یہی ایسا طریقہ ہے جسکی برابر کوئی اور طریقہ نہیں جس سے اس چیز کی عظمت و شان پوری طرح ہمکو معلوم ہو جسکے سمجھہ میں آنے کے لئے عبث ہم قصد کرتے ہیں کہ ہمیشہ ہستی مطلق کے جاننے میں کوشش کرنے سے اور بے نیل مرام اُس سے واپس آنے سے پورا یقین ہوتا ہے کہ اُسکا جاننا ہمارے لئے ناممکن ہے اپنی آگاہی نفس کے زندہ رکھنے کے لئے ہمارے اعلیٰ درجہ کی دانائی اور اعلیٰ درجہ کا فرض یہ ہے کہ ہم یہ جانیں کہ سارا عالم جس سبب سے موجود ہے وہ سبب ہماری علم میں آنے کے قابل نہیں ہے۔

(۶) ہم نے جو کچھہ اوپر بیان کیا ہے اُسکو کثرت سے آدمی بے اصل اور اٹکل پچو خیال کر کے غصہ و غضب کی نگاہ سے دیکھہ کے آنکھیں لال لال کرینگے اُنکی تو عادت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ علت العلل کے اردگرد ایسی باتیں جوڑ جاڑ دیتے ہیں کہ وہ عقل میں آئے ہمنے یہ ثابت کیا کہ علت العلل کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا اس سبب اُنکے دل میں غصہ و کینہ پیدا ہوگا اور وہ یہ کہینگے کہ تم اس واجب الوجود کی جگہہ جسکی نسبت ہم فیلنگ (تاثیر قلبی) رکھتے ہیں ایسی انتزاعی یا مجرد شی پیش کرتے ہو جو خیال میں آنے کے قابل نہیں۔ گو تم کہتے ہو کہ مطلق اصل حقیقت رکھتا ہے مگر اسکے خیال کرنے کی اجازت نہیں دیتے یہ بالکل صاف انکار ہے کہ جدار و مرینز اس قوت مطلق کی جگہہ جسکو ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ شفقت و محبت رکھتی ہے ایسی قوت کو

اس وجہ سے ہم اسکی صفات خواہ کچھ ہی ہوں نہیں مقرر کر سکتے جو صفات اسکی مقرر کی جاتی ہیں وہ
طبائع انسانی کی صفات ہوتی ہیں خواہ انکو کیسا ہی اعلیٰ اور برتر قرار دو ان سے علت العلل کی شان
مرتفع نہیں ہوتی بلکہ اسکا تنزل ہوتا ہے کیا تعجب کی بات ہے کہ انسان اپنی عبادت عظیم ایسے
معبود کی کرے جسکو وہ اپنے مشابہ بناتا ہے گو وہ اپنے اعتقاد میں ان صفات اور اپنے صفات
کے درمیان فرق اعظم بتلاتا ہے مگر پھر بھی انکو وہ باہم متشابہ بناتا ہے۔ ایک زمانہ میں وحشی۔
جنگلی قوموں نے موجودات عالم کی وہ علتیں بنائیں جو مثل انکی گوشت و خون سے پیدا ہوئی تھیں
گر ہمارے زمانہ میں مشابہت مفروضہ کا درجہ بہت کم ہوتا جاتا ہے تربیت یافتہ آدمیوں میں یہ
اعتقاد کہ علت العلل کی صفت ہو بہو انسان کے جسم و جوہر کے ساتھ مشابہ ہے بالکل اٹھ گیا ہی
اور انسان کی ایسی بدسلیقہ خواہشیں موقوف ہو گئی ہیں جو خیال کے عناصر سے نامناسب ہیں مگر
پھر بھی علت العلل کے ساتھ طبائع انسانی کی انتزاعی یا مجرد صفات منسوب کیجاتی ہیں قوت آفرینندہ
کو سب لحاظ سے الوہیت انسانی کی صورت میں خیال کرنا ناخدا پرستی میں وہ لوگ داخل کرتے
ہیں جو خود قوت آفرینندہ کو بعض لحاظ سے الوہیت انسانی خیال کرنے کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ
نہیں سمجھتے کہ ان دونوں میں سے ایک کے ماننے سے دوسرے کا ماننا اڑ جاتا ہے۔ تعجب یہ ہے
کہ جو لوگ بالکل یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم قوت آفرینندہ کا خواہ وہ کچھ ہی ہو خیال میں لانے کے
قابل نہیں۔ وہ طریقہ مذکور پر اصرار کرتے ہیں جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ موجودات عالم کی پیدائش
کے کنہ کے باب میں کوئی بات فرض کیجائے وہ خیال کے لئے دو ناممکن صورتیں پیش کرتی ہی خواہ ان
میں سے کوئی اختیار کرو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہستی مطلق کی اصل کے خیال میں ہر ایک کوشش کا انجام یہ ہی
کہ عقل کو خودکشی کرنی پڑتی ہی۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہماری عقلوں کی بناوٹ ایسی ہی کہ کبھی اوسکی رسائی
مطلق کے خیال تک نہیں ہو گی مگر پھر بھی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مطلق کا خیال اس اس طرح سے ہمکو کرنا
چاہئے جتنے طریقے ممکن الخیال ہیں انمیں یہ امر حق محقق ہے کہ ہم مطلق کے جاننے کے مجاز نہیں بلکہ ہم
اسکے بھی مجاز نہیں کہ اس حقیقت و ماہیت کا خیال کریں جو ظہورات عالم کے پردہ کے اندر چھپی ہوئی
ہے اسپر بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس حقیقت کو خاص طور کا یقین کریں اب بتلائیے کہ
یہ ادب ہے یا بے ادبی؟

اب ہمکو یہ جاننا چاہئے کہ اس چیز کے سوچنے میں جو خیال سے برتر ہے اور خیال میں نہیں آسکتی ہم
جو اصرار کے ساتھ کوشش کرتے ہیں کہ اسمیں کونسی مستقل نیکی و خوبی ہے۔ ابتدا سے اطمینان قلب کے لئے

کیجاتی ہو - جن چیزوں سے کہ اطمینان قلب کے حاصل ہونے کا تجربہ مدتوں سے چلا آتا تھا اور وہ مشخص ہو چکی تھیں انکی جگہہ وہ چیزیں قائممقام ہوتی ہیں جو ہنوز تجربہ میں نہیں آئیں اور اسلئے نامشخص ہوتی ہیں جن باتوں کو ہم اصلی اور بالاضافت معلوم جانتے ہیں انکی جگہہ وہ باتیں قائممقام ہوتی ہیں جنکو ہم بالاضافت مجہول ورخیالی سمجھتے ہیں پس یہ تبادل تو بغیر رنج آمیز اور درد انگیز جنگ کے نہیں ہوسکتا جس عمیق اور زندہ خیال کے باب میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اسکی تبدیل میں خاص کر بڑی عداوت اور مخالفت ہوگی - اس خیال کی صورت بدلنے میں اندیشہ ہو کہ مذہب کی ساری بنی بنائی عمارت نہ ڈھ جائے یا اس مضمون کو اس استعارہ میں بیان کرو کہ ہماری نیکی ور استبازی و فرض کی اصلی جڑ جب اپنی جگہہ سے اکھیڑ کر دوسری جگہہ لگائی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ پژمردہ اور مردہ نہ ہو جاوے - نیچر کا اعلی حصہ ضرور اپنا ہاتھ اس تغیر کے مقابلہ کے لئے اُٹھاتا ہے جو خیال کے لوازم مقررہ کو غارت کر کے اخلاق کی جڑ پیڑ اُکھیڑتا ہے -

برخلاف رائیں جو ظاہر کیجاتی ہیں انکے باب میں ہمارا اوپر کا بیان کافی نہیں انکے معنی بڑی دقیق وعمیق ہیں وہ سادگی سے صرف یہی نہیں بیان کرتیں کہ اعتقاد کے انقلاب سے نفرت بالطبع ہو اور اعتقاد جسقدر زیادہ با وقعت ہوگا اسی قدر اس انقلاب کے ہونے پر بالطبع نفرت کی شدت ہوگی بلکہ وہ یہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ کسی اعتقاد کے ساتھ سچی گرویدگی ایک معنی کر بہت اچھی ان لوگوں کے لئے ہو - جو اسکے معتقد ہیں مگر بنظر انتزاع و تجرد اچھی نہ ہوگی - پس ہم کہتے ہیں کہ اوپر جو ہم نے بیان کیا ہو کہ ابتدا میں مذہب کے نقصانات بڑے تھے مگر وہ بہ تدریج گھٹتے جاتے ہیں تو اسکی وجہ یہ تھی کہ مطلق کے پیمانہ سے انکا اندازہ کیا گیا تہا اضافی پیمانہ سے نہیں ناپے گئے تھے عموماً ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر قوم ہر زمانہ میں جو مذہب مُروج ہوا وہ اس سچائی سے قرابت قریبہ رکھتا تھا جو اس زمانہ میں ممکن الوصول تھی اس سچائی کے گرد کم و بیش مقرون صورتیں محیط ہوئیں جسکے سبب سے وہ سچائی خیال میں آنے کے قابل ہوئی اور اُسکی تاثیر دلوں پر زیادہ ہوگئی اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ سچائی خیال میں آنے کے قابل نہ ہوتی اگر ہم اس حالت کی شرائط کو دیکھیں تو اس سے یہ ناگزیر نتیجہ پیدا ہوگا کہ ارتقا (اوولیوشن) کے ہر مرحلہ میں آدمی کے بس میں جو خیال ہوتا ہے اُسکے حدود کے موافق خیال کیا کرتا ہے ظاہری تبدیلیاں جنکی حقیقتیں دیکھنے میں آتی تھیں اُنکے متقدمات حیوان اور انسان تھے پس اس لئے علی العموم سوا ان صورتوں کے اور متقدمات خیال میں نہیں آتے تھے پس آفرینندہ فاعلیتیں ان صورتوں میں نظر آنے لگیں اگر ایسی حالت کے خیالات مقرون ایک کر لئے جائیں اور انکی جگہہ انتزاعی یا مجرد خیالات

قائم مقام بناتے ہو جس میں کوئی ایموشن (تحریک) خواہ کچھ ہی ہو پیدا نہیں ہوتی بس اس طرح ہم اپنے ایمان و اعتقاد کے اصل جوہر سے محروم ہوتے ہیں۔

جس قسم کی رائے ہم نے برخلاف جمہور سنجیدگی و متانت ظاہر کی۔ اس سے بالضرور اعتقاد والوں میں یہ تبدیلی ہوتی ہے کہ وہ ادنیٰ سے اعلیٰ ہو جاتے ہیں انسان نے ہمیشہ اپنے اور اپنے معبود کے درمیان طبیعت کے مشترک ہونے پر اعتقاد رکھنے سے اپنے دل کو مطمئن کیا ہے اور کم مقرون خیالات کا زور اس پر لگایا گیا ہے تو انکو باستکراہ قبول کیا ہے۔ بے شک ہر زمانہ اور ہر مقام میں جوشیلے کی تشفی اور تسکین قلبی اسی بابت سے ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنے معبودوں کی طبائع کو مثل اپنے طبائع کے خیال کیا۔ انپر کھانے پینے کی چیزیں چڑھاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انکو یہ رشوت راضی کرنے کے لئے دیتے ہیں اگر وہ اس طرح راضی نہ کئے جائیں تو وہ ناراض ہو کر انکو امداد غیبی سے محروم کر دیں یونانیوں کو اس اعتقاد سے بڑی دلجمعی حاصل ہوتی تھی کہ جب مشکلات انکو پیش آئیں تو وہ اپنے دیوتاؤں سے انکے باب میں صلاح و مشورہ پوچھیں اور جو وہ بتلائیں اسکو الہام غیبی جان کر اسپر عمل کرنے کو فرض جانیں بلکہ یہاں تک انکا اعتقاد تھا کہ دیوتا جنگ میں بذات خود موجود ہو کر کمک کرتے ہیں جب حکمائے ان خیالات کی بیہودگی اور مہمل ہونے کو ثابت کیا تو وہ اُن کے خون کے پیاسے ہو گئے اور اپنا غیظ و غضب اُن پر اتارنے لگے۔ ہنود کو مذہب نے یہ تلقین کی کہ اگر جگناتھ کے رتھ کے پہیے کے نیچے دب کر نہ مریں تو اُن کو مسرت ابدی نہیں حاصل ہو گی۔ وہ اس طرح سے جان دینے کو سنگدلی نہیں جانتے۔ بلکہ ثواب جانتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے مصیبت اٹھانے کے بدلہ میں مسرت جاوید ملے گی۔ عیسائیوں کے فرقہ کیتھولک کے یہ معتقدات ہیں کہ گرجوں کی تعمیر کرانے سے گناہ معاف ہوتے ہیں ولیوں کے توسل سے سارے گناہ بخش جاتے ہیں امداد بھی حاصل ہوتی ہے انکے اور انکے عزیزوں کے گناہوں کی تعزیر میں . . . تخفیف ہوتی ہیں وہ ان باتوں کو بہت چاہتے تھے۔ عیسائیوں کے فرقہ پروٹسٹنٹ نے جب خدا کا خیال یہ پیدا کیا کہ وہ کسی بات میں انسان سے مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ایسی باتوں کا جو اوپر بیان ہوئیں اسپر اثر ہوتا ہے تو رومن کیتھولک کو یہ بات نہایت سخت ناگوار گذری بس ہم کو مقتضائے طبیعت یہ سمجھنا چاہئے کہ اس باب میں ہماری مخالفت زیادہ بڑھ کر نہایت غصہ کے ساتھ لوگ کریں گے انقلاب عقلی کی تحصیل جب ہوتی ہے کہ جب تھوڑی بہت چیر پھاڑ کیا جائے جب عادت اور اعتقاد مستحکم و مضبوط ہوں تو عادت کی تبدیلی اور اعتقاد کی تبدیلی دل کو مضطرب و منتشر کرتی ہیں اس لئے اسکی مزاحمت

بجز انہیں خوش دلی کے ساتھ دل پر منقش ہوں تکالیف و راحتیں معین قسم کی ہوں اور وہ بلا واسطہ اور
سیدھے سادے طور پر اسطرح پیدا ہوئی ہوں کہ صفائی کے ساتھ خیال میں آتی ہوں بلکہ اس بھی زیادہ
تسلیم کرنا چاہیئے کہ ایسے آدمی اگر ہونگے تو چند جنہیں بالکل خیالات مروجہ کے چھوڑنے کی قابلیت ہو
اعلیٰ درجہ کے انتزاعی مجردات حاصل کرنے کے لئے بڑی قوت عقلی چاہیئے اگر وہ خوش دلی کے ساتھ
حاصل کئے جائیں تو انکی باقاعدہ تاثیرات کو مدت ہائے دراز کے بعد تھوڑے سے آدمی قابل قدر جا
کس طرح سے بھلے یا برے نتائج اندرونی اور بیرونی پیدا ہوتے ہیں اور وہ برسوں کے بڑھنے
کے ساتھ اپنی شاخیں پھیلاتے جاتے ہیں انکی تحلیل و تشریح کو صفائی سے دیکھنے کے لئے ایک ایسی
قوت درکار ہے کہ شاذ و نادر ہی ہوتی ہے ان نتائج کا اکیلا سلسلہ جو آیندہ زمانہ میں دور تک
پھیلتا ہو تو عقل میں اسکے نقش جمانے کے لئے خیال کی ایسی قوت درکار ہوتی ہے کہ شاذ و نادر ہی
کسی میں ہوتی ہے اور بالتمام ان نتائج کے تخمینہ کرنے کے لئے جو ہمیشہ تعدد میں زیادہ اور تشدد میں
کم ہوتے ہیں ایک ایسی خیال کی گرفت کی ضرورت ہے جو کسی آدمی میں ہوتی نہیں مگر پھر بھی ایسی تشریح
و تحلیل کرنے سے ایسے خیال اور گرفت پیدا ہوتے ہیں کہ اس سے چال چلن کی ہدایت صدق و صفا
کے ساتھ ہوتی ہے بشرطیکہ اسکے لئے کوئی رکاؤ نہ ہو بے شک یہ باتیں اگر نہ ہوئی ہوتیں کہ انسان کی
کل ترقی کے اندر خیال کے اثروں کے تجربات جو آدمیوں کو ہوئے وہ کلیات بن کر اصول قرار پائے
اور ان اصول پر نسلاً بعد نسل مربیوں نے اصرار کیا جمہور کی رائے نے انکے سہارا دیا مذہب نے
انکو مقدس بنایا انکی اطاعت نہ کرنے پر جہنم کا ابدی خوف دلایا ان قوی رعبوں اور اثروں کے
سبب سے عادتوں کی صورتیں بدلیں و اصلاح باقی رہیں اور انکی مناسب فیلنگ (تاثیر قلبی) اند
ہی اندر پیدا ہوتے رہے جسنے اخلاق کے کاموں کے کرنے کا انتظام کر دیا تو یہ امر تحقیق ہے کے
ان مستحکم و مصفا اصولوں کے ہٹانے سے جو اعتقادات مروجہ بہم پہنچاتے ہیں بڑے منحوس نتیجے پیدا
ہوتے - یہ بھی ہے کہ جو لوگ . . . جس ایمان کو جسمیں انہوں نے پرورش پائی ہے چھوڑتے ہیں
اور اس انتزاعی و مجرد ایمان کو اختیار کرتے ہیں جسمیں سائنس و مذہب متحد ہیں وہ اکثر اپنے یقینیات
کے موافق عمل کرنے میں کوتاہی کرینگے اخلاق کے کام کرنے کا جو انتظام جو مثل اعضاء جسمانی
ہو گیا ہے اسکے وہ حوالہ ہیں اور استدلال کلیات کا انپر زور ہے جو ناقص ہے اور عقل کے سامنے
نہیں ٹھیر سکتا انکی طبیعتوں کے نقص و ضعف ایسے پہلے مذہب کے اندر زور کے ساتھ برآمد نہیں
ہوئے تھے جیسے کہ اس مذہب میں زیادہ زور کے ساتھ نمایاں ہوئے - یہ مذہب مجرد انتزاعی

قائم مقام کئے جاتے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگوں کا دل مذہبی خیال سے بالکل خالی ہوتا اس لئے جو خیال قائمقام کئے جاتے تو عقلاً وہ اُن کے ذہن نشین آسکتے۔ بس ہر مرحلہ جو متواتر آتا گیا۔ اُسمیں آخر تک یہی کیفیت رہی گو تجربوں کے اجتماع نے آہستہ آہستہ مسبب الاسباب شخصیتوں کی صورتیں تب بہ بار ترمیم کیں اور خیالات عام اور غیر معین پیدا کئے مگر ان خیالات عامہ و غیر معینہ کی جگہ یہ دفعۃً وہ خیالات عامہ اور غیر معینہ جو ان سے بڑھکر ہوں نہیں قائم ہوئے۔ آیندہ تجربے زیادہ انتزاع و تجرد کو ضرور بہم پہونچائینگے پہلے اس سے کہ ادنےٰ درجہ کے خیالات کے محو ہونے سے عقل میں جلد اعلیٰ قسم کے خیالات پر کرنے کے لئے پیدا ہوں۔ اس زمانہ میں بالفعل اضافی انتزاعی مجرد خیال کے لئے مقرون خیال کے چھڑانے سے انکار کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم اضافی انتزاعی مجرد خیال بنانے کی قابلیت نہیں رکھتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تبدیل قبل از وقت مضر ہے۔ اس قبل از وقت تبدیل اور مضر ہونے کو ہم اچھی طرح دیکھتے ہیں ایمان کے قبول کرنے پر شوق جتنا کم ہوتا ہے اتنی ہی ایمان کی تاثیر چال چلن پر کم ہو جاتی ہے ایک وحشی اُن ہی برائیوں اور بھلائیوں کو سمجھتا ہے جو اسکے خود تجربے میں آئی ہوں یا اُس نے اُن لوگوں سے سیکھی ہوں جنکے تجربے میں وہ آئی ہوں انکو اور اپنے معبودات کی نیتوں و جذبات و اوضاع و اطوار کو ایسا ہی جانتا ہے جیسے کہ اوسکے گرد کے موجودات کے وہیں اسلئے کہ اوسکو اعلیٰ درجہ کے نیتیں و جذبات و اوضاع و اطوار معلوم ہی نہیں اور انکا بڑا پیمانہ اسکے خیال میں نہیں آسکتا بس اعلیٰ خیال ایسے اُسکی سمجھ میں نہیں آتے کہ وہ اُسکے افعال و اعمال پر تاثیریں کریں۔ تہذیب کی ہستی میں غیر مرئی اصل ہستی کے اعمال اور ایسی ہی سزا و جزا جنسے کہ نتائج پیدا ہوں ایسی ہی صورتوں میں خیال میں آئی ہیں جنکو تجربوں نے بتلایا۔ اب انکی اعلیٰ درجہ کی اعمال ہستی غیر مرئی کے اور سزائیں جزائیں نتیجے پیدا کرنی والی قائمقام بنائی بغیر اسکے کہ فراخ و وسیع تجربوں نے انکو ایسا اعلیٰ بنایا ہو کہ وہ خیال میں آنے کے قابل ہوں۔ غیر معین اور بے اثر نیتوں کو معین اور مؤثر نیتوں کی جگہہ قائم کرتا ہے (نیت کے معنے قصد کرنے کے ہیں مگر ہم اسسے ایک عقلی تحریک اور عمل کی اندرونی کمائی مراد لیتے ہیں جو شے ہ اوٹھتی ہے خود عامل ہوتی ہے اور شخصی عمل و قصد ہو جاتی ہے) غیر مرئی ہستی مطلق کا انتظام قائم ہو جائے تو اوسکے برے بھلے نتیجوں کی جو چال چلن پر اثر کریں پیروی کرنے کی قابلیت انسانوں کے ایک مجمع کثیر کو اس سبب سے نہیں ہے کہ وہ کلچر یعنے تربیت و تعلیم سے محروم ہیں یہ ضرور ہے کہ آیندہ سزائیں

تو وہ ترقی ہونے کے لئیں سد آہنی کا مقابلہ کرتی ہے اور جب آخر کو یہ دیوار آہنی بیچ میں سے
پھٹ جاتی ہی تو پھر وہ قوانین اور اعتقادات کو اس جہت آگے کے مقام سے جہاں سے تغیر کا
صدمہ اکھڑ لے گیا تھا آگے لاتی ہے اور سوشیل حالتوں کو عام پسند خصلت کے مناسب پھیر باتی
ہے پس یہ پرانے قوانین اور اعتقادات کی پیچیدگی آخر کار ایک مستقل مانع بن جاتی ہے جسکے سبب
سے مستقل ترقی کے تیزروی کے پانوں میں بیڑی پڑ جاتی ہے۔ اور سہج سہج چل سکتی ہے۔ یہ کیفیت
دونو اعتقادات مذہبی اور معاملات ملکی پر صادق آتی ہے پس اس سے ہم یہ سبق پڑھتے ہیں کہ مذہبی
انتظام حال کے محافظ اور ملکی انتظام حال کے محافظ ایک بڑی خدمت عظیم الشان اپنے ذمہ پر رکھتے ہیں
دو انگریزی لفظ فیلنگ اور سنٹی منٹ ہم نے اوپر لکھے ہیں جب ہم انکے آگے کس لکھہ دیا کریں تو انکو
انکی جمع سمجھنی چاہیے۔ فیلنگ کے معنے ہم اوپر لکھہ آئے ہیں کہ کیا تو اوسکے معنے صرف احساس کے
ہوتے ہیں یا اس احساس کے ہوتے ہیں جو دل پر اثر کرتا ہے اسلئے کہیں اسکی جگہہ تاثیر قلبی بھی لکھا
ہے سنٹی منٹ کے معنے یہ ہیں کہ عقل کے وہ مشخصات جو قواء عقلیہ اور اخلاقی فیلنگس سے پیدا *
(۷)۔ زمانہ حال کی سیرت میں مسالمت داخل ہے اور روز بروز وہ بڑھتی جاتی ہی مسالمت
سے مراد ہماری یہ ہے کہ رایوں میں جن باتوں کا اتفاق ہو انمیں مصالحت رکھنی اور جن باتوں میں
اختلاف ہو اُن سے کچھہ تعرض و عناد نہ کرنا۔ وہ ایک انگریزی لفظ ٹولریشن کا ترجمہ کیا گیا ہے جسکے معنے
یہ ہیں کہ مذہب مسلمہ کے برخلاف جو رائیں ظاہر کیجائیں انکی مزاحمت نہ کرنی۔ مسالمت کے معنے جو
مانے جاتے ہیں اس سے زیادہ وہ دقیق و عمیق ہیں ہر شخص کی ذاتی رائے کا پاس و لحاظ کرنا حقیقت
کرنا ترقی کرنے والوں اور انتظام حال کے محافظوں کے میلانوں کے تولنے کے لئے ایک شرط
ضروری ہے وہ آدمیوں کے طبائع اور اعتقادات کے درمیان مناسبت برقرار رکھنے کا ایک آلہ
ہے پس جو حق اندیش مختلف مذاہب کے اعتقاد کے جو آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں محقق ہیں اور انکی
کاموں کی تحقیق کرتے ہیں انکو اور آدمیوں پر ظاہر کرنا چاہیئے کہ اونکی ہمت مسالمت پر مصروف
ہے۔ بیشک جو شخص اس غلطی کا ادراک کرتا ہے جسمیں وسکے بنائے جنس پھنسے ہوئے ہیں اور کسی بڑی
سچائی کو دیکھتا ہے کہ جسکے قبول کرنیسے لوگ انکار کرتے ہیں تو اوسپر صبر کا حقہ کرنا اسکو سخت ناگوار
گذرتا ہے۔ اسکے سامنے جب مہمل دلائل نامعقول مسائل کے ثابت کرنے کے لئے بیان کئے جاتے
ہیں اور مسائل صحیحہ کے معانی میں غلط بیانیاں کیجاتی ہیں تو انکا چپ چاپ بیٹھے سُننا مشکل ہوتا ہے
جب سائنس کے غرور سے جہالت کا غرور بہت بڑھا ہوا دیکھتا ہے تو وہ بڑا دل میں تجربہ ہوتا ہے

جو پہلے مذہب کا قائمقام بنتا ہے وہ مناسب حال نہیں بنے گا۔ جبتک کہ مذہب موجودہ کا سا حال اسکا نہ ہوگا کہ وہ ابتدائی تعلیم کا ایک عنصر ہو اور اسکے لئے معاشرت کا حکم استحکام کیساتھ معاون ہو جب تک آدمی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوگا کہ وہ تربیت اسکو کامل طور پر سانچے میں نہیں ڈھالیگی جو بالفعل اسکو ڈھال رہی ہے۔

بس اس لئے ہمکو چاہیئے کہ مذہبی علم الٰہی کی تبدیل کا جسقدر مقابلہ و مزاحمت ہو اوسکو پر امن خالی از فساد جانیں فقط یہی نہیں ہے کہ مضبوط اور عمیق فیلنگس بالضرور مخالفت پر آمادہ ہوتے ہیں صرف یہی نہیں ہے کہ اعلیٰ اخلاقی سنٹی منٹس ملکہ تبدیل پر ملامت کرتے ہیں جسکو وہ جانتے ہیں کہ ہماری حکومت کی بیخ کنی کرتی ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ اعتقاد مسلمہ اور ان لوگونکے طبائع کے درمیان ایک مناسبت ہوتی ہے جو اس اعتقاد کی حمایت کرتے ہیں اور اس حمایت پر انکا ہٹ کرنا مناسبت مذکور کی تکمیل کا معیار ہے مذہبی صورتیں اور سلطنت کی صورتیں دونو ان لوگوں کے مناسب حال ہوتی ہیں جو انکے ماتحت رہتے ہیں مذہب کی وہی صورت اور سلطنت کی وہی صورت رواج پاتی ہے جو زیادہ مناسب حال ہوتی ہے مثلاً وحشی قوموں کے لئے ایک سخت و درشت دنیوی سلطنت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ عادتاً اس حکومت شخصی کے ساتھ وفاداری کرتے ہیں جو سخت گیر ہو۔ ایسے ہی ایسی قوموں میں دینی حکومت نہایت سخت ہونی ضرور ہے چنانچہ وہ عادتاً ایسی ہی سخت اعتقادات کے ساتھ محبت رکھتے ہیں بس جب قہرمانی سلطنت میں آزادی کے قوانین جاری کئے جائیں تو انکی مزاحمت مخالفت ہوتی ہے ایسی ہی اس اعتقاد کی جگہہ جسمیں خیالی ہولناک سزائیں ہوتی ہیں وہ اعتقاد جمایا جاوے کہ جسمیں نرم و خفیف سزائیں ہوں تو ضرور ہے کہ پرانے اعتقاد کی بعض تبدیل صورت پھر پلٹا کھائیں۔ ان ابتدائی حالتوں کے درمیان جنہیں بالاضافت فضل اور مطلق افضل کے اندر نہایت غیر مناسبت تھی دونو انتظام ملکی اور مذہبی تغیرات میں جو غیر معمولی وقفوں کے بعد وقوع میں آتے تھے بالضرور نہایت شدید ہوتے تھے اور بالضرور انکے ساتھ شدید بغاوت ہوتی تھی۔ بس ان دونوں کے درمیان جتنی غیر مناسبت گھٹتی جاتی ہے اُتنا ہی تغیرات میں اعتدال آتا ہے اور اسکے بعد معاودت بھی اعتدال کے ساتھ ہوتی ہے جب تک کہ یہ حرکتیں اور انکے مخالف حرکتیں مقدار میں کم ہوتی جاتی ہیں اور وقوع میں کثرت آتی جاتی ہیں تو وہ سب متواتر نشو و نما میں مستغرق ہوتی جاتی ہیں پرانے قوانین اور اعتقادات کے ساتھ چسپیدگی جو سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہے

اور قابل قدر کے ظاہر کرتے ہیں وہ انسان کی موثر اور اصل خدمت کرتے ہیں و نہ کوئی
اور موثر اور اصل خدمت نہیں کرتا۔ ان عناصر مقرون کو یہ کہنا چاہیئے کہ وہ سچائی کے محافظ
پوست ہیں جنکے بغیر سچائی کا مغز مردہ ہو جاتا ہے۔ باقی تیسری واقعیت عظیم یہ ہے کہ اشیا
کی ترتیب مرتبہ کے اجزاء مقوم اعتقادات مذہبی ہیں وہ اتفاقی نہیں ہیں بلکہ ضروری اور لازمی
اجزاء ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ انمیں سے ایک ایک ہر جگہہ موجود ہے ہمیشہ سے اسکا نشو و نما چلا آتا ہے
جب وہ کٹ بھی جاتا ہے تو پھر ذراسی صورت بدل کر پھر اُگ آتا ہے پس ناگزیر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
انسان کی زندگی کے ساتھ اسکا ہمدم ہونا ضروری ہے ۔ جدا جدا ہر سوسائٹی کے مناسب حال
اعتقادات ہوتے ہیں وہ ہر سوسائٹی کا طبعی پیداوار ہے اگر بہت بلند مقام سے انکو دیکھیں تو
وہ ہم کو اس ارتقاء اعظم کے عناصر نظر آئینگے جسکی ابتداء و انتہاء دونو ہمارے علم و خیال سے پری
ہیں وہ انجانے (خدا) کے ظہور کے طریقے ہیں جنکے محافظ بھی وہ ہیں۔
بس ہماری مسالمت حتی الامکان وسیع ہونی چاہیئے۔ مسالمت کے معنے جو علی العموم سمجھے جاتے
ہیں اسپر کچھ اضافہ کرنا چاہیئے۔ اجنبی۔ و بیگانہ۔ اعتقادات کے ساتھ برتاؤ میں ہماری سعی
یہ ہونی چاہیئے کہ صرف یہی نہیں کہ الفاظ اور افعال کے نا انصافانہ کام میں لانے سے باز رہیں
بلکہ جو انمیں خوبی قطعی ہو اسکو جانیں اور ہمدردی او شفقت و ملائمت کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی
(۲) اگر اوپر کی باتیں صحیح مان لی جائیں تو شاید اسکے معنے یہ ہونگے کہ مذہبی علم الہی جو بالفعل
مروج ہے وہ تحمل کے ساتھ قبول کر لیا جاوے۔ اور اس سے مخالفت تیزی سے نہ کیجاوے۔ اب
سوال یہ ہوگا کہ اگر تمام اعتقادات اوسطاً مناسبت اپنے زمانہ اور اپنے مقام سے رکھتے ہیں
تو ہم کیوں نہ اس مذہب پر قانع ہوں جسمیں پیدا ہوئے ہیں؟ اگر مذہب مسلمہ میں اصل سچائی ہے اور
یہ سچائی ان صورتوں میں موجود ہے جو وہ پیش کرتا ہے گو باطناً بری ہو مگر ظاہراً اچھی ہے۔ اور
ان صورتوں کا دور کرنا فی الحال جمہور کے حق میں مضر ہو بلکہ شاذ و نادر آدمی ایسے بھی ہوں
کہ جنہوں نے اعلیٰ و انتہا درجہ کا انتزاعی مجرد اعتقاد اختیار کیا ہو اور اسکو اپنی زندگی کا
دستور العمل ٹھیرایا ہو تو یقیناً فی الحال یہ غلطی ہے کہ ایسے انتہا کی اعلےٰ درجہ کے اعتقاد کی اشاعت
اسکا جواب یہ ہے کہ موجودہ مذہبی خیالات اور قوانین آدمیوں کے خصائل سے اوسطاً
مناسبت و موافقت رکھتے ہیں لیکن اس سبب سے کہ یہ خصائل ہمیشہ اپنا رنگ بدلا کرتی ہیں
ہمیشہ اس مناسبت و موافقت میں نقص آتا رہتا ہے پس ان خیالات اور قوانین کے لئے ضرور

جب اوسپر لا مذہبی کا الزام اس سبب سے لگایا جاتا ہے کہ وہ عالم کی پیدایش کی داستان
کہن کو جو بڑھی کے کام کی طرح بیان کی جاتی ہے تسلیم کرنے کے قابل نہیں جانتا وہ اس بات کو
غیر ضروری اور مشکل جانتا ہے کہ وہ اپنے تنفر کو اس اعتقاد پر ظاہر نہ کرے جو انہوں نے خدا کی خوشامد
میں ایسی باتیں بنائیں جو آدمیوں میں بھی حقیر و ذلیل سمجھی جاتی ہیں اسکو یہ یقین ہے کہ جو سزائیں طریقت
نیچر کے موافق بنائی گئی ہیں وہ جزائیں ہیں جنہوں نے سزاؤں کا روپ اپنا بنا لیا ہے وہ اس اعتقاد
سے کوسوں بھاگتا ہے جو سزاؤں کو انتقام الٰہی بتلاتا ہے اور پھر اس انتقام کو بھی دوامی -
جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ بغیر غرض ہمدردی اور راستی کی خالص محبت جن افعال پر آمادہ کراتی ہیں
وہ اصل میں گناہ سے بھری ہوئے ہیں اور وہ افعال و اعمال سچے ہیں جنکا ظاہرا اعتراف کیا جاتا ہے
اور اُنکے کرنے کا اصل مقصد دوسری دنیا کو حاصل کرنا ہے تو اوسکے تن بدن میں پتنگے لگ جاتے
ہیں اور وہ کوشش کرتا ہے کہ اس بات کی تذلیل اور تحقیر کی جائے ایسے آدمی کو چاہیئے کہ وہ ایسے
ایسے فیلنگس کو روکیں گو ایسی حالت میں وہ انکو روک نہیں سکتا کہ مباحثہ اُسکو برانگیختہ کرے - یا
اُسکے روبرو توہمات باطلہ پیش ہوں پھر اسکو چاہیئے کہ وہ اپنی مخالفت کو خاموش وقت میں
ایسا دھیما اور ٹھنڈا کرے کہ اوسکی پختہ رائے اور اسکے اوضاع و اطوار بے تعصب معلوم ہوں
بس ایسے شخص کو اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے یہ تین واقعیتیں عظیم دل میں رکھنی چاہئیں
جنمیں سے دو اوپر بیان ہوئی ہیں اور ایک بیان کرنی باقی ہے۔ اول یہ جسکو ابتدا ہی میں ہم
نے بیان کیا تھا کہ مذہب کی تمام صورتوں میں ایک اصلی سچائی ہوتی ہے خواہ وہ کیسی ہی کم
رتبہ ہو۔ مذہب کی ہر صورت میں سچائی کی روح ہوتی ہے جسکو مسائل غیر مستدل اور
احادیث اور رسم و رواج کے اجسام محیط ہوتے ہیں گو وہ انہیں دکھائی دیتی ہے خواہ
دھندلی یا صاف جیسی صورت ہو یہی چیز ہے جو وحشیانہ اعتقاد میں جیسی جان ڈالدیتی ہے
ہر تغیر و تبدل کے بعد زندہ باقی رہتی ہے - جب مذہب کی صورتیں ہمارے سامنے پیش
ہوں اور ہم اونپر تبرا بھیجیں تو واقعیت مذکور کبھی فراموش خاطر نہیں ہونی چاہیئے -

دوسری واقعیت عظیم یہ ہے جو پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ ہر اعتقاد مذہبی کی سچائی کی روح
کو عناصر مقرون محیط ہوتے ہیں - یہ عناصر مقرون جب مطلق کے پیمانہ سے ناپے جاتے ہیں تو
بُرے ہوتے ہیں اور اضافی پیمانہ سے ناپے جاتے ہیں تو اچھے ہوتے ہیں - اعلےٰ خیالات سے وہ
انتزاعی مجرد سچائی اپنے اندر مخفی کرتے ہیں مگر ادنیٰ خیالات پر اپنی اس سچائی کو پسندیدہ

ایک اور عالم سیموئل کن سن ایف پی ایچ ڈی ایف آر اے۔ ایس۔ کی اس کتاب سے چند فقرے ترجمہ کرکے لکھتا ہوں جو حضرت موسیٰ کو توریت اور جیولوجی اور بائیبل اور سائنس کی مطابقت کے باب میں لکھی ہے تاکہ طلبہ کو معلوم ہو کہ یورپ میں اس تطبیق کا کیا طریق ہے۔

سائنٹفک دنیا میں وہی بڑے بڑے اہل سائنس عالم فاضل آجکل نہیں ہیں جو میرے خیالات کے مخالف ہوں بلکہ ایسے عالم بھی کچھ کم موجود نہیں ہیں جو بائیبل کا سچا بے ریا ادب ولحاظ کرتے ہیں کہ وہ کسی قدر اصل کے نئے ترجمہ کو غیر معتبر جانتے ہیں اور اسکے تفسیر کی اس تعلیم کی کچھ وقعت نہیں کرتے جو انکی اس تعلیم سے غیر ہو جو انہوں نے بچپنے سے پائی ہے یعنی وہ کتب مقدسہ کے جدید ترجموں کو اور آیات کی تفسیر میں تاویلات کو پسند نہیں کرتے۔ اہل سائنس جو بائیبل کے الہامی ہونے پر یقین نہیں کرتے ہیں اونکی بڑی تعظیم وتکریم کرتا ہوں کہ انہوں نے نیچر کے مطالعہ کے اندر ایسی سعی وکوشش فراواں کی ہو کہ کبھی تکان کو مانا نہیں انکے احسان کا اثر میرے دل میں فقط اس سبب سے نہیں ہے کہ اُنہوں نے اپنے بیش بہا انکشافات سے خلقت کو بڑا فائدہ پہونچایا ہے بلکہ اس سبب سے کہ اُنہوں نے اپنے مکاشفات سے خدا تعالیٰ کے کاموں کی صنعت میں اسکی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو بڑی وسعت کے ساتھ دکھایا ہے۔

ممکن ہے کہ مینے جو اپنی کتاب میں دلائل بیان کی ہیں گو وہ ناقص ہوں مگر بعض اُن میں سے ایسی ہوں کہ انکو اہل سائنس پڑھ کر میری راہ پر آجائیں اور میرے ہم خیال ہو جائیں مگر اس پر مجھے یورا الیقین ہے کہ جو لوگ بائیبل کو عزیز رکھ کر اسپر اپنا ایمان رکھتے ہیں انکو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ نیچر کا مطالعہ بائیبل کے الہام الٰہی ہونے کے ایمان کو ضعیف نہیں کرتا بلکہ قوی اکثر سننے میں یہ آتا ہے کہ سائنس اور الہام الٰہی میں ایسی مخالفت ہے کہ اس قاعدہ کا ماننا پڑتا ہے کہ اہل سائنس کتب مقدسہ پر یقین نہیں رکھتے لیکن یہ بڑی غلطی ہے اگرچہ بعض اعلیٰ درجہ کے طباع وذہین، بتحقیق عمیق کے محقق ایسے ہیں کہ وہ بائیبل کو سچ نہیں مانتے مگر سب فلوسوفر اس مذہب وطریق کے نہیں ہوتے۔ میں اس بات پر مباحثہ کرنے کو موجود ہوں کہ مشکک طبیعتوں کے تھوڑے ہیں اور سائنس کی ہر فرع کے بڑے بڑے عالم پہلے بھی ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جو بائیبل پر بے ریا ایمان رکھتے ہیں۔

علم ہیئت اور علوم ریاضیہ میں نیوٹن سے کون بڑھ کر ہوگا یا جسکی ذہانت جب تک دنیا قائم ہے مسلم الثبوت مانی جائیگی۔ وہ ایک سادہ وضع سچا عیسائی تھا گو پر شاعر اوس کی

ہی کہ وہ تبدیلی کے تیزی کے متناسب اپنے تئیں دوسرے سانچے میں ڈھال کر سنواریں لیس اس سے ثابت ہوا کہ جیسے یہ ضروری ہے کہ کنسروے ٹو (محافظ نظم حال) خیال اور تحمل اپنا کام آزادی سے کریں ایسے ہی یہ ضرور ہے کہ ترقی کرنے والا خیال اپنا کام آزادی سے کرے۔ دونوں کی فاعلیت اور کارکنی کے بغیر ترقی منتظمہ کے لئے جو مکرر مناسبت درکار ہے وہ نہیں حاصل ہوسکے گی۔
جو شخص کہ نہایت اعلیٰ سچ کو خیال کرتا ہے اور اسکے کہنے میں اس سبب سے تامل کرتا ہی کہ وہ بہت قبل از وقت ہی تو اوسکو چاہئیے کہ اپنے سے غیر ہو کر اپنے افعال پر نگاہ کرے اور اس سچ کو پھر دلنشین کرے اس واقعیت کو کما حقہ سوچے کہ رائے ایک فاعلیت یا کارکنی کا نام ہے جسکے ذریعہ سے خارجی انتظامات سے خصلت مناسبت پیدا کرتی ہے یعنی رائے سچ مچ اس فاعلیت کا ایک جزو ہوتی ہے وہ ایک فرد واحد ہوتا ہے اور جب وہ اپنے ہی جیسے احاد کے ساتھ ملتا ہے تو ایک قوت عام پیدا ہوتی ہے جو سوشیل یعنے معاشرت میں تغیرات پیدا کر دیتی ہے۔ اوسکو خیال کرنا چاہئیے کہ میں اپنی نہایت باطنی یقینیات کو پوری طرح سے بیان کرتا ہوں خواہ کچھہ ہی اونکا اثر پیدا ہو۔ یہ بھی ایک بات ہی کہ وہ بعض اصول سے رغبت اور بعض اصول سے نفرت رکھتا ہی اسکو مع اپنے تمام لیاقتوں استعدادوں اور تمناؤں اور اعتقادوں کے اتفاق نے نہیں پیدا کیا بلکہ زمانہ نے اسکو پیدا کیا ہے۔ یہ بات اوسکو یاد رکھنی چاہئیے کہ وہ زمانہ گذشتہ کی جبلی اولاد ہے ایسے ہی زمانہ آئندہ کے ماں باپ ہیں۔ اسکے یہ خیالات اسکے بچے ہیں انکے وراثت کی بیخبری سے اونکو مردہ نہ کرنا چاہئیے وہ اپنے تئیں جانے کہ میں بھی آدمی اور اور آدمیوں کی مثل ہوں۔ کروڑوں فاعلیتیں ہیں جنمیں نامعلوم علت العلل کام کر رہا ہے اور جب یہ نامعلوم علت العلل مجھہ میں ایک خاص یقین پیدا کرتا ہے تو اس یقین کے اقرار کرنے کا اور اس یقین کے موافق کام کرنے کا مجھی اختیار دیا گیا اس لئے کہ ایک شاعر کے اشعار (جنکا ترجمہ نیچے لکھا گیا ہے) کے معانی کو وہ سرفراز کرتا ہے۔ نیچر کسی ذریعہ سے جو نیچر ہی کا بنا یا ہوا نہ ہو بہتر نہیں ہوتا تم کہتے ہو کہ آرٹ نیچر پر اضافہ کرتا ہے مگر یہ ارٹ نیچر ہی کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ پس دانشمند آدمی اپنے اعتقاد کو عارضی و اتفاقی نہ جانے اعلیٰ درجہ کا سچ جو اوسنے تحقیق کیا ہے بیدھڑک وہ کہہ دے خواہ اسکا اثر کچھہ ہی ہو سمجھے کہ میں نے دنیا میں اپنا حق جو کرنے کا تھا وہ ادا کر دیا اگر اس سے کوئی تغیر پیدا ہوا تو میرا ارمان پورا ہوا اور بہت اچھا ہوا اور اگر کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا تو بھی اچھا ہوا گو بہت اچھا نہ ہو۔
یہاں تک تو ہربرٹ سپنسر کا صلحنامہ مذہب و رسائنس کا ترجمہ کم و بیش کر کے لکھا ہے اب آگے

صداقت کا یقین رکھتے ہیں اور نیز یہ بھی ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ کتب مقدسہ اور سائنس میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔

اعلان نامہ شاہی چھپا ہوا آکسفورڈ کی یونیورسٹی میں موجود ہے جسکی نقل کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ ہم نیچرل سائنس کے طالب علم دستخط کرنے والے سچے دل سے افسوس کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سائنٹیفک سچائی کی تحقیقاتوں میں بعض محقق ایسے موقعوں پر الٹ پلٹ کر دیتے ہیں کہ ان سے کتب مقدسہ کی راستی اور صداقت میں شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

ہم اس بات کو ناممکن خیال کرتے ہیں کہ نیچر کی کتاب میں اور کتب مقدسہ میں جو کلام الٰہی لکھے ہوئے ہیں ایک دوسری کا نقیض ہو گو بظاہر کیسا ہی انمیں فرق معلوم ہوتا ہو۔ ہم اس بات کو کبھی بھولتے نہیں کہ فزیکل سائنس (علوم طبعیہ) ہنوز تکمیل کے درجہ پر نہیں پہونچا مگر وہ ایک ترقی کی حالت میں ہے بالفعل ہماری محدود عقل نے اس قابل بنایا ہے کہ ہم اوسکو ایک گلاس کے اندر سے دھندلا دیکھتے ہیں اور ہمکو بڑے وثوق کے ساتھ یقین ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ دونو فزیکل سائنس اور کتب مقدسہ کی ہر ایک خصوصیت میں مطابقت میں نظر آئینگی۔ ہم سوا افسوس کھانے کے کچھہ اور نہیں کرسکتے کہ بہت سے آدمی نیچرل سائنس کو شبہہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسکا مطالعہ اس سبب سے نہیں کرتے کہ بعض نے اسکی ایسی بُری وضع بنائی ہے کہ وہ کتب مقدسہ کا مخالف معلوم ہوتا ہے ہم یقین کرتے ہیں کہ ہر سائنٹفک طالب العلم کا یہ فرض ہے کہ نیچر کی تحقیقات میں فقط یہ امر مدنظر رکھے کہ سچائی کی توضیح وتشریح ہو اگر بعض نتائج ایسے دریافت ہوں جو کلام الٰہی سے متضاد معلوم ہوتے ہوں تو گستاخانہ وبیباکانہ یہ بیان کرنا نہیں چاہئے کہ یہ ہمارے نتائج ضرور سچ ہیں اور کتب مقدسہ کے بیانات جھوٹے ان دونو کو پہلو بہ پہلو جب تک رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی ہو کہ ہم اس طریق سے واقف ہوں کہ ان دونو میں موافقت ہو جائے اور سائنس اور کتب مقدسہ کے ظاہری اختلافات پر اصرار کرنا نہیں چاہئے بلکہ جن باتوں میں کہ انمیں موافقت ہے اونپر ایمان رکھنا بہتر ہے فقط ان اشرافونکی بالاتفاق شہادت سائنس اور مذہب کے متفق ہونے کے ثبوت میں بڑی اعانت کرتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنٹفک دنیا میں بھی بہت سے بڑے بڑے عالم ہیں جو بائبل کے الہامی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں

بس خیال کرتا ہوں کہ اب یہ بات سننے میں نہیں آئیگی کہ اہل سائنس علی العموم کافر وبے ایمان

شان میں کہتا ہے کہ نیوٹن تیری دانائی ایسی ہے کہ تو بڑا عاقل ہی اور بچہ کی مانند معصوم ہی اور
اور خدا کے کاموں اور کلاموں کا بڑا تیز ہوش مطالعہ کرنے والا ہے یہ خوشی کی بات ہی کہ بہت
سے زمانہ حال کے اہل ہیئیات کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایماندار پارسا ہیں
جیولوجی (علم طبقات الارض) بڑا مخالف کلام الہٰی کا خیال کیا جاتا ہے۔ اس علم
کے بھی بڑے بڑے عالموں میں ہیو ملر۔ ڈاکٹر پای سمتھ۔ سر رو ڈرک مرچی سن اور ایسے بہت
سے بے ریا ایماندار ہیں۔

کیمسٹری اور الکٹرسٹی میں فرے ڈے سے کون بڑا ہو سکتا ہی؟ یہ اُسی کی ذات کے ساتھ خصوصیت
ہے کہ وہ ان سائنسوں کا باپ کہلاتا ہے وہ بڑا سچا خدا پرست عابد تھا۔ سر ہمفری
ڈیوی جس نے سائنٹفک اصول کو مفید طور سے استعمال کر کے خلقت کو فائدہ عظیم پہنچایا اسکی
مضامین اور کہاوتیں ایسی موجود ہیں جو اسکے ایمان کی تصدیق کرتی ہیں۔ مکنیک (کلوں
کا علم) میں جارج سٹی فن سن کو ہم بتاتے ہیں کہ وہ جوانمرد بہادر شریف جفاکش مستقل مزاج
کانوں کا کھود نے والا اور آخر انجنیر ایسا ہی عابد تھا جیسا کہ مخبر جب اوس نے نیٹ ٹن میں
سکونت اختیار کی تو اوس نے اپنے کاریگروں کے لئے ایک چرچ چیپل بنایا کہ جنمیں وہ اپنے ایمان
کے موافق خدا کی عبادت کیا کریں یہ سچ ہے کہ حیوانی فزی اولوجی کل (حیوانات و نباتات
کے تراکیب جسمانی کا علم) کے بہت بڑے بڑے عالم متبحر ایسے ہیں کہ وہ فقط بائبل ہی کے
الہامی ہونے کے منکر نہیں ہیں بلکہ انتظام الہٰی اور دعا و عبادت کے اثروں پر یقین نہیں کرتے
مگر اسکے ساتھ ہی خدا سے ڈرنے والے نیچرلسٹ اتنے ہیں کہ انکا شمار مشکل ہے انکی کتابوں
سے انکی خدا پرستی ٹپکی پڑتی ہے۔

اب ہم اس فہرست کو ڈاکٹر سیموئل جانسن کے نام پر ختم کرتے ہیں وہ قدیمی زبانوں کا بڑا
فاضل اجل تھا اسکے سوا سب سائنسوں سے انکا ماہر ہونا اسکی ڈکشنیری سے ثابت ہی اسکی
برابر کوئی خدا پرست تاریخ میں بھی ڈھونڈا نہیں ملتا اُس نے اپنی ساری زندگی میں بائبل
ہی کو اپنا ہادی بنایا اور اوسی کے اثروں پر نہایت راحت و آرام کے ساتھ اپنی جان دی
اسسے زیادہ دلچسپ امر واقعی یہ ہے کہ ۱۸۶۵ء میں برٹش ایسی سوائٹی جمع ہوئی اور
ایک اعلان نامہ شاہی تحریر ہوا جسپر ۶۱۷ - اہل سائنس نے دستخط کئے جنمیں سے بعض اعلیٰ درجہ
کے عالم تھے اُس میں انہوں نے اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ ہم کتب مقدسہ کی سچائی اور

بس کس طرح یہ ممکن ہے کہ قبل از تقسیم وقت تین یوم ایسے مقرر ہوں کہ انمیں سے ہر ایک یوم چوبیس۲۴ گھنٹے کا
اب آخر بات یہ ہے کہ ہم دن کو یہ سمجھیں کہ وہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک ہوتا ہے جیسے کہ
یہودی سمجھتے ہیں تو ایسا دن دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف مقدار کا ہوگا - خط استوا پر غروب آفتاب سے
طلوع آفتاب تک ۱۲ گھنٹے ہوتے ہیں اور حقیقی قطب پر سورج ۲۵ ستمبر کو غروب ہوتا ہے اور ۱۶ مارچ
آیندہ کو پھر افق پر طلوع ہوتا ہے ۱۸۵۳ء میں امیر البحر میکلن مع اپنے ہمراہیوں کے قطبی اضلاع میں گیا تھا
وہ مجھ سے کہتا تھا کہ ۱۷ نومبر کے قریب آفتاب نظر سے غائب ہو اور ایسا اندھیرا رہا کہ جہاز سے
اتر نہیں سکتے تھے - ۱۶ فروری آیندہ کو جزیرہ نیچے کی چوٹی سے جو ۶۰۰ فٹ سطح سمندر سے بلند تھی
آفتاب کو افق پر دیکھا اُس نے یہ بھی کہا کہ ہم دوپہر کو آسمان پر ستارے چمکتے ہوئے دیکھتے تھے
دن کی روشنی کی درازی کے باب میں اُس نے یہ کہا کہ عرض بلد ۷۸° ۳۷' ۵۰" اور طول بلد
۷۰° ۴۵' ۱۵" پر سب طرف آسمان روشن معلوم ہوتا تھا - اور مجھے اپنے سونے کا وقت بتلانا مشکل تھا
روشنی کو روک کر آدھی رات کا سا اندھیرا کھیپ کرنا بڑی مشکل تھا - جو آدمی اِدھر اُدھر چلے جاتے
تھے کہ کہیں اندھیرا ملجائے کہ ہم اپنے جھولے کی طرح بچھونے میں چلے جائیں مگر کہیں نہیں ملتا تھا - صبح و شام
کے محاورہ سے فقط دن کی ابتدا و انتہا مراد ہوسکتی ہے -

پس بائیبل اور سائنس دونو متفق ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ایک ہزار سال ایک دن ہے
اور ایک دن ہزار سال ہے -

حضرت موسیٰ نے پیدایش کے باب میں پندرہ واردات بیان کی ہیں جو اُن باتوں سے
مطابقت رکھتی ہیں کہ سائنس نے سکھائی ہیں انکا مختصر بیان کیا جاتا ہے - اول حضرت موسیٰ
ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا -

سائنس علم ہیئات کے صحیح واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اور دنیائیں ہماری نظام شمسی سے پہلے
پیدا ہوئی ہیں پس یہ ترتیب کہ آیت میں اول آسمان کو لکھا ہے صحیح ہے - حضرت موسیٰ نے پیدایش
دنیا کی جو ترتیب بیان کی ہے اسکا صحیح ہونا سائنس سے ثابت ہوتا ہے - سبحان اللہ توریت کی
بسم اللہ کیا خوب ہے کہ خدا نے ابتدا میں آسمان اور زمین کو بنایا اسمیں تمام مادی اشیا کی ابتدا
کا بیان آگیا کہ شموس اور دنیائیں ازل سے موجود نہ تھے مگر یہ بات کہ انکی ابتدا کب سے ہوئی نہ
الفاظ بیان کرسکتے ہیں نہ اعداد - سال بسال سائنس جتنا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اتنا ہی مجبوری
زمانہ ماضی میں دور جانا پڑتا ہے - اول آدمی نے اسکی ابتدا ہزاروں برس سے تجویز کی پھر یہ تحقیق ہوا

ہیں ور ہیجر کا مطالعہ ایمان میں خلل و شبہ ڈالتا ہے عنقریب ایسا وقت آنیوالا ہی کہ ہر عیسائی
یہ اپنا فرض قطعاً جانیگا کہ میں اُن قوانین عجیبہ کا علم حاصل کروں جو عالم پر اپنا حکم چلا رہے ہیں
اور ایک ایت کے ننھے سے ذرہ کی ترکیب و صفات کی ایسی ستائش کروں جیسی کہ عظیم الشان
آفتاب کی - ایک ذری سے پھول کی وہ توصیف کروں جو جنگل میں اونچے سے اونچے درخت کی
اور چھوٹے سے کیڑے کے عادات کی ایسی تعریف کروں جیسے کہ سمندر کے دیو ہیکل جانور کی -
جب اوّل اہل جیولوجی نے بیان کیا کہ اس دنیا کی آفرینش پر چھ ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا
ہے تو بعض علماء دین خوف زدہ ہو گئے اور انکا یہ میلان خاطر ہوا کہ ایسے مسائل کے پھیلانے والونکو
لا مذہب قرار دیکر ایسی سزا دیں جیسے کہ پہلے تنگدل راہبوں نے گیلیلیو کو اس بات کے کہنے پر
سزا دی تھی کہ زمین آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے - مگر جب اوسپر عرصہ گذر گیا تو دریافت ہوا کہ
لفظ یوم جو توریت میں ہی اسکے معنے غیر محدود وقت کے لینے سے بہت سی مشکلیں رفع ہو جائینگی -
اب اس بات کے ثابت کرنے میں کوشش کرتا ہوں کہ کتاب پیدایش کے باب اوّل میں جو اصل لفظ
یوم کا ہے جسکا ترجمہ دن کیا جاتا ہی اسکے اصلی معنی غیر محدود وقت کے ہیں اور اُسکا ثبوت خود
اسی مقدس کتاب میں موجود ہی - جسمیں باب ۲ آیت ۴ میں لکھا ہے کہ یہ زمین اور آسمان کی پیدایش کا
بیان ہی جس دن خداوند خدا نے زمین اور آسمان کو بنایا - اب اگر یہاں دن کے معنے چوبیس ۲۴ گھنٹے کے
لئے جائیں تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دن میں پیدا کئے گئے تھے چھ دن میں نہیں
جیسا کہ اول باب میں بیان ہوا ہی لیکن اگر دن کے معنے غیر محدود وقت کے لئے جائیں تو پھر مطلب صاف
ہے یعنی اوّل بیان سے آفرینش کا ایک سلسلہ حلقہ بحلقہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرے بیان سے پیدا کرنی
کے عملوں سے جو کل کام ہوا اسکا مجموعہ پھر خدا نے آدم سے کہا کہ تو جس دن منع کیا ہوا پھل کھائیگا
مر جائیگا اس میں بھی دن کے معمولی معنے لئے جائیں تو آدم کو اپنے گناہ کے دن دوپہر سے
پہلے مرنا چاہئے تھا اور یہ ہم جانتے ہیں کہ اُس دن نہیں مرا - کتاب استثنا کے ۹ باب اول آیت میں
لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کہتے ہیں کہ اے اسرائیل تجھے آج کے دن یردن کے پار جانا ہی جسکو حضرت
موسیٰ جانتے تھے کہ جب تک میں مر نہ لونگا تو یہ کام نہیں ہوگا - زبور ۹۵ - ۹ آیت میں لکھا ہی کہ اپنے
دلوں کو سخت نہ کرو جیسا کہ مریبہ میں آزمایش کے دن بیابان کے درمیان کرتے تھے یہاں دن کے
معنے چالیس ۴۰ برس کے ہیں -
بائبل کے اندر بیان کیا گیا ہے کہ چہارم یوم تک دن اور رات کا فرمان روا آفتاب نہیں مقرر ہوا تھا

جرم آتشی کی شدید حرارت کو اپنے نیچے دبائے رکھا اور ہائی ڈروجن اور آکسیجن نے مل کر بخارات گاسیہ پیدا کر لئے اور وہ کثیف ہوئے اور زمین کے چاروں طرف گرے اور اُس نے زمین کو پانی کے اندر گھیر لیا جیسا کہ زبور میں بیان کیا گیا ہے کہ اے خدا میری تو بڑا ہے جس نے زمین کی بنیادیں ایسی رکھیں جو کبھی اپنی جا سے نہیں ہلیں گی اور اُس کو عمیق پانی کا لباس پہنا دیا۔ اسوقت کرہ ہوائی نے ان پانیوں کو جدا کر دیا جو پھیلاؤ (فضا) کے اوپر اور نیچے تھے۔

چہارم۔ حضرت موسیٰ ـــ خدا نے کہا کہ خشک زمین ظاہر ہو۔

زمین کے زیادہ ٹھنڈی ہونے سے بڑی بڑی تشنج واقع ہوئے۔ جنہوں نے کتلوں (روکوں) کے ڈھیر لگا دئے اور انکو عالمگیر سمندر سے اونچا اوٹھایا جیسے پہاڑوں اور جزیروں اور اور برّاعظموں (اقالیم) کو بنایا۔

زمانہ بزمانہ گذرتا گیا اور کتلون (روکوں) کے طبقات الارض لارین شی این اور کیمبرین اور سلورین بہ تدریج پیدا ہو گئے غالباً جنکا بڑا حصہ پانی کے اندر تھا تو پھر ایک بڑا زور آور زلزلہ زمین کے پوست میں آیا اور پہاڑ کے سلسلے پانی سے باہر نکل آئے جنکے ساتھ وہ اپنی چوٹیوں پر ان حیوانات کو لے گئے جو سمندروں کی تہوں میں رہتے تھے اور انکے وسائل سے ہم صحت سے اُن زمانوں کو بتلا سکتے ہیں کہ جنمیں یہ ہولناک تشنجات وقوع میں آئے اور پانی سے اونچے ہوئے اور انہوں نے سمندر و بحر جدا جدا بنائے اور خشک زمین کو ظاہر کیا۔ ان سخت زلزلوں سے فقط پہاڑ کے سلسلے ہی پانی کے اندر سے باہر نہیں ہوئے بلکہ برات اعظم اور جزائر بہ تدریج بعض حصص کے پست ہونے سے اور بعض حصص کے بلند ہونے سے پیدا ہو گئے سطح زمین پر بننے سے جانور پولائی پس (بہت سے پانو کا ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے) نے بہت سی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔

پنجم حضرت موسیٰ ـــ خدا نے زمین سے کہا کہ گھاس اُگائے (لفظی ترجمہ یہ ہو کہ گل نکالے

حاشیہ (بیجوں کا بیان نہیں ہے)

سائنس سب سے اول نباتات کی صورت بظاہر الجی لیچن ۔ اور فرن وغیرہ کی ہے جو بیجوں سے نہیں پیدا ہوتے بلکہ ننھے ننھے دانوں سے پھیلتے ہیں اب زمین سے بہت ہی ادنےٰ قسم کے درخت پیدا ہوئے جو پہلے سمندر میں موجود تھے۔ بعد اسکے ایک اعلیٰ قسم کے

کہ لاکھوں برسوں سے وہ ہی پھر یہ تحقیق ہوا کہ کروڑوں برسوں سے اب چند حکماء کی رائے یہ قرار
پائی ہے کہ زمانہ کی کوئی تعداد اس ابتدا کو نہیں مقرر کر سکتی۔ پس ہمکو فقط اس علم پر قناعت کرنی ہے
کہ زمانہ ماضی خواہ کتنا ہی طول ہو خدا نے اس عالم کی کل ترتیب کی تدبیر کی اور حکم دیا کہ موجودہ ترکیبات
اور تالیفات بے انتہا بوقلمونی کے ساتھ اور اجزاء لایتجزیٰ کی تراکیب سے خوش اسلوبی سے عمل
کی جائیں خواہ اُن میں کتنا ہی زمانہ لگے پس یہ ترتیب وہی ہے جو توریت میں بیان ہوئی۔ جان کی ۵
باب ۱۷ آیت میں لکھا ہے۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ خدا موجود نہ ہوا اور کام کرنا ذات باری کا
ایک جزو ہے۔ پس جب خدا کبھی معزول و معطل نہ تھا تو وہ کام کرتا ہوگا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ دُنیائیں موجود نہ ہوں اب یہ کہ انکے مخلوق کرنے کی مرضی کس طرح ہوئی
ہم کو یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود کوئی عام قانون ان دنیاؤں کے مخلوق کرنے کا بنایا ہوگا۔
اس سے پہلے آیت کا دوسرا جزو یہ ہے کہ زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا
یہ وہ کی حالت کا بیان قبل از آفرینش زمین ہے۔ دوم حضرت موسیٰ ۔ خدا نے کہا اُجالا ہوا اور
اُجالا ہو گیا۔

سائنس پہلے اس سے کہ تکاثف ہو۔ آفتاب اور سیارے ایک روشن نیبولا کی صورت میں تھے
(نیبولا کے معنے چھوٹے سے بادل کے ہیں)

جب تک تاریکی تمام اتھاہ گہراؤ پر چھائی ہوئی تھی خدا کا یہ حکم نافذ نہیں ہوا کہ اُجالا ہو
جب قوانین کشش ثقل۔ کیمیاوی کشش وغیرہ نے اپنے عمل شروع کئے تو روشن نیبولا پیدا
ہوا۔ کروی اجسام جنہیں حرارت بڑی شدت سے تھی پیدا ہوئے اور کل مکان کو لاکھا آفتابوں
اور سیاروں سے روشن کر دیا۔

سوم حضرت موسیٰ ۔ خدا نے کہا کہ پھیلاؤ ہو (عبرانی لفظ کا ٹھیک ترجمہ پھیلاؤ ہی
توریت کے اردو ترجمہ میں فضا لکھا ہے۔

سائنس جب زمین کا حصہ بالا سرد ہوا تو بعض گاسوں میں جو اوسکے گرداگرد تھیں مکینیکل اور
کیمیکل کے موافق تراکیب واقع ہوئیں تو ہوا اور پانی پیدا ہوئے۔

جب نیبولا میں تکاثفات واقع ہوئے تو زمین گھٹی۔ اجسام مٹی اور (شہاب) کے نیچے
گرنے سے بہت تھوڑی حرارت بڑھی اسلئے زمین بہ تدریج سرد ہوئی اور ایک وقت میں اسکے
جرم آتشی پر ایک پتلا کشتی خول چڑھ گیا اس خول کی ضخامت کافی تھی کہ زمین کے

بلکہ مقرر کرنا یا معین کرنا ترجمہ کرنا چاہئیے۔ اب تک لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال چلا جاتا ہے
کہ سورج چاند چوتھے یوم تک نہیں پیدا ہوئے تھے اور اسیواسطے نباتات کے بعد پیدا ہوئے
یہ فرض بالکل سائنس سے نقیض رکھتا ہے اور معمولی عقل کو بھی غلط معلوم ہوتا ہے یہ ثابت ہوا
کہ یہ یوم موسموں کے آغاز کا تھا جس سے مطلب صاف ہو جاتا ہے بعد یہ کہتا ہے کہ خالق اکیر نے
صرف چاند سورج جو زمین کو گرم اور روشن کرتے ہیں اجرام فلکی نہیں بنائے۔
بلکہ روشن اور عظیم الشان روشنی کے مدارات بھی اسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے
ہیں نظام شمسی باوجود اس عظمت کے خداوند تعالیٰ کی مخلوقات میں ایک چھوٹا سا نقطہ
ہے۔ آفتابوں اور دنیاؤں کا شمار نہیں انکی خوبصورتی بے انتہا ہے جو مکان میں پھیلی ہوئی ہے
اور اپنے خالق کے جلال و عظمت قدرت کو دکھا رہی ہے۔
نہم حضرت موسیٰؑ ——— اور خدا نے کہا پانیوں سے رینگنے والے جاندار کثرت سے موجود ہوں
سائنس یہ جانداروں کی پیدائش کی صبح اول نہ تھی اس سے پہلے چار انواع انکی
سمندر میں بیان ہو چکی ہیں یہاں اس بیان سے یہ مطلب ہے کہ بحری حیوانات کی اقسام
اور کیڑے مکوڑے حشرات بحری اور بری بڑھیں۔
اب زمین پر آفتاب بلا واسطہ چمکا تو ایک تغیر عظیم ظہور میں آیا جسکی شہادتیں پرمین
ٹرائی ایس۔ لائی ایس۔ ارمیہ میں موجود ہیں۔ آفتاب کی بلا واسطہ شعاعوں نے بحر و بر
کے روی سطح کی ظاہری صورت کو بہت بدل دیا۔ سمندر میں نئی اقسام کے جانور پیدا ہوئے
جو پانی میں کھلاڑیاں کرتے اور بے شمار انواع کے جانور سطح آب پر آتے اور سورج کی
کرنوں میں اپنے تئیں تاپ کے پھر اپنے پانی کے گھر میں اتر جاتے اور کروڑوں جانور آگے
پیچھے تیرتے پھرتے۔ نباتات سے بھی سورج کی کرنوں کا وجود ثابت ہوتا ہے۔
دہم حضرت موسیٰ ——— اور پرند زمین کے اوپر اڑیں۔
سائنس ——— نیو ریڈ سٹون (ایک طبقہ زمین ہے) پرندوں کے پاؤں کے نشان پہلی
دفعہ اب دریافت ہوئے ہیں۔
ہوا میں بھی جاندار اڑنے لگے کیونکہ پہلی دفعہ تھی کہ پردار پرند اول ظاہر ہوئے حضرت
موسیٰؑ نے کیسی صحت سے پیدائش کو بیان کیا ہے۔
پانزدہم حضرت موسیٰ ——— خدا نے بڑے بڑے دریائی جانور (وہیل یا دیو ہیکل بحری

درخت پیدا ہوئے جنہوں نے زمین کو گھیر لیا۔ ان درختوں کے پھول نہیں ہوتے تھے اور
نہ وہ بیجوں سے پیدا ہوتے تھے بلکہ سپور (ننھے ننھے سے دانے) سے پیدا ہوتے تھے۔
اسواسطے بیجوں کا بیان نہیں ہوا۔

ششم حضرت موسیٰ نباتات بیج پیدا کریں۔

سائنس ادنےٰ قسم کے پھولدار درخت طبقہ ڈیوونین میں پیدا ہوئے۔
نباتات کی آگے ترقی ہوئی کہ ادنےٰ قسم کے پھولدار درخت پیدا ہوئے جنکے بیج عریاں ہوتے
یعنے ایسے نہ ہوتے جیسے کہ میووں کے ہوتے ہیں اور انکی بناوٹ میں لکڑی کے ریشے ہوتے

ہفتم حضرت موسیٰ ـــ پھلدار درخت پھل دینے لگے۔

سائنس ایک اعلیٰ درجہ کے پھولدار درخت جنکے پھل ادنےٰ درجہ کے ہوتے ہیں وہ وسط طبقات
ڈیوونین اور کاربونی فرس میں پیدا ہوئے۔ انکے بیج پوست دار ہوتے اور خول
انکے لحم دار ہوتے۔

اس زمانہ میں یہ خیال کیا گیا ہے کہ زمین کو چاروں طرف سے بخارات گھیرے ہوئے تھے
اور آفتاب کے شعاعوں کو بہت روکے رہتے تھے اور ایک ہی کلائی میٹ گرم اور مرطوب
کل کرہ پر پھیلا ہوا تھا یہی نباتات فرنس وغیرہ کی بہت سی مقدار زمین میں دفن ہو گئی تھی
جنسے کہ معدنی کوئلہ پیدا ہوا مگر پھر بھی بہت سی نشانیاں باقی رہیں جو انکی حسانت اور
عظمت کی کہانی سُناتی ہے اور ہمارے لئے ایک تاریخ کا سامان مہیا کرتی ہے کہ پہلے
زمانہ میں دُنیا کیا تھی۔

ہشتم حضرت موسیٰ ـــ اور خدا نے کہا کہ آسمان کی فضا میں نیر ہوں کہ دن اور رات
میں فرق کریں اور نشانوں اور زمانوں اور دنوں راتوں کے باعث ہو۔

سائنس۔ یہ سورج چاند کی پیدائش نہیں بیان ہوئی بلکہ اسکا خاص کاموں پر متعین ہونا
معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ اس سے پہلے نہ کوئی ممیز نشانیاں موسموں کی تھیں نہ دنوں اور برسوں کی
تعریف صحت سے کی گئی۔

اسوقت میں کرہ زیادہ تر سرد ہوا جسکے گرد کاربونک ایسڈ تھا جو حرارت کا نہایت بڑا کونڈکٹر (موصل ہے) اور بادل بخارات بھی الگ ہو گئے تھے تو سورج اور چاند نشانیوں اور
موسموں کے لئے مقرر ہوئے ایک عبرانی لفظ عاصاہ کا ترجمہ یہاں بنانا نہیں کرنا چاہئے

بس اب وہ وقت آگیا ہے کہ صرف وہی لوگ جو برٹش میوزیم کے بے بہا مخازن سے بالکل لاعلم ہیں۔ عہد عتیق میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں انکی صحت میں چون وچرا کرتے ہیں اس میوزیم میں ایک لوح ہے۔ جسمیں طوفان نوح کا بیان مرقوم ہی۔ حضرت نوح کے بعد نمرود کو یہ لوح دی گئی ہی وہ ایک یادگار عظیم ہی۔ اور ایک حیرت انگیز مطابقت بائیبل کی طوفان نوح کی حکایت سے رکھتی ہے اور بائیبل کے تمام روایات وحکایات پر ہماری ایمان کو مستحکم کرتی ہی۔

کتاب پیدائش کے ۷ و ۸ باب میں ایک لفظ عبرانی حارلطیص کا ترجمہ زمین یا کل زمین غلط کیا گیا ہے اسکے اصل معنے ملک کے ہیں جسکے سبب سے طوفان کی وسعت کی نسبت غلط خیال عام پیدا ہوگیا وہ صرف مغربی ایشیا میں واقع ہوا تھا اور حضرت موسیٰ کا مطلب اس طوفان کے بیان سے صرف یہ ہے کہ وہ کرہ زمین کے اس حصہ میں واقع ہوا جو آباد تھا نہ کل روی زمین پر۔

یہ ایک بڑی بات ہی اسلئے کہ کل روی زمین اور اسکے پہاڑوں کو جب پانی مستغرق کرسکتا ہے کہ وہ خاص اس کام کے لئے بافراط نیا پیدا کیا جائے اسلئے کہ کل پانی جو سمندروں اور بحیروں اور دریاؤں اور کرہ ہوا میں موجود ہی اگر وہ کرہ زمین پر جمع کرکے ہموار تقسیم کیا جای تو اس بحر عظیم کا عمق ڈھائی میل ہوگا اور اس سے تین گنا پانی چاہیے کہ وہ تمام کرہ زمین کا ایسا خول بنے جس کے اندر دنیا کے تمام پہاڑ اندر آجائیں اور پھر اسکے لئے ایک عجیب معجزہ عظیم کی ضرورت پڑیگی جو اس پانی کو جسکی مقدار دس ہزار ملین (دس لاکھ م) مکعب میل ہے دور کرکے اس سے نجات دلائی۔

ظاہرا حضرت موسیٰ کی مراد اس قسم کی بات کے سوائے کی نہ تھی انہوں نے تو صرف یہ کہا کہ پندرہ ہاتھ (۲۲ ½ فٹ) پانی اوپر چڑھا۔ اتنا تھوڑا سا پانی اوپر چڑھنا پہاڑوں کے مستغرق کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ ایورسٹ پہاڑ کے ڈبو دینے کے لئے اونتیس ہزار فیٹ پانی اوپر چڑھنا چاہیے تھا اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ حضرت موسیٰ کو نوح کے طوفان پر علم بعض ان لوحوں سے معلوم ہوا ہوگا جنمیں حضرت نوح نے طوفان کا وہ حال لکھا ہوگا جو انہوں نے دیکھا ہوگا اور وہ انکے افق پر محدود ہوگا۔

اگر کل کرہ زمین پانی میں مستغرق ہوا ہوتا تو سائنس اپنی تحقیق سے اسکی تصدیق کرلیتا اب اسکے برخلاف نیچر کی کتاب میں ہر چیز اسکی نقیض ایسی موجود ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی اور ثابت کرتی ہے کہ کل دنیا طوفان میں نہیں ڈوبی بلکہ اسکا ایک حصہ ڈوبا تھا۔ بائیبل اور لوح مذکورہ اور سائنس تینوں کے بیانات آپس میں مطابقت رکھتے ہیں۔

جانور) پیدا کئے۔ سائنس لاتی اس کے طبقہ ارض کے بعد طبقات میں دیوہیکل بحری جانور ملتے ہیں پرندوں کے بعد یہ دیوہیکل بحری جانور پیدا ہوئے ہیں اُنکو خدا نے اپنی قدرت سے اُن جانوروں کو پیدا کیا اور جانوروں سے وہ تولد نہیں ہوئے جس کام کے لئے خدا نے اُن کو پیدا کیا تھا جب وہ ختم ہو چکا تو اونکو فنا کر دیا مگر اسکے نشان ایسے باقی رکھے کہ انسان بحری نوشتوں میں دیکھ کر انکی بڑائی اور زور آوری کو جان لے۔

دوازدہم حضرت موسیٰ ——— خدا نے کہا کہ زمین جانداروں کو انکی جنس کے موافق پیدا کرے

سائنس ——— مویشی سے پہلے بے شمار جانور پیدا ہوئے ——

سیزدہم حضرت موسیٰ ——— مویشی انکی جنس کے موافق پیدا کئے۔

سائنس ——— مویشی جیسے کہ بیل اور ہرن ہیں آدمی سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

چہاردہم خدا نے ایک باغ لگایا اور زمین میں سے خداوند نے ہر ایک درخت اُگایا جو دیکھنے اور کھانے میں اچھا تھا ——

سائنس ——— بڑے بڑے پھول اور پھلدار درخت کچھ تھوڑی مدت پہلے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے موجود تھے اور کتاب پیدایش ا باب ۲۹۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی پیدا ہوا تو تمام روئے زمین پر وہ موجود تھے ——

پانزدہم حضرت موسیٰ ——— خدا نے انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنایا۔

سائنس ——— حیوانات میں سب سے اعلیٰ اور آخر پیدایش انسان کی تھی۔ آدمی کسی اور جاندار سے نہیں پیدا کیا گیا۔ بلکہ اپنے بنانے والے کی صورت پر بنایا گیا ——

آخر یہ ہے کہ خدا نے اپنا کام ختم کیا جو اُسنے بنایا تھا ——

سائنس ——— علم جواب تک ہمکو حاصل ہوا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پیدایش کے بعد نباتات و حیوانات کی کوئی نئی نوع نہیں پیدا ہوئی ——

طوفان نوح کی مطابقت سائنس سے ——

ہر یک صدی میں بعد یک دیگرے کتب مقدسہ کے بیانات کے برخلاف مشکک ورلا مذہب حجتیں نکالتے ہیں اور نیک آدمی ہمیشہ انکے نمائشی اعتراضات کے جواب نہیں دے سکتے اور مجبوراً اُن کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم تم کو خاطر خواہ جواب نہیں دے سکتے لیکن ہم بائیبل کے سچے ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ امر یقینی جانتے ہیں کہ ایک وقت آئیگا کہ اسکی حکایات خرافات نہیں سمجھی جائینگی

آپس میں سخت جانی دشمن ہیں اور اپنی عداوت کے ارادہ میں بڑی مستقل اہل سائنس کثر یہہ کہتے ہیں کہ ہم سائنس میں خدا کو نہیں پاسکتے۔ اور اہل مذہب یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا میں سائنس کو نہیں پاسکتے انمیں سے ہر ایک یہ یقین کرتا ہے کہ گو کل سچ ہمارے قبضہ میں نہیں آسکتا مگر جتنا وہ ہمارے قبضہ میں آگیا ہے وہی بڑا ابکار آمد عظیم الشان ہے۔ سائنس مذہب کو حقیر اور ذلیل جانتا ہی اور مذہب سائنس سے خوف زدہ ہو کر اسپر لعنت کرتا ہے مذہب یقینی سچ کو سب سے زیادہ بالاتر اعلےٰ درجہ پر رکھتا ہے اسپر یہ الزام لگایا جاتا ہی کہ وہ اس سچ کو بھی نہیں مانتا جو ثابت ہو جاتا ہے۔ سائنس یقینی اپنی ہر اظہار کے اثبات پر اصرار کرتا ہی اسپر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ محض اپنی تصوّرات وافکار ہی کو مثبتہ و مبرہن واقعیتیں جانتا ہے۔

ان دو متقابل دشمنوں میں مصالحت کرانے کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ دونو اہل سائنس اور اہل مذہب سے برتر و اعلیٰ ہے اور وہ مذہب و سائنس کی ساری سچی باتوں سے ماہر ہے تو ایسا دعویٰ کوئی سلیم الطبع مشکل سے کریگا مگر اس مصالحت کا کرانا بڑا مفید اور بکار آمد کام ہے۔ ایک معمولی آدمی کی محققانہ تحقیق سے یہ امر باہر نہیں ہے کہ وہ مذہب و سائنس کے تعلقات کی چھان بین اور امتحان کرے جسکے سبب سے وہ بہت آدمیوں کے لئے دشواریوں اور دقتوں سے نکلنے کی راہ نکالے گا۔ اس تحقیقات کا آغاز یوں اچھی طرح سے وہ کر سکتا ہے کہ اول یہ دریافت کرے کہ سائنس اور مذہب میں سے ہر ایک کی سرشت کیا ہے اور اسکا یقین و ایمان کیا ہے۔

اول ہم سائنس کی سرشت اور اسکے یقین و ایمان کا بیان کرتے ہیں۔

ہم کو ضرور نہیں ہے کہ سائنس کے بیان میں علوم ریاضیہ اور الٰہیہ کو بھی داخل کریں ان دونو علموں میں سے فقط ہر ایک علم کی ان مضامین کا ذکر آئیگا جو اعتراضات کے جواب دینے میں یا لغو و بیہودہ باتوں کے نکالنے میں کام آئینگی۔ سائنس سے فقط نیچرل سائنس مراد سمجھنی چاہئیے۔

بالفعل سوا چند آدمیوں کے سب یہ مانتے ہیں کہ سائنس کے سوا فق مخازن علمی حواس کے مشاہدات ہیں اور یہ حواس خواہ جسمانی ہوں کہ بیرونی چیزوں کا ادراک کرتے ہیں یا باطنی ہوں کہ اندرونی چیزوں کا ادراک کرتے ہیں اور یہ امر بھی سب کے نزدیک مسلم ہی کہ سائنس کا اصول موضوعہ اعظم نیچر کی یکسانی اور یک رنگی ہے جسکے بغیر یہ علم غیر ممکن ہے +

ضمیمہ اوّل

سائنس اور مذہب کے ایمان و یقینوں کا بیان

سائنس اور مذہب کے ایمانوں اور یقینوں کے بیانات فریڈرک لورڈ بشپ آف اکسٹر کے لکچروں سے جو انہوں نے ۱۸۸۴ء میں اوکسفورڈ کی یونی ورسٹی میں دئیے تھے انتخاب کر کے اپنی کتاب مذہب و سائنس کی رزم و بزم کا ضمیمہ بناتا ہوں۔

سائنس کے یقین و ایمان کی سرشت

زبور ۱۰۴ آیت ۲۴۔ ای خداوند تیری صنعتیں کیا ہی بہت ہیں تو نے ان سب کو حکمت سے بنایا زمین تیرے مال سے پُر ہے۔

جو لوگ یقین کرتے ہیں کہ آفرینش اور انتظام آفرینش دونو ایک واجب الوجود کے کام ہیں تو اونپر یہ فرض ہے کہ بالکل اپنے دل و جان سے اس واجب الوجود کے ساتھ محبت کریں جو انسے ایسی محبت کرتا ہے کہ وہ اور سب محبتوں سے اعلیٰ و برتر ہے اُسی کی ذات سے امید ہے کہ وہ اب ہمکو ہدایت فرمائیگا اور آیندہ بے انتہا خوشی بخشیگا۔ پس اُنکے لئے دو سبب عظیم موجود ہیں کہ وہ نیچر کے عملوں کی اور اسکی صورتوں کے مطالعہ میں مصروف ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ علاوہ بریں کہ اس نیچر کے مطالعہ سے خالص و اعلیٰ خوشی حاصل ہو اور آدمیونکی جسمانی آسائشوں اور آرام کی ہزاروں صورتیں دریافت ہوتی ہوں آدمیوں کی دلوں کو یہ دریافت ہوتا ہے کہ یہہ ساری چیزیں ذات باری کے الہامات ہیں اور ان الہامات کا علم ذات باری کا علم ہے اگر خدا پر یقین کرنیوالا اقوار عقلی رکھتا ہے اور اوسکو موقع اور وقت میسر ہے تو اُسکے لئے کوئی اس سے زیادہ بہتر شغل نہیں ہے کہ وہ نہایت فکر اور غور سے یہ مطالعہ کیا کرے کہ خدا تعالیٰ کس طرح سے اپنے کاموں کو کرتا ہے اور اوسکی مصنوعی چیزیں اپنے اپنے کام کیونکر کرتی ہیں۔ پس ہمکو اہل مذہب ہی میں ایسے اہل سائنس کے ملنے کی توقع ہو سکتی ہے جو نہایت صابر و حق جو و عالی ہمت ہوں۔

مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ صورت ہمیشہ نہیں ہوتی بلکہ اسکے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب و سائنس

کہ کوئی نیا قانون معلوم ہوا بلکہ یہ تھا کہ ایک نیا سیارہ معلوم ہوا ان دونوں صورتوں میں سہی ہر ایک میں اور انکے مماثل تمام صورتوں میں مشاہدہ شدہ واقعیتوں کی تحقیقات اس غرض پر مبنی ہیں کہ نیچر یک رنگ یک ساں ہی۔ اس فرض کے سوا تو کوئی ایسا فرض نہیں ہی جسکے موافق سائنس آگے قدم رکھ سکے۔

یہ فرض ایسا ہی نہیں ہو کہ صرف سائنس سے ہی تعلق رکھے بلکہ وہ تو ہماری روزمرہ زندگی کی تہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس فرض کے موافق آج ہم کھانا کھاتے ہیں کہ وہ ہماری پرورش آج ایسی ہی کریگا جیسی کہ اُس نے کل کی تہی ہم اپنے ہمسایہ کے ساتھ اس فرض کے موافق عمل کرتے ہیں کہ آئیندہ جو اعتماد پہلے رکھتے تہے وہ اب بہی رکھتے ہیں اور بے خوف و خطر آئیندہ بہی رکھینگے ریل پر سفر بغیر اس فرض کے ہم نہیں کرینگے کہ گاڑی میں لوہے اور لکڑی میں پیوستگی رہیگی اور پہیہ دہری پر چلکر کھائیگا اور اسٹیم انجن کی پسٹن کو اُٹھائے بٹھائے گا اور ادر نوکر اور انجن ڈرائیور اپنی عادت کے موافق اپنا معمولی کام سرانجام دینگے۔ ہم اپنی فصل کو اس موقع پر بوتے ہیں کہ زمین اپنی معمولی کیمیاگری کریگی۔ حرارت روشنی بارش باری باری آکر اپنا کام کرینگے اور خزاں میں ہم فصل کاٹ کر اناج جمع کرینگے۔ دیکھو جیوری اور ججوں کے سامنے ایک شخص کی رو بکاری قتل کے لئے ہو رہی ہے۔ اب قوانین نیچر کی مطابقت و غیر مطابقت کے موافق شہادت کے ہر عنوان کی قدر کی جائیگی اگر کوئی گواہ اپنی شہادت میں کسی ایسے واقعہ کا بیان اپنے اظہار میں کریگا جو ابتدای آفرینش سے ابتک نہیں واقع ہوا ہو تو اسکی شہادت پر بالکل اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ لیکن اگر شہادت میں ایسے واقعات بیان کئے جائیں گے کہ قوانین نیچر سے موافقت رکھتے ہیں۔ تو اوسپر جرم ثابت ہوگا اور موت کا فتویٰ اسپر دیا جائیگا۔

اب سوال یہ ہی کہ ہم کو اس فرض کرنے کا حق کیا ہے؟ اس سوال کو ہیوم صاحب نے خوب صفائی سے بیان کیا ہے اور اسکا جواب دیا ہے جو سچ سے بہت قربت رکھتا ہے مگر یہ جواب ایسا کافی نہیں ہی کہ اسمیں چون و چرا کے لئے جگہہ نہ ہو۔

علت و معلول میں ایک بڑا تعلق ہے اسمیں نیچر کی یک رنگی مشاہدہ میں آتی ہے۔ ہیوم نے اسکا امتحان کیا اسکی رای میں اسکی مطلق کوئی اور بات سوا اسکے نہیں ہی کہ ایک بے تغیر تواتر ہوتا ہے دو منظرات بغیر تغیر کے متعلق ہوتے ہیں۔ انمیں سے پہلے کو علت یا سبب یا مؤثر کہتے ہیں اور پچھلے کو معلول یا مسبب یا اثر کہتے ہیں پہلے میں کوئی چیز ایسی مطلق نہیں معلوم ہوتی

سائنس کو الہامات کا کوئی دعویٰ نہیں ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ کوئی آواز الہامی اسکو آگاہ کرتی ہے کہ دنیا میں کیا کیا چیزیں ہیں اور ان چیزوں کے کیا کیا اوصاف و خواص ہیں اور ان اوصاف و خواص کے کیا عمل و اثر ہیں زمانہ گذشتہ کی جو احادیث سائنس کے ہاتھ آئی ہیں وہ اسکے سوا کچھ اور نہیں کر سکتیں کہ انکی اپنے زمانہ میں جو مشاہدات ہوئی ہیں انکو اس تک پہنچا دیں اور وہ جہاں تک کہ انکا اعتبار کرے انپر اپنے زمانہ کے مشاہدات کا اضافہ کر دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سائنس جس مصالحہ کو تیار کرتا ہے وہ اسکو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اب شاید یہ مصالح اس شرط پر سائنس کے کام آسکتے ہیں کہ ان سب مصالحوں کی تحویل ایسے قوانین کیطرف ہو جاوے جو تغیر پذیر ہونے کی قابلیت نہ رکھیں اگر حواس سے کوئی ایسا مشاہدہ کیا جائے کہ وہ ان قوانین کے ماتحت نہ آسکے جو اور مشاہدات پر حاکم ہیں تو نہ اسکی توجیہ ہو سکیگی نہ وہ سمجھ میں آئیگا وہ سائنس کی مسلک ہی میں نہیں داخل ہوگا سائنس کے لحاظ سے تو یہ مشاہدہ معدوم ہی ہوگا اسی وجہ کے سبب ممکن ہے کہ اس مشاہدہ کا امتحان کیا جائے تو وہ بڑا کارآمد عظیم الشان برآمد ہو بس اب تک جس چیز کی توجیہ نہیں کی گئی اسی کی توجیہ کرنی سائنس کی ترقی کی اصل جان ہے جب ناقص مشاہدہ کامل ہوگا تو فوراً وہ کیا تو توجیہ کے قابل ہو جائیگا اور اس سبب قابل قدر ہوگا یا اس سے بھی زیادہ اچھی بات ہوگی کہ ایسے قانون جدید کی مثال پائی جائیگی جو پہلے سے معلوم نہ تھی تو اس وقت تک جو قانون تسلیم کیا گیا ہے اسکو وہ تبدیل یا صلاح کر دیگا یا اوسکو اپنے میں جذب کر لیگا مثلاً گیلیلیو نے اول یہ بتلایا کہ تعقّص کے پمپ میں پانی ۳۰ فٹ سے زیادہ اونچا نہیں چڑھ سکتا تو قدیمی قانون کو جو یہ تھا کہ نیچر خلا سے نفرت رکھتا ہے (خلا محال ہے) با صلاح بدل دیا اور نیچر کی خلا سے نفرت رکھنے کی شرائط و دلیل تحقیق ہو گئیں اور رد باؤ کے عمل مکینکس کے موافق مائعات کی مسئلہ کا عام قانون بن گیا گیلیلیو کے زمانہ تک واقعیتوں کا عام قاعدہ جو مشاہدہ میں آیا تھا وہ یہی تھا کہ نیچر خلا سے نفرت رکھتی ہے۔ اب ایک جدید واقعیت مشاہدہ میں آئی جو پہلے قاعدہ کے تحت میں نہیں آسکتی تھی پس اس واقعیت کے امتحان نے پرانے قاعدہ کو ساقط کر دیا اور فوراً سائنس کا ایک بڑا قدم آگے بڑھا دیا۔ ہمارے زمانہ میں بعض واقعیتوں کے مشاہدہ سے سیارہ نیپچون دریافت ہو گیا۔ یہ مشاہدہ شدہ واقعیتیں ان واقعیتوں کے ساتھ جو پہلے مشاہدہ میں آچکی تھیں مطابق نہ ہوتیں اگر قانون کشش ثقل صحیح نہ ہوتا بس اس صورت میں نتیجہ یہ نہ تھا

خواہ کچھ ہی ہو نہیں رکھے جاتے۔ اس گل بین کے ہلانے سے ان شیشوں کے ٹکڑوں کی بے شمار ترتیبیں بدلتی ہیں مگر انمیں کوئی نظم نہیں ہوتا وہ آپس میں ترتیب پاتے ہیں اور جب سوراخ میں انکو دیکھتے ہیں تو ایک نقشہ بالقرینہ معلوم ہوتا ہی۔ ہر دفعہ گل بین کے ہلانے سے شیشہ کے ٹکڑوں کی ترتیب نئی ہوتی ہی مگر ہمیشہ وہ بالقرینہ ہوتی ہے اب شیشہ کے ٹکڑے نہ انکے رنگ بالقرینہ ہوتے ہیں یہ انکا بالقرینہ بنانا گل بین ہی کا کام ہے اگر کوئی لائق محقق گل بین کی ساخت کا امتحان کرے تو شیشے کے ٹکڑوں کے بالقرینہ ہوجانے کے قوانین یقینی بنادیگا جنکی اطاعت گل بین کے اندر شیشے کے ٹکڑوں کو کرنی پڑیگی۔

پس کانٹ کے خیال کے مطابق نفس ناطقہ انسانی ہی ایک گل بین ہی جسکے اجزا زمان و مکان و قوائے عقلیہ ہیں جو چیزیں کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں وہ ضرور مکان و زمان کے قوانین کے یعنے قوانین ریاضیہ کے ماتحت ہوتی ہیں اسلئے کہ مکان و زمان ہمارے نفس ناطقہ کی صورتیں ہیں اور کل چیزیں جو اپنی راہ میں حواس کے روبرو آتی ہیں انکو اپنے قالب میں گل بین کی طرح وہ ترتیب دیتے ہیں۔ چیزیں جو اپنے ظہورات دکھلاتی ہیں انپر رنگ بالائی اضافہ یہ قالب کرتا ہے اگر ایسے ظہورات ہوں کہ جنکی سرشت ہی ایسی ہو کہ وہ اس اضافہ کی ماتحتی میں آئیں یا اس مطلب کو ان الفاظ میں کہو کہ قوانین ریاضیہ کے ماتحتی میں آئیں تو وہ ہمارے حواس پر بالکل اثر نہیں کرتے پس ہماری سمجھ اپنا ایک قالب رکھتی ہی جو ان چیزوں پر چڑھاتی ہی۔ جن تک انکی قوت خیالہ کی رسائی ہو سکتی ہی جو چیز اس قالب سے مناسبت نہیں رکھتی وہ سمجھ میں بالکل نہیں آسکتی۔ چیزیں خواہ فی نفسہ کچھ ہی ہوں انکے ظہورات ہمارے سلسلہ عقلی کے اندر سوائے اسکے داخل نہیں ہیں کہ ہماری اپنی نفس ناطقہ کے عمل ترتیب کے اندر گزریں۔

یہ بات صاف ہی کہ عجیب ذہانت کا فکر ماننے کے قابل صرف اسلئے ہے کہ فقط وہی واقعیتوں کے توجیہات کو بیان کرتا ہی مگر وہ کسی اصول عقلی سے نہیں ثابت ہو سکتا۔ ہمیں یہ بات مان لی ہی کہ ریاضیات ایک سائنس یقینیہ ثبتیہ ہے جو تجربہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اور ایسے ہی طبیعات کے ضروری اصول ہیں جو تجربہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتے اور یہ انکی ہستی کے سبب کو بتلاتا ہے اس وقت ریاضیات سے کچھ سروکار نہیں ہی صرف انکی نسبت ایک بات لکھکر انکو چھوڑتے ہیں کانٹ کا مسئلہ نظری جس بنا پر قائم کیا گیا ہے وہ کافی نہیں ہی جسکی دلیل یہ سیدھی سادی ہے کہ وہ ایک واقعیت کا سبب بتلاتا ہے۔ اور دوسرا واقعیت کا سبب نہیں بتلاتا۔ وہ اس واقعیت کا سبب بتلاتا ہی کہ تمام استدلال ریاضیہ کو یقین کرنا چاہئے۔ یہ یقین ایسا ضروری ہے کہ اس سے کسی طرح چھٹکارا نہیں ہو سکتا ہم صرف یہی نہیں

کہ وہ اس تعلق کو جو پچھلے کے ساتھ ہے کوئی تحدید سوائے اسکے کرے کہ جب اول دیکھنے میں آتا ہے تو دوسرا اسکے ساتھ لازمی دیکھنے میں ہمیشہ آتا ہے۔ ایک گیند اپنی ہم جثہ گیند کو ٹکرائے اور دونو گیندیں اپنی حرکت کرنی میں آزاد ہوں تو تجربہ سے پہلے کوئی چیز ایسی موجود نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اسکا تعین کر دے کہ آگے کیا واقع ہوگا۔ اب یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ متحرک گیند کیا الٹی آئیگی یا ساکن ہو جائیگی اور دوسری ساکن گیند متحرک ہو جائیگی۔ ایک چنبک کو لکڑی کی سری میں باندھ کر او پر تیراؤ اور دوسرا چنبک ہاتھ میں لیکر اسکے سروں یعنی قطبوں میں سے ایک کو بہت قریب لاؤ اب اگر دونو شمالی قطبین پاس ہونگے تو تیرنے والا چنبک پرے ہٹ جائیگا اور اگر ایک قطب شمالی اور دوسرا جنوبی پاس ہونگے تو تیرنے والا چنبک کھچ آئیگا۔ ہر صورت میں تیرنے والے چنبک کی حرکت کو معلول یا سبب یا اثر کہیں گے اور ہاتھ کے چنبک کو علت یا سبب یا موثر کہینگے پس جہانتک ہمکو معلوم یہ ہے کہ علت کے ساتھ معلول ہونا لازمی ہے۔ پس ایک کو علت اور دوسری کو معلول کہنا یہ کہنا ہے کہ ایک ہمیشہ دوسرے کے پیچھے ہوتا ہے اسمیں کبھی تغیر نہیں ہوتا بقول ہیوم علت و معلول کے معنے سواء اسکے کچھ اور نہیں ہیں ــــ

ہیوم صاحب علت و معلول کے آگے یہ پوچھتے ہیں کہ اسکی دلیل کیا ہے کہ علی العموم یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علت و معلول کا قانون مظہرات عالم پر حکومت کرتا ہے اور ایک علت کے پیچھے جو معلول ہوتا ہے وہی ہمیشہ اسکے پیچھے معلول رہیگا؟ وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی اسکی عقلی دلیل نہیں یہ صرف عادت کا محض نتیجہ ہے جسکے پیچھے کوئی عقلی دلیل نہیں لگی ہوئی ہے۔ ہم کو ایک طرح سے دیکھنے کی عادت ہوگئی اسی طرح سے ہمیشہ دیکھنے کا ہمکو یقین ہو گیا ہے لیکن اسکی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم نے جسطرح ابتک دیکھا ہے اس طرح بعد ازاں بھی ہمیشہ دیکھا کرینگے اسکا بظاہر منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہم قواء عقلیہ بے اعتبار جان کر عالم تشکیک میں آجائیں ــــ

ہیوم کے اس نتیجہ پر کانٹ نے اعتراض کیا کہ اوسکی توجہ طبیعیات پر ہوئی اگر وہ زیادہ تر ریاضیات پر توجہ کرتا تو اوسکی عالمانہ طبیعت یہ نتیجہ نہیں نکالتی۔ کانٹ نے اس مسئلہ کو ریاضیات سے خاص کر علم ہندسہ سے حل کیا جو ہیوم سے بالکل مخالف تھا

کانٹ کا یہ حل بہت صفائی سے یوں بیان ہو سکتا ہے کہ ہم اوسکی توضیح یوں کریں کہ ایک مشہور کھلونا کیلیڈسکوپ (کل ہیں) ہے اوسکے اندر رنگین شیشے کے ٹکڑے ایک طرف سے ڈالدیتے ہیں اور اوسکے دوسری طرف ایک چھوٹا سا سوراخ کر کے اسکے اندر سے دیکھتے ہیں پھر شیشہ کے ٹکڑے کسی ترتیب سے

کہ ایک واقعہ سمجھ میں نہیں آسکتا پھر یہ کہنا کہ وہ واقعہ واقع نہیں ہو سکتا جو ہمارے حواس کے مشاہدہ
میں نہیں آسکتا یہ دونو بہت ہی مختلف باتیں ہیں اصل بات یہ ہے کہ ریاضیات اور
طبیعات کو جیسا کہ کانٹ نے مانا ہے دونو ایک سوال کے حل کے نہیں پیش ہوتے۔ اسلئے
کوئی ایک حل دونو کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا یہ صورت نہیں ہے کہ لوئی طبیعات کا مجرد
سائنس ایسا ہے جیسا کہ ریاضیات کا مجرد سائنس ہے جن دونو میں ایک صفت لابدی
ہونے کی ہو۔ ریاضیات میں ایسی سچائیاں ہوتی ہیں جنکے تسلیم کرنے کے سوا کوئی
چارہ نہیں اور یہ تسلیم کرنا ہی کلیہ عامہ لابدی ہوتا ہے طبیعات میں ایسی سچائیاں
نہیں ہیں۔ نہ تو کانٹ نے اسمیں کوشش کی کہ وہ یہ ثابت کرتا کہ ایسی سچائیاں اس
میں موجود ہیں بس اسی لئے جس سوال کو ہم کہتے ہیں کہ وہ ریاضیات کے لحاظ سے حل
ہو وہ طبیعات میں پیش نہیں ہو سکتا ہم تو مجبوری یہ یقین کرتے ہیں کہ دو اور دو مل کر چار
ہوتے ہیں پانچ نہیں ہوتے مگر ہم مجبوری یہ یقین نہیں کرتے کہ ایک واقعہ کے بعد جو دوسرا
واقعہ اکثر دفعہ واقع ہوا ہے وہ ایسا ہی ہمیشہ واقع ہوتا رہیگا۔ اب سوال یہ ہے کہ باوجود
کسی مجبوری کے نہ ہونے کے میں الیقین کرتا ہوں کہ کسی صورت معلوم میں ایک خاص شہادت کا
طالب ہوتا ہوں کہ وہ مجھے اسکے نقیض کا یقین دلادے۔ کانٹ کا یہ جواب نامناسب ہے
کہ وہ یہ کہتا ہے کہ ہم واقعات کے تواتر کو خیال نہیں کر سکتے اگر وہ خیال کے اصول موضوعہ
یعنی سائنس کے اصول موضوعہ کے ماتحت نہ ہوں مگر سوال کا جواب یہ نہیں ہے کس واسطے ہم تعین
کرتے ہیں کہ ہر ایک چیز جو ہمارے حواس کے مشاہدہ میں آتی ہے اسکی تحویل خیال کے اصول
موضوعہ میں ہو سکتی ہے اگر اسکی نقیض نہ ثابت ہو؟ چیزوں کے تواتر کی توجیہ کسی اور طرح
سے نہیں ہو سکتی اسمیں سوال یہ ہے کہ کس واسطے کل چیزوں کا تواتر جو واقع ہوں قابل توجیہ
ہونا چاہئے۔ اسلئے سوال بے جواب رہا کہ ہمکو کیا حق نیچر کی یکرنگی و یکسانی ماننے کا ہے
یا اوسکو اور الفاظ میں یوں بیان کرو کہ ہم کو اسکا کیا حق ہے کہ یہ مان لیں کہ نیچر کے
کل مظہرات جو ہمارے حواس کے مشاہدہ میں آتے ہیں وہ سائنس کی حکومت میں . .
. . . . آنے کے قابل ہی ہوتے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے نزدیک
ہم ایک اور مخالف طرف سے پہنچتے ہیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علت و معلول کے
تعلق کی حدود اور تعمیم ہیوم اور اسکے مقلدین نے تسلیم کی ہے وہ سب آدمیوں نے نہیں

نہیں جانتے کہ دو خط مستقیم سطح کو نہیں گھیر سکتے۔ بلکہ اسکے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کل مکان و زمان
میں ایسا ہی ہوا ہے اور ایسا ہی ہوگا۔ اور اس بات کو بغیر کسی ثبوت کے خواہ کچھ ہی ہو، ہم جانتے
ہیں اس واقعیت کی دلیل کانٹ بیان کرتا ہے اسکی رائے کے مطابق مکان ہمارے کل ذہن کا ایک
جزو ہے تم ہمیشہ اسمیں اپنے لئے دیکھ سکتے ہو کہ اسکے قوانین کیا ہیں مگر ایک اور واقعیت ہے کہ
مکان جسکا ذکر ہو رہا ہے بے چون و چرا وہ ہمارے نفوس ناطقہ سے خارج میں وجود رکھتا ہے وہ
ایسی چیز نہیں ہے کہ ہمارے اندر ہو ہم اسکے اندر ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اسکو اپنے سے خارج نہ جانیں
ہم اپنی نسبت یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ہم بالکل اور ہمارے نفوس ناطقہ معدوم ہیں لیکن ہم مکان کے
معدوم ہونے کو تصور نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ہمارے نفوس ناطقہ کا ایک جزو ہے تو یہ کس طرح سے
ہو سکتا ہے کہ ہم کل کو تو معدوم سمجھیں اور اسکے جزو کو معدوم نہ جانیں۔ پس کانٹ کا مسئلہ نظری
اس واقعیت کی توجیہ نہیں کر سکتا جسمیں کہ مکان کا وجود خارجی مانا گیا ہے درحقیقت یہ معلوم
ہوتا ہے کہ کانٹ مکان کے وجود خارجی کو ایک دھوکا بتاتا ہے پس اسمیں مسئلہ نظری کو جو ہمارے
آگاہی نفس کے یقین کامل کا محتاج ہے دھوکا نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمام واقعیتوں کی توجیہ کرے
جان سٹورٹ مل کی رائے یہ ہے کہ دوسری واقعیت یعنی ریاضیات کے سچ کا ضروری یقین ایک
دھوکا ہے یہ بیان بھی موافق دلیل مذکور تمام واقعیتوں کی توجیہ بتلانے میں ناکامیاب ہے۔
ہم بالفعل ریاضیات سے کچھ سروکار نہیں رکھتے بلکہ طبعیات سے تعلق رکھتے ہیں اسمیں کانٹ ہمکو یقین
دلانے میں ناکامیاب ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مکان اور سمجھ کے قوائے متخیلہ انسان کے نفس ناطقہ کے اجزا
مانے جائیں تو کانٹ ثابت کرتا ہے کہ بے شک روز بروز صاف صاف یہ معلوم ہوگا کہ طبعیات
کے اصول لا بدی ایسے اصول موضوعہ ہیں کہ انکو ضرورت حواس کے مشاہدہ کی نہیں ہے بلکہ سمجھ کے
سمجھنے کی ہے خواہ کچھ ہی واقع ہو پس جب کسی چیز کو یہ کہیں کہ وہ کسی واقعہ کی توجیہ ہے تو ہم کو ثابت
کرنا چاہیے کہ وہ ان عام قاعدوں کے ماتحت ہے جو نیچر کی یکرنگی و یکسانی کو قائم کرتی ہیں
یہ الفاظ جو کسی چیز کے سمجھنے یا توجیہ کرنیکے لیے کام میں آتے ہیں انکے معنے سوا اسکے اور نہیں ہیں
جو اوپر بیان ہوئے۔ جب خیال کی تحلیل کیجائیگی تو وہ اس پر مشتمل ہوگا کہ جو کچھ واقع ہوتا ہے
وہ قوانین عامہ کے ماتحت ہوتا ہے اور کسی منظر کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ خیال میں اسکی توجیہ ہوئی الا یہ
کہ اور منظرات سے وہ ایسا تعلق رکھتا ہے مگر اس سے یہ کسی طرح مستنبط نہیں ہوتا کہ واقعات نہیں
واقع ہو سکتے یا ہمارے حواس پر اثر نہیں کر سکتے جب تک وہ اس توجیہ کے قابل نہ ہوں۔ یہ کہنا

ارادی کے افعال ہوتے ہیں اور مثل اسکی پہلی حرکتیں اوروں کی قوت ارادی سے ہوتے ہیں چھٹپنے
اور انسان کی حالت طفلی میں کل دنیا شخصوں سے آباد تھی کیونکہ ہر چیز جسکو ہم حرکت کرتے ہوئے دیکھتے
ہیں وہ ایک شخص بنائی گئی تھی۔ ایک مخفی قوت ارادی ہوا کو آفتاب کو چاند کو سیارہ وں کو حرکت دیتی
اور یہ حرکتیں آپس میں بے تعلق ہوتیں۔

بہت جلد متحرک بالارادہ اور غیر متحرک بالارادہ چیزوں میں تمیز معلوم ہونے لگتی ہے مگر بے جان
اشیا خواہ کسی قسم کی ہوں حرکت جب کرتی ہیں کہ کوئی خارجی زور انکو حرکت دے۔ انکا اپنا زور
مزاحمت کرنے ہی کے لئے محدود ہوتا ہے۔ گو وہ خود حرکت نہیں پیدا
کر سکتے مگر ہم انکو دیکھتے ہیں کہ انمیں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ وہ حرکت کو منتقل کر سکتے ہیں پس ورا ایک چیز
سے دوسری چیز میں وراتیسے ایک اور چیز میں پہنچ سکتا ہے پہلے اس سے کہ ہم کو رسائی اس قوت ارادہ
پر ہو جس سے کہ وہ زور پیدا ہو ہم بہت سے قدم پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ قوت کے خیال کا آغاز اس طرح
ہوتا ہے کہ عمل خود آفریں ہوتا ہے یا ظاہر ہوتا ہے قوت کا خیال ہم کو یہ آتا ہے کہ اسکا عمل
کوئی اور چیز سوا اسکے نہیں ہوتی کہ وہ پہلے عمل کو جاری رکھتا ہے اس زور کے عمل کی خاص صفت
جو اس طرح خیال کیجاتی ہے کہ اسکو ہم زور مشتق کہتے ہیں وہ اسکے باقاعدہ ہونے میں دیکھی جاتی
ہے جیسے کہ خاص صفت خود آفریں عمل میں اسکے خود آفرینی دیکھی جاتی ہے زور مشتق کے عمل کے
باقاعدہ ہونے کو تجربہ جسقدر بڑہاتا جاتا ہے وہ زیادہ مشاہدہ میں آتا جاتا ہے تو پھر ایک قانون کا
خیال ہوتا ہے یعنے ایسے زور کے عمل کے باقاعدہ ہونے کا قاعدہ اور اس عنوان کے نیچے مظہرات کی
تعداد ہمیشہ بڑھنے والی آتی ہے۔ اور جو ثابت کرتے ہیں کہ خود آفریں عمل کے قریبی یہ نتائج نہیں ہیں
بلکہ وہ عمل مشتق کے کم و بیش کے بعید نتائج ہیں جنپر قوانین فرمان روائی کرتے ہیں۔ عمل خود آفریں کا وجود اگر
کہیں پایا جاتا ہے تو ان مظہرات میں کہ وہ جان اور زندہ مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں ان مظہرات کی
کثرت تعداد میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ قانون کے تابع ہیں اسلئے وہ خود آفریں عمل کی اولاد
نہیں ہیں بلکہ عمل مشتق کی زور کے معنے جو ہم سمجھے ہیں ممکن ہے کہ اسکا سراغ اس مشاہدہ شدہ باقاعدہ ہونے
سے زیادہ وسعت کے ساتھ بہ نسبت کسی اور صاف شہادت کے لگ سکے پس آخر کو زور کے لفظ کو زیادہ تر
استعمال کرتے ہیں کہ وہ کسی مظہر کی علت نہیں ہے جسکو ہم نہیں جانتے بلکہ پیش بینی ہے۔ مگر یہ بیان کے
مختصر کرنے کی ایک آسان ترکیب ہے کہ بہت سی واقعیتوں کی تعداد ایک عنوان کے نیچے بیان ہو جاتی ہے
یہی بات ہے کہ جیسے ہم اس کہنے کے قابل ہوا کہ علت سے سوا اسکے کوئی اور بات ہم نہیں دکھا سکتے کہ ایک

تسلیم کی معمولی بول چال میں علت و معلول کے معنے تو تاثیر غیر متغیر کے سوا کچھ اور زیادہ کیے جاتے ہیں یہ سب آدمی نہیں مانتے کہ کل نیچر اس قاعدہ کی مطلق اطاعت کرتا ہے کہ اسمیں تغیر نہیں ہوتا مگر یہ بے قاعدہ عملی کاموں کے لئے کافی ہے اگر ہم اس پوچھنے سے ابتدا کریں کہ سائنس کا عمل سوالات تعلیل (علت معلول کا علاقہ) سے کیا برتاؤ کرتا ہے تو ہمکو معلوم ہوگا کہ یہ عمل جب اپنے سادی عناصر میں تحویل ہوتا ہے تو اوس پر مشتمل ہوتا ہے کہ ہر واقعہ کو ہم کسی علت کا معلول جانیں اس علت کو ہم جانتے ہیں یا یقین کر لیتے ہیں کہ کوئی اور اس معلول کے متشابہ کوئی اور معلول پیدا کیا ہوگا۔ مثلاً نیوٹن صاحب کو ایک سیب کے گرنے پر تعجب ہوا اُسکا اول خیال یہ تھا کیا سخت صدمہ کسی زور کا پہنچا ہے کہ سیب گرا ہے۔ دوسرا خیال اسکا حیرت انگیز یہ تھا کہ کشش زمین جو اس سخت صدمہ کا سبب ہوئی ہے وہ کہانتک پھیلتی ہے؟ تیسرا خیال تھا کہ کس لئے وہ چاند تک پھیلتی ہو؟ بس اسنے حساب کرکے دریافت کرلیا۔ چاند کی حرکت کی وہی علت ہی جو سیب کے حرکت پیدا ہونے کی تھی۔ بس اوسکو ایک کارگر مفروض قیاسی ٹھیرا کر اُسنے امتحان کیا کہ اگر یہ سچ ہو تو تمام سیاروں کی حرکت کیا اور کیونکر ہوگی بس اس امتحان کا انجام یہ ہوا کہ کشش ثقل کے ہونے کے قانون کا ظن اعلیٰ درجہ کا قائم ہوگیا بس سائنس کا یہ عمل ایسا ہے کہ اسمیں تغیر نہیں ہوتا اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ علت کا خیال ہمارا اصل میں اس علت سے آتا ہے جو ہمارے اندر ہے اور جسکے ساتھ انسان کی قوت ارادی کا عمل شروع ہوتا ہے اس عمل سے علت کا معمولی خیال حاصل ہوتا ہے یعنی زور یا قوت کا زور یا قوت کا خیال ہمکو اپنے اس آگاہی نفس سے حاصل ہوتا ہے جو اس قوت پر ہوتی ہے جو ہمارے اعضا کو شائد جذبات کو۔ تر غیبات کو۔ پر جوش رایوں کو جو ہماری قوت ارادی کے محرک یا مزاحم ہوتی ہیں حرکت دیتی ہے یہ قوت اس وقت بہت صفائی سے معلوم ہوتی ہے کہ اسکی مزاحمت ہوتی ہے۔ جب ہم کسی کام کے کرنے کو جسکے کرنے کی ہم میں طاقت ہوتی ہے پسند کرتے ہیں تو اسکے لئے ہم کو کوشش ضرور ہوتی ہے اور یہ کوشش اس زور کے معنے جو ہم میں مزاحمت کے مغلوب کرنے کے لئے موجود ہے خوب سمجھا دیتی ہے۔ ہم میں قوت اعضا کے حرکت دینے کی ہے اور نیز بعض مزاحمتوں کے برخلاف مقابلہ کرتی ہے تو اور حرکتوں کی کسی اور طرح سے سوا اسکے توجیہ نہیں ہوسکتی کہ اپنی ہی قوت کے متشابہ کوئی قوت فرض کریں جنہیں وہ حرکتیں پیدا ہوئی ہیں۔ بس اسطرح کرنے سے سائنس کی تحریک طبعی اور عمل کی ٹھیک پیروی کرتے ہیں اور چیزوں میں جو حرکت دیکھتے ہیں اور اپنے میں جو حرکتیں دیکھتے ہیں اُنکو متشابہ سمجھکر ایک نوع میں داخل کرتے ہیں۔ یہ دوسری حرکتیں ہماری قوت

اٹھاتے ہیں حرکت پیدا کرنے کے سوا ہم کسی اور طرح سے بالکل کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے آوازوں۔ رنگوں۔ حرارت۔ عمل کیمیائی۔ الکٹرسٹی کے لئے ہمیشہ یہ کوشش ہوتی رہتی ہے کہ انکی تحویل حرکت متوج میں ہو جائے یعنے کسی نہ کسی قسم کی حرکت میں دل کو اس سے تسکین ہوتی ہے کہ وہ کوئی تغیر خواہ کسی قسم کا ہو وہ حرکت کا نتیجہ ثابت ہو یا اُس کا امکان ہو پس تمام قوانین نیچر کی توجیہ قابل اطمینان جب ہم کر سکتے ہیں کہ اُن کا پتا کسی زور میں جو ظاہر ہو جو مادی اجزاء کو حرکت دیتا ہو۔ اس بات کی کشش ثقل کا قانون بہت سی شہادت دیتا ہے اُس کو ایک واقعیت خیال کرتے ہیں۔ پھر بھی اس کے لئے بہت کوششیں کی گئی ہیں کہ اسکو ان اجزا کے متوج کا نتیجہ بنائیں جو تمام جہات میں تیر رہے ہیں اور انکی راہ میں جو دو جسم آتے ہیں ان کو باہم دباتے ہیں۔ واقعیتیں جو اس بات کو قائم کرتی ہیں کافی ہیں۔ پھر یہ کوششیں کیوں ہیں؟ کون سی چیز ہم کو معلوم نہیں کہ وہ ہے؟ کیا کوئی چیز جو ہم کو معلوم ہو وہ ہے جو ثابت کرے کہ وہ کسی نہ کسی قسم کی عام حرکت کا نتیجہ ہے اور اسی لئے وہ اس عنوان میں داخل ہوتی ہے جس میں اور حرکتیں داخل ہوتی ہیں خواہ وہ حرکتیں ہم میں پیدا ہوئی ہوں یا ہمارے جسموں سے خارجی چیزوں میں یا وہ جو مجہول ابتدا سے پیدا ہوئے ہوں اور ہمیشہ مثل سابق جاری رہیں۔

پس اس سوال کا کہ ہم نیچر کی یک رنگی و یکسانی پر کیوں یقین کرتے ہیں؟ یہ جواب ہے کہ ہم یہ یقین اس لئے کرتے ہیں کہ ہم اُس کو ایسا ہی پاتے ہیں۔ کروڑوں در کروڑوں مشاہدات اس یک رنگی کو ظاہر کرتے ہیں جتنے دنوں تک نیچر کا مشاہدہ جاری رہے گا اتنے اس یک رنگی پر ہمارا علم وسیع ہوتا جائیگا۔ چیزیں جو ایک دفعہ بے قاعدہ معلوم ہوتی تھیں کہ ان کی توجیہ نہیں ہو سکتی اب ان کی توجیہ کی جاتی ہے۔ ہر روز فقط نیچر کی یک رنگی کی مثالوں ہی پر اضافہ نہیں ہوتا جاتا۔ بلکہ مظہرات کے انواع جن کا سلسلہ دراز ہے اُس کے ماتحت ہوتی جاتی ہیں۔ مدت گذری کہ ہم اس کی دلیل جانتے تھے کہ دنیا میں مادہ کی مقدار کم و بیش نہیں ہوتی اب ہم اس کی دلیل جانتے ہیں کہ مادہ پر جو زور عمل کرتا ہے اس کی مقدار بھی کم و بیش نہیں ہو سکتی پھر اس پر سائنس کے موافق پیشین گوئی کی شہادت کا اور اضافہ ہوتا ہے جس کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے۔ اگر نیچر میں یکسا رنگی نہ ہوتی تو ظاہر یہ اوپر کی بات ناممکن ہوتی پھر اس پر یہ اور اضافہ ہوتا ہے

واقعہ کے بعد بغیر کسی تغیر کے دوسرا واقعہ واقع ہوتا ہے۔ اس غیر متغیر ہونے کو بہت آسانی سے بہ نسبت تعلیل کے منکشف کر سکتے ہیں اور جب کسی صورت معلوم میں غیر متغیر ہونا منکشف کر لیتے ہیں تو پھر ہم تعلیل کو مان لیتے ہیں گو اسکو ثابت نہیں کر سکتے اور اسی لئے ہم اوسکا بیان اس طرح کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک مانی ہوئی بات ہے۔ مثلاً ہم کشش ثقل کے زور کو بیان کرتے ہیں با وجودیکہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ ایسا زور موجود ہے جتنی بات ہمکو معلوم ہے وہ فقط یہ ہے کہ مادی ذرات کی حرکت کرنے کو ہم اس طرح جانتے ہیں کہ گویا ایسا زور اُنپر عمل کر رہا ہے۔

یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جیسے سائنس کی ترقی ہوتی جاتی ہے ایسی ہی ہمارے لئے مظاہرات کا باقاعدہ ہونا بہ نسبت انکے علل کے زیادہ کار آمد اور عظیم الشان ہوتا جاتا ہے۔ نیچر کے سارے طالب العلموں کی توجہ زیادہ تر باقاعدہ ہونے پر بہ نسبت تعلیل کے مصروف رہتی ہے۔ مظاہرات کی ہر نوع میں یہ باقاعدہ ہونا ایسی وسعت میں پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفس ناطقہ مطلق کو مجبوراً خیال کرنا پڑیگا کہ ممکن ہے کہ باقاعدہ ہو تعمیم مطلق رکھتا ہو اور وہ خود بھی اسکی فرماں روائی کے اندر آجائیگا۔ آخر انتہا تک تعلیل کا خیال اپنی اصل کے سراغوں کو اپنی ہی پاس رکھتا ہے اسلئے کہ سائنس کی عمارت کی تعمیر میں ابتدا میں ہر قدم پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ تمام مظاہرات کے اندر ایک بالاستقلال قیام ہے ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ آیندہ مثل گذشتہ ہوگا الا اس سبب سے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ کوئی چیز بالاستقلال قیام رکھتی ہے جسکے سبب سے جیسی گذشتہ تھی ویسی ہی آیندہ بھی ہوگی گرد کی چیزوں میں کسی چیز میں یہ بالاستقلال قیام ماننا اس آگاہی نفس سے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہمارے اندر بالاستقلال قیام رکھتی ہے۔ ہم اپنی انانیت کے بالاستقلال قیام رکھنے کا یقین کرتے ہیں اپنے باب میں خواہ کچھ جانیں یا نہ جانیں مگر ہمکو اپنی ذاتی خودی کا یعنی انانیت کا آیندہ اپنی ساری زندگی میں یقین کامل ہوتا ہے۔ خارجی چیزوں کی توجیہ انکی جماعت بندی سے جو ہماری اندرونی چیزیں کرتی ہیں شروع ہوتی ہے۔ پھر بھی ہم مظاہرات کے اندر خواہ کچھ ہی موجود ہو بالاستقلال قیام کو منسوب کرتے ہیں جب کہ ہم نے مدت سے خاص قوت ارادی کو سوا ان چیزوں کے جو مثل ہماری وجود رکھتی ہیں منسوب کرنا چھوڑ دیا ہے اس بالاستقلال قیام کے ماننے بغیر ہمارا کل سائنس خاک میں ملجاتا ہے۔

اب دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ ہم جو اپنی قوت ارادی سے اعضا کو حرکتیں دینی شروع کرتے ہیں اب تک جو کچھ ہمکو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ خارجی نیچر پر ہمکو کوئی اقتدار سوا اسکے نہیں ہے کہ بعض چیزوں کو ہم حرکت دیدیں۔ ہم اپنے اعضا کو حرکت دیتے ہیں اور ایسا کرنے سے اور چیزوں کو حرکت دیتے ہیں اور پھر اس طرح کرنے سے ہم قوانین نیچر سے بعید اثروں کو پیدا کرکے فائدے

پیش ہو گی تو ہم اُس کے امتحان کرنے سے انکار نہیں کر سکتے +

اگر ایک معجزہ کیا جائے تو سائنس اُس کو معجزہ نہیں کہہ سکتا اور نہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وہ معجزہ نہیں ہے۔ اس کے معجزہ ثابت کرنے کے لئے ایک سلسلۂ عظیم کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مطلق کل علم کی ضرورت ہے جس کا حاصل ہونا قوائے عقلیہ بشری سے باہر ہے کسی واقعہ کو یہ کہنا کہ وہ معجزہ ہے یہ کہنا ہے کہ کوئی اعلیٰ قانون نہیں ہے جو اس کی توجیہ کر سکے۔ اور یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ جب تک کہ ہم کو کل قوانین پر علم نہ ہو یہ کہنا کہ معجزہ نہیں ہے مفروض قیاسی سے خارج ہو کر جھوٹ بولنا ہے حقیقت میں یہ ظاہر کرنا کہ معجزہ کا وقوع صرف سائنس کی ابتدا کی طرف اُلٹا جانا ہے۔ یہ کہنا ہے کہ ایک واقعہ واقع ہوا جس کے لئے ہم وہ عمل مشتق نہیں مقرر کر سکتے جو کثرت سے واقعات کے لئے مقرر کیا کرتے ہیں۔ ہم اس کی توجیہ نہیں کر سکتے۔ الا یہ کہ کسی قوت ارادی سے جو مثل ہماری قوت ارادی کے ہو گی۔ وہ کسی بلا واسطہ خود آفریں عمل سے پیدا ہوا ہے۔ سائنس نے ثابت کیا ہے کہ واقعات زیادہ تر عمل مشتق کے سبب سے جو قوانین سے باقاعدہ ہوتا ہے واقع ہوتے ہیں۔

معجزہ ایک واقعہ ہے جس کی توجیہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو ہماری اپنی آزاد قوت ارادی کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ سائنس خاص طرح اس بات کے ثابت کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ اگر معجزات واقع ہوتے ہیں تو بہت ہی شاذ و نادر سائنس جس شہادت پر مبنی ہے اس کی سرشت سے بعید ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ معجزات کا وقوع ناممکن ہے سائنس اپنی سرشت کے موافق یہ بھی نہیں اقرار کر سکتا کہ کبھی معجزہ واقع ہوا ہے جہاں تک شہادت موجود ہو سکتی ہے وہاں تک سائنس تسلیم کرتا ہے کہ ایک واقعہ ایسا واقع ہوا جو اس کے احاطہ سے باہر ہے۔

اہل یقین کے لئے سائنس کی ترقی ذات باری کی صفت جو اس نے اپنے سارے کاموں پر منقش کی ہے دوامی تعلیم کرتی ہے۔

کہ یہ یک رنگی جدا جدا اور بے تعلق قوانین پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ قوانین باہم ایک نظام بناتے ہیں اور یہ نظام ہر روزہ زیادہ کامل ہوتا جاتا ہے۔ ہم نیچر کی یک رنگی کا یقین اسلئے کرتے ہیں کہ ہمارے مشاہدہ میں نیچر جہاں تک آیا ہے اس کی یہی سرشت معلوم ہوتی ہے اس سرشت کے لفظ سے بہتر کوئی لفظ اپنے یقین کی حد بندی اور طبیعت کے لئے نہیں استعمال کر سکتے۔

پس اگر اس یقین کی اصل یہی ہو جو اوپر ہم نے بیان کی تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اس یک رنگی کے ثابت کرنے کی شہادت خواہ کیسی وسیع ہو۔ مگر نتیجہ اس شہادت کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا اور یہ خاص عمومیت کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ نیچر کی یک رنگی کا یقین نہ ایسا ہے نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ جس قسم کا یقین پانچ چوک بیس کا ہے۔

ہم یہ بیان کر سکتے ہیں کہ نیچر کی عام سرشت یک رنگی ہے مگر اس حد سے ہم تجاوز نہیں کر سکتے ہیں کہ نیچر کی عام سرشت یک رنگی ہے۔

نیچر کا ہر ایک قانون جدا گانہ واقعیتوں کے استقراء سے قائم ہوا ہے۔ بس ایسی اس کی عام یک رنگی ہے۔ نیچر کا ہر ایک قانون ایک کارگر مفروض قیاسی ہے۔ بس ایسے ہی نیچر کی یک رنگی کا قانون کارگر مفروض قیاسی ہے اس سے زیادہ وہ کچھ اور نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ نیچر کی یک رنگی کے لئے شہادت مجموعۃً بہ نسبت نیچر کے ایک قانون کی شہادت کے بہت زیادہ ہے اس لئے کہ نیچر کا ایک قانون قائم ہوتا ہے اس تواتر کی یک رنگی سے جو ان مظہرات میں ہوتی ہے کہ اس سے لگاؤ رکھتی ہیں تواتر کی ہر یک یکرنگی خواہ کسی قسم کی ہو عام یک رنگی کی ایک شہادت ہے اور نیچر کی یک رنگی کی شہادت مجموعہ تمام جدا جدا یک رنگیوں کی شہادت کا ہے شہادت کی مقدار خواہ کیسی ہی زیادہ ہو مگر اس کی نوع ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے — اس یک رنگی کے ثبوت کے وسائل نہیں ہیں مگر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس کے ہونے کا ظن غالب ہے۔ تقریباً ہر ایک صورت میں ہم شہادت کو یک طرفہ کہہ سکتے ہیں لیکن جب کبھی جانب مخالف کی طرف سے شہادت

اس آواز کے سننے کے لئے ہم سے یہ سچ کہا گیا ہے کہ نگاہ کی ہدایت پر نہ چلو ایمان کی راہ پر چلو۔ یہ پیغام جو عالم روحانی سے ہمارے پاس آیا ہے اسکی نسبت کچھ بیان کرنے سے پہلے یہ ضرور ہے کہ اس اعتراض پر غور کریں جو ایسے اقوال کے سرے پر ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے کہ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کنہ اشیا کو خواہ وہ کچھہ ہی ہوں ہم جانیں۔ ہمارا سارا علم جو ہے وہ مقید علم ہوتا ہے مطلق علم نہیں ہوتا مطلق علم کا حاصل کرنا ہی ہماری رسائی سے باہر ہے۔ چیزیں جس طرح ہم پر ظاہر ہوتی ہیں ان کے ظہور کو ہم بیان کرتے ہیں کہ وہ کیا ہیں لیکن ہم یہ نہیں بیان کر سکتے کہ انکی حقیقت وکنہ کیا ہے۔ ہم مظہرات کو جو ہمارے حواس کے مشاہدہ میں آتے ہیں جانتے ہیں یا جان سکتے ہیں مگر ان مظہرات کے باطن میں نہیں جانتے کہ اوسکے اندر کیا چیز بیٹھی ہوئی ہے صرف ہم یہی نہیں جانتے کہ مظہرات کے باطن میں کیا چیز بیٹھی ہوئی ہے بلکہ اس سے ہی لاعلمی ہے کہ کوئی چیز اسکے اندر بیٹھی ہوئی ہے اسلئے یہ رائے ہوتی ہے کہ کل دنیا اور جو کچھہ اسکے اندر ہے اور اسکے اندر واقع ہوتا ہے وہ محض ایک نظام ظہورات ہے جسکی اصل کچھہ نہیں ہے۔ یہ مقولہ مقید علم کا صرف خارجی چیزوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ خود ہماری ذات و باطن سے بھی متعلق ہے ہم اپنے تئیں صرف اتنا ہی جانتے ہیں جیسا کہ ہمارے حواس باطنی ہم کو بتلا دیتے ہیں کہ ہم اپنے تئیں کس طرح ظاہر و باہر کرتے ہیں مگر وہ ہماری حقیقت وکنہ کو ذرا سی بھی نہیں بتلاتے۔

اب یہ جھگڑے کی ایک مثال اس میلان کی ہے جسکے ہاتھوں سے بچنے کے لئے ہم کو مخالفت کرنی چاہئے کل سائنس کی اور کل فلسفہ کی علت غائی یہ ہے کہ کوئی ایک وحدت یا کئی وحدتیں ایسے دریافت ہونی چاہئیں کہ اس دنیا کی جس میں ہم رہتے ہیں ساری پیچ در پیچ دقتوں کو ہموار برابر کر دیں۔ اب اس مقصد کے حاصل کرنے کا صرف یہ ایک جائز طریقہ ہے کہ واقعیتوں کو صبر و استقلال کے ساتھ مطالعہ کیا کریں مگر واقعیتیں اس کثرت و افراط سے ہیں کہ ایک زندگی و ایک نسل کیا بلکہ بہت زندگیاں اور نسلیں بھی انکو ایسا برابر و ہموار نہیں کر سکتیں کہ جس سے ہم کو اپنے مقصد تک رسائی کا احتمال بھی ہو۔ بس اس سبب اس ترغیب کا تار نہیں ٹوٹتا کہ اول جو مقصد اب تک مشاہدہ سے نہیں حاصل ہوا اسکو مفروضات قیاسی سے نکال لیں دوم واقعیتوں کو توڑ مروڑ کے ان مفروضات کے مناسب بنا لینا چاہئے۔ پس اگر ان مفروضات قیاسی کا بنا لینا مباح و جائز سمجھا جائے تو بھی واقعیتوں کا توڑنا مروڑنا صاف ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ پس اس کام کے انصرام کے لئے زمانہ آیندہ میں انتظار کرنا بہت ہی طول طویل ہے۔ بس اس کام کو کسی اور طرح سے پورا کرنا چاہئے۔ اگر ہمارے مقصد کے لئے

اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ خدا نے ترتیب انتظام کو اول مقام پر رکھا ہے مگر یہ صرف تعجب ہی تعجب ہے۔ کائنات کی بڑی کل میں یہ ہمیشہ ہم دریافت کرتے ہیں کہ جو چیز لابدی بنائی گئی ہی وہ باوجود اسکے سب سے زیادہ اعلیٰ نہیں ہی۔ ہم کو معلوم ہے کہ ابدی قانون اخلاق سب سے زیادہ اعلیٰ و مقدس ہی۔ مقصد الہٰی کے لئے انسانیت کے ظہور کے واسطے مذہبی شعور زیادہ لابدی ہی بہ نسبت اسکی کہ اخلاقی قانون پورا پورا مشاہدہ کیا جائے۔ سائنس ہم سے اب یہ کہتا ہی کہ خدا کے کام میں ترتیب و انتظام ایک درجہ رکھتا ہے۔ جو اُسے بہت زیادہ بلند ہے۔ جہاں اُسکو ہمیں رکھنا چاہئے تھا۔ وہ سب سے اعلیٰ نہیں ہے وہ اعلےٰ سے بہت دور ہے۔ مگر وہ تعجب کے طور پر ہم کو لابدی معلوم ہوتا ہے۔ خدا ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ ترتیب و انتظام بہت زیادہ عمومیت کلی رکھتا ہے اور جہاں تک ہم نے اسکی تہ پر پہنچنا مانا ہے اس سے وہ بہت دور ہے مگر پھر بھی انتظام و ترتیب خود خدا نہیں ہی۔ پر وہ خدا کا اعلیٰ الہام ہے۔ وہ صرف ایک نقش ہے جو خدا نے اپنے کاموں پر منقش کیا ہے۔ عقلوں کے لئے جو اس سے اعلیٰ ہے ہم اسکے کام میں لانے کی حد تو نہیں جانتے ایسی مثالیں ہیں جنہیں یہ ترتیب و انتظام شکستہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ باقی رہتا ہے کیونکہ ایک طبعی قانون اپنے سے اعلیٰ قانون میں جذب ہو جاتا ہے ایسی مثالیں ہیں کہ طبعی قانون پر اخلاقی قانون سبقت لیگیا ہے مگر ہم جانتے ہیں کہ خدا اپنی ساری مخلوق سے برتر و اعلیٰ ہے اور وہ سواء سائنس کی آواز کے اور آوازمیں بھی ہم سے باتیں کرتا ہے +

مذہب کی ایمان کی سرشت اور اصل

کتاب پیدائش کا باب اوّل آیت ۲۷ ۔ اور خدا نے اپنی صورت پر انسان کو پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اسکو پیدا کیا۔ مظاہرات میں ترتیب و انتظام کا ہونا خدا کا اعلیٰ درجہ کا الہام نہیں ہے۔ سائنس کی آواز صرف فرماں روا آواز ہے جو ہم سے خدا کی باتیں کہتی ہے۔ خدا کی ذات اور صفات کا یقین مظاہرات کے مشاہدہ سے نہیں پیدا ہوا بلکہ روحانی قوت کے بتلانے سے پیدا ہوا ہے ہمارے اندر ایک آواز ہے جو ہم کو وہ اعلیٰ قانون بتلاتی ہے جو کل مکان و کل زمان میں متغیر نہیں ہوا اور وہ ایسی حکومت سے بولتی ہے جو خود اسکی اپنی ہی ہے جسکی تقویت سائنس کے الہامات سے ہوتی ہے مگر ان الہامات کی اوّلی یا آخری حکم پر اعتبار نہیں کرتی۔ وہ کوئی حواس ظاہری و باطنی کے مشاہدات کا نتیجہ نہیں ہی بلکہ وہ ایک بلا واسطہ مراسلت روحانی قلمرو سے ہی جسکو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ وہ خود اشیا ہیں۔ وہ حکم دیتی ہی کہ ایمان کو اپنا فرض جانو اور ایک ضروری نتیجہ کے سبب سے نہ یقین کرنیکے امکان کے لئے ہمیشہ جگہ چھوڑتی ہی

اسی لمحہ سے دور ہو جاوے گی کہ جسمیں ہم نے بُرا کام کیا تھا۔ سزا کا ملنا انصاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عدالت نہیں ہو کہ کوئی وجود کسی ایسے وجود کی خطاؤں کے سبب سے سزا پائے جو اس سے غیر و مختلف ہے بس قانون اخلاق کا مقتضا یہ ہے کہ وہ آدمی پر جب اپنا عمل کرے کہ اُسکی بنا ہر ایک آدمی کی ذاتی خودی پر قائم ہو۔

اس انانیت کے یقین کا معاملہ کہ وہ کیونکر انسان میں خود بخود پیدا ہوتا ہے ابتک کسی حکیم سی حل نہیں ہوا گو اسکے حل کرنے میں اُنہوں نے بہت طبع آزمائی کی۔

اب اگر ہم ذرا آگے ایک قدم رکھیں اور یہ پوچھیں کہ مظہرات عالم میں یہ انانیت اپنا رنگ کس صورت میں دکھاتی ہے تو اسکا جواب صاف ہے کہ ہم اسکو تمام قواء عملی میں دکھلانے کے پابند ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہماری سمجھ۔ ہماری شوق و محبتیں۔ ہماری حواس۔ یہ سب ہمارے اجزا ہیں اور وہ سب ایک قوت میں جمع ہوتے ہیں جسکو ہم اپنی قوت ارادی کہتے ہیں۔ کولرج صاحب کہتا ہے کہ اگر انسان میں کوئی چیز روحانی ہے تو وہ یہ قوت ارادی ہے۔ اگر قوت ارادی ہے تو آدمی میں ضرور روحانیت ہے یہ قوت ارادی ہی آدمی ہے۔ یہ قوت ارادی ہی آدمی کو جواب دہ وجود بناتی ہے۔ ہماری قوت ارادی کا فعل یا ہماری قوت ارادی کا کسی فعل کو قبول کرنا ہماری باز پرس کراتا ہے۔ ہم اپنے گرد کی موجودات میں اپنا اظہار اس قوت ارادی ہی سے کرتے ہیں جیسے کہ مظہرات کے تعلقات میں قوت ارادی ہی آدمی ہے۔ ایسی ہی دوسری طرف قوت ارادی اس دُنیا کے زوروں میں صرف وہی ایک زور ہے جو اصول و قوانین کا علم حاصل کرتا ہے اور کسی ایسے مقصد کی پیروی میں عمل کرنے کی قابلیت رکھتا ہے جو مظہرات میں بالکل موجود نہیں ہوتا۔ قوت ارادی کل قوت روحانی نہیں ہے اس قوت ارادی کے علاوہ روحانی سچائی پر علم حاصل کرنے کی قوت ہی ہے۔ اس قوت کو اکثر ہم کونشنس کہتے ہیں مگر کونشنس کوئی زور نہیں ہے اسمیں کام کرنے کی قوت نہیں ہے الا قوت ارادی کے توسل سے وہ کام کرتا ہے وہ عالم روحانی کی آواز کو سُنتا ہے اور منتقل کرتا ہے اور قوت ارادی کے ذمہ جواب دہی وہیں تک ہوتی ہے کہ جہاں تک کہ کونشنس اسمیں اپنی روشنی پہنچاتا ہے درحقیقت قوت ارادی ہی کے سبب سے آدمی مظہرات عالم میں اپنی جگہہ پر قائم ہوتا ہے۔

بس آدمی اس قانون کی قدرشناسی کرتا ہے جو اسکی ذات کے تمام مظہرات میں اعلیٰ بزرگ تر ہے اور وہ جو اندر اپنی انانیت کا یقین ان تغیرات کے اندر رکھتا ہے جنکا وہ مقابلہ اور عمل کرتا ہے وہ اندر سے اس حکم کا الہام کرتا ہے کہ اخلاق کے مطلب کے لئے زندگی بسر کرے اور آخر کو اخلاق کو

واقعیتیں مناسب نہ ہوں تو انکی جگہہ اور واقعیتیں جو مناسب ہوں رکھنی چاہئیں پس اسکے موافق مقید علم کے ہر مقولہ کو کامل کر لینا چاہئے جسکے سبب سے تمام مستثنیات سے نجات ہو مگر ایک مستثنیٰ صورت ایسی باقی رہیگی جس سے ہم کو کبھی نجات نہیں ہوگی۔ وہ صورت ہم کو اپنی خودی (انانیت) کا یقین ہے وہ کل تغیرات میں جسکے اندر ہم کو گذرنا پڑتا ہے قائم رہتا ہے۔ ہم میں سے ہر آدمی کی حالت میں متواتر تغیرات ہوتے رہتے ہیں اسکا جسم بدل جاتا ہے اسکے کل اجزا بدل جاتے ہیں۔ اسکے بعض اعضا یا کل اعضا اسکے اختیار میں نہیں رہتے۔ ہر آدمی میں جیسی کہ باطنی تغیرات ہوتے ہیں ایسے ہی بیرونی تغیرات ہوتے ہیں۔ اسکی محبتیں اسکی شفقتیں اسکے جذبات۔ اسکے ارادے۔ اسکے مقاصد۔ اسکی رائیں۔ غرض ہر ایک چیز جس سے وہ اپنی وصف کو جانتا ہے بدل جاتی ہیں مگر ان کل تغیرات میں اس کو یہ علم رہتا ہے کہ میں وہی ایک ہوں اور میری خودی وہی ہے وہ یہ جانتا ہے اور یہ اسکا جاننا حواس ظاہری و باطنی کے مشاہدہ پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ علم بلا واسطہ اور خود بخود ہے اور تمام علم کو ہم مقید علم خیال کر سکتے ہیں یعنی علم اشیا جیسی کہ وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ خود بذاتہ اشیا کا علم مگر یہ انانیت (خودی) کا علم ایسا نہیں ہے بلکہ وہ خود بذاتہ ایک شی کا علم ہے اسلئے انسان کی سرشت سکے تمام مظہرات میں کل تغیرات کے اندر وہ مطلق بے تغیر رہتا ہے۔ مگر ہم مظہرات میں یہی کہتے ہیں کہ وہ ایک سی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ رنگ ایسا ہے جیسا کہ وہ رنگ یہ راگ ایسا ہی جیسا کہ وہ راگ۔ یہ ادراک ایسا ہی جیسا کہ وہ ادراک۔ یہاں ان چیزوں کے ایک کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم دو رنگوں دو راگوں میں دو ادراکوں میں تمیز نہیں کر سکتے اسمیں شبہ نہیں کہ یہ مقید علم ہے۔ خود ان اشیا کی ذات کا علم نہیں۔ مگر جب ہم اپنی ذات کی خودی (انانیت) کو بیان کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ ہم میں تمیز کرنی کی قابلیت نہیں ہے۔ جب آدمی آج اپنی کل کی زندگی کا خیال کرتا ہی تو وہ اپنے وجود کو سب وقت میں ایک ہی خیال کرتا ہے تو اس سے مراد اسکی یہ نہیں ہوتی کہ وہ اس وجود میں جو کل حافظہ کے مطابق تھا اور اس وجود میں جو آج بموجب اسکے موجودہ آگاہی نفس کے ہے تمیز نہیں کر سکتا۔ اسکی مراد یہ ہوتی ہے کہ میں وہی ایک ہوں اور قطعی میرا وجود وہی ہے۔

پس یہ یقین بالذات خودی کا کہ میں ساری زندگی میں وہی ایک ہی وجود ہوں۔ قانون اخلاق کے الہام سے موافق ہوتا ہے جسپر بحث کرنا ہمارا مقصود ہے۔ اس انانیت (ذاتی خودی) کے سبب سے میں اپنے افعال کا جواب دہ ہوں۔ میری ذات فقط خیال کرنیوالی ایک چیز نہیں ہے بلکہ وہ اپنی زندگی کے اخلاقی عمل کرنے والی بھی ہے۔ اگر میں ایسا ہی بدل جاؤں جیسے کہ میری زندگی کے مظہرات بدلتے ہیں تو میری کسی بری کام کی جوابدہی میرے ذمہ سے

اب اور ذی اخلاق یا غیر ذی اخلاق مخلوقات کے ساتھ جو رنج و راحت کو محسوس کرلیتی ہے۔ نیکی اور نرم دلی کے ساتھ سلوک کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ کسی کو تکلیف دیں یا کسی کی خوشی کو رد کریں ورنہ اگر حالتیں معکوس ہو جائیں تو ہم کو اپنی کوشش میں پابند ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی دفعہ میں ایسی تکلیف یا رد کے متحمل ہوں۔ اس حکم کو یہاں بڑی برتری حاصل ہے کہ تم اوروں کے ساتھ وہ کرو جو اپنے ساتھ کیا جانے کو پسند کرتے ہو۔ یہ حکم اسی قسم کے فرائض سے متعلق ہے اور وہ ذی عقل یا غیر ذی عقل مخلوق کو ہم تکلیف رسانی کریں اس کو محدود کرتا ہے اور اُس کی حدود اسی قاعدہ سے مقرر ہوتی ہیں۔ اب سب سے ادنی چیزوں کے ساتھ جو کسی طرح کی ادراک کرنے کی قابلیت نہیں رکھتیں سلوک کرنے کا یہ فرض ہے کہ ہم اُنکے علم و استعمال کو اس طرح کام میں لائیں کہ وہ ہماری اخلاقی زندگی کے آلات بنیں۔ ہمارے فرض کے معین کرنے میں تعظیم کی پرجوش رائے بڑی رہنمائی اور کلی تعمیم کی معیار ہمیشہ اس پرجوش رائے کے احکام کی تصحیح کرتی ہے اور خود اس پرجوش رائے کو بھی صاف اور پاکیزہ بنا دیتی ہے۔

جیسے کہ ہر قسم کے علم اور اعتقاد کی خاص درجہ کی حالت ہوتی ہے۔ ایسے قانون اخلاق کی خاص درجہ کی کیفیت ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جگہہ رکھتا ہے جو نہایت تنگ خیال اور بالکل ناتربیت یافتہ ہوتے ہیں آدمی خواہ کیسا ہی کندہ ناتراشیدہ ہو وہ بھی بہادری کے۔ نفس کشی کے۔ فیاضی کے۔ سچ کے۔ تعظیم کے۔ جو حقوق ہم پر ہیں ان سے بالکل بے خبر نہیں ہوتا۔ اور جھوٹ۔ پاجی پنے ظلم۔ بدکاری پر ملامت کرنے کے لئے ہم کو نہ پکارتا ہو۔ نہایت کندہ ناتراشیدہ آدمی بھی سمجھتا ہے کہ تعظیم و ملامت کی پرجوش رائیں اور رایوں سے جو روح کو اپنی جگہہ سے ہلاتی ہیں مختلف ہوتی ہیں۔ اور وہ ناپسندی کی صورت میں بہ نسبت پسند کی صورت کے زیادہ ظاہر ہوتی ہیں کوشش جو ایسی پرجوش رایوں کی نشستگاہ ہے خواہ کیسا ہی الٹ پلٹ ہو جاوے مگر اسکو پشیمانی کی تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ پشیمانی قانون اخلاق کے توڑنے پر اپنے تئیں ملامت کرنی ہوتی ہے ہمیشہ اس پشیمانی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اور تکالیف سے جدا قسم کی ہیں ہر ذی روح کسی نہ کسی صورت اور کسی نہ کسی پیمانہ کے موافق ادراک کرتا ہے۔ یہ پرجوش رائے نہایت کندہ ناتراشیدہ آدمی کے اندر بھی جگہہ رکھتی ہے اور ایسی ہی تعمیم کلی بھی اسکے اندر ہوتی ہے جس سے ہم ہمیشہ جبلتہً خود بخود بے اختیار اپنی پرجوش رای کی تصحیح اور محافظت کیا کرتے ہیں اگر کوئی اس سے لڑنے کو کھڑا ہوتا ہے جب ہم کو یہ دقت پیش آتی ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہئیے اور جو کام بالفعل ہو چکا ہے اسکی نسبت کیا تصفیہ

طبیعات پر عظمت و فوقیت دے یہ آواز اس حکم کو دو طرح سے دیتی ہے اول وہ فرض کا حکم دیتی ہے دوم ہمارے ایمان کا حکم دیتی ہے۔ نہ کسی شہادت کی طرف رجوع کرتی ہے بلکہ یہ کہتی ہے کہ میں حکم دینے کا حق رکھتی ہوں اور میری جبلت میں وہ عظمت و شان ہے کہ مجھے اپنی اطاعت چاہنے کا بھی حق حاصل ہے۔

ہم اول حکم کو فرض کہتے ہیں وہ ہمارے اندر ایک خاص پر جوش رائے تعظیم کی پیدا کرتا ہے جو سوا اس حکم کے ہماری روح میں کبھی ادراک نہیں ہوتی۔ وہ اس چیز کی پیروی کا حکم دیتی ہے۔ خواہ وہ کچھ بھی ہو جسکی تعظیم کی نسبت ہماری پر جوش رائے ہوتی ہے — بس یہی مطلق معیار ہے جسکو ہم اپنا ہمیشہ اعلیٰ مقصد جانیں اور اسکے ساتھ دوسرا معیار کلی عمومیت کا ہے۔ قانون اخلاق میں مستثنیات کو دخل نہیں جو عمل اس قانون سے مشتق ہو وہ اپنی نیکی کو مستحکم رکھتا ہے۔ زماں یا مکاں یا حالات اسکے اندر خلل نہیں ڈال سکتے وہ جیسا یہاں اب ہے ویسا ہی سیارات اور ستاروں میں ہوگا خواہ کتنے ہی دور دراز فاصلہ پر۔

ہم فرض کو چار عنوانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اول اپنی ذات خاص کے ساتھ معاملات میں۔ دوم اخلاقی اور روحانی موجودات کے ساتھ معاملات میں سوم اور مخلوقات کے ساتھ جو رنج و راحت کا ادراک کرتے ہیں چہارم اور چیزوں کے ساتھ معاملات میں جو نہ رنج نہ راحت کا ادراک کرتی ہیں اگر اپنی ذات خاص کے ساتھ معاملات پر خیال کریں تو ہم کو معصومی یعنی بیگناہی کی پیروی کرنی چاہیئے یعنی اس چیز کو جو تعظیم کی مستحق نہیں ہے بالکل اس چیز کا تابع و مطیع بنانا چاہیئے جو تعظیم کی مستحق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو چیز تعظیم کی مستحق ہے وہ تقریباً اپنی سرشت میں قانون اخلاق کے قریب پہنچتی ہے۔ خواہشات نفسانی شوق و محنتیں و جذبات میں ہر ایک اپنے جدا جدا مطالب رکھتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے فائدہ مند ہوں مگر وہ تعظیم کے مستحق نہیں اسلیئے کہ انکے مطالب قانون اخلاق نہیں بس اس لئے وہ قوت ارادی اور کونشنس کے جنکے مطالب خود قانون اخلاق ہی مطلق مطیع کئے جائیں معصومی شتل کل وجود کی اطاعت پر منحصر ہے میں نہیں ہوتی بلکہ فیلنگ اور خواہش و کونشنس کی حکومت کے اطاعت پر ہی۔

اب اگر اور ذی اخلاقوں کے ساتھ اپنے فرض کا خیال کریں تو وہ بالکل ٹھیک یہ ہے کہ ایسی عدالت کام میں لا جس میں ذرا بھی نقص نہ ہو۔ عدالت کی اعلیٰ اور پاکیزہ صورت محبت ہے۔ ہماری بزرگی الٰہی کے شرکا جو ہے حقوق کا پورا پورا دعا و ہم پر کر سکتے ہیں انکے بجھنے میں ہم کو چاہیئے کہ ذرا قصور نہ کریں۔ خدا کی محبت سب سے زیادہ کریں اور باقی اور روحانی موجودات سے ایسی ہی محبت کریں جیسی کہ ہم اپنے ساتھ محبت کرتے ہیں بس روحانی موجودات کے لئے ہمارا یہ فرض ہے۔

صرف اسی کے ساتھ ہم ساز ہو جائینگے۔ اگر قانون اخلاق ہم سے کہے کہ کل قوانین طبیعات کا پاس لحاظ نہ کرو اور خود ان قوانین طبیعات کا ماتحت ہو تو وہ سچا نہیں اگر وہ خود اعلیٰ حاکم ہو تو۔۔ ۔۔۔۔۔۔ یہ اسکا حق ہے کہ وہ ہم سے یہ چاہے کہ سوا اسکے کسی اور چیز کا پاس و لحاظ نہ کرو اگر وہ ایسا نہ ہو تو اسکا دعوی ناحق ہے۔ یہاں ہم اپنے گرد کی چیزوں میں دیکھتے ہیں کہ کوئی مبرہن ثبوت اسکے اعلیٰ حکومت کا نہیں ہے الا یہ کہ سب باتوں کو جمع کرکے یہ کہیں کہ ایک قوت ہے جو سچائی کے لئے بنائی جاتی ہے اگر ہم قانون اخلاق کے نور سے منور ہوں تو ہم ساری چیزوں میں اسکے کام کرنے کے سُراغ نمایاں دیکھینگے۔ تمام مخلوقات میں حسانت۔ ترتیب انتظام۔ عام میلان قانون اخلاق کے موافق ہوتے ہیں جو سب پر مافوق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم کل کا ایک نہایت چھوٹا سا جزو دیکھتے ہیں اور اس جزئی دیکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری گرد کی چیزوں میں بہت کچھ تو اخلاق کی اعلیٰ حکومت کا اظہار ہو رہا ہے اور نیز بہت کچھ انکار بھی ہے یہ عالم جب ہم کو نظر آتا ہے وہ معصوم۔ عادل۔ نیک سچا نہیں ہے۔ مخلوقات کے موسیقی میں بہت سے راگ بے سرے انمیل ہیں اور اب تک وہ سلجھے نہیں۔ اگر صرف مظاہرات کو ہم دیکھتے ہیں تو بڑے معمے کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ لیکن ان تمام نقصوں اور تناقضوں کے برخلاف ایک ہماری اندر آواز ہے کہ بغیر اسکے وہ اس پیچیدگی کا کوئی حل بے خوف و خطر ہم کو بتلائے وہ اپنا حکم ناطق حاکمانہ یہ دیتی ہے کہ ہمکو چاہئے کہ ہم اسکا یقین کریں کہ عصیان پر عصمت۔ ظلم پر عدالت۔ شر پر خیر۔ جھوٹ پر سچ برتری و عظمت رکھتے ہیں۔ پس اس حکم کی اطاعت کرنی اور اس سچ کا یقین کرنا ایمان ہے۔

یہ ایمان ہے جو ہمیشہ اہل یقین کے دل کے روبرو اس عالم کا نظارہ پیش کرتا ہے جسمیں اس دنیا کی ساری ناہمواریوں کی اصلاح ہوگی۔ اسمیں سچ۔ عدل۔ محبت ہی۔ فرماں روائی کرتے ہوئے دکھائی دینگے۔ اسمیں شہوات نفسانی کا نام نہ ہوگا اس میں گناہ ہی نہ ہوگا۔ پاکیزہ عمدہ ارواح اپنی اعلیٰ مقام پائینگی۔ توبہ استغفار پر معصومی سبقت لیجائیگی اور دل تمام خیانتوں و شرارتوں سے پاک صاف ہو جائیگا یہ ایمان ہے جسکا یقین واثق ہے کہ ایک دن ساری چیزوں کا انصاف ہوگا۔ یہ دن کسی حادثہ ناگہانی سے یا کسی تحقیقی ظہور سے آئیگا اور نظام طبیعات اپنے تئیں اخلاق کے حوالہ کریگا۔ یہ ایمان ہے جو بقاء دوام کی امید کی تقویت دائمی کرتا ہے گو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خاص روح کی بقاء دوام قانون اخلاق کے اعلیٰ حکومت کے یقین پر مشتمل ہے لیکن پھر بھی ایک بات ہے جو روح میں ثبات بغیر کبھی نہیں ہوتی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قانون اخلاق کی اعلیٰ حکومت کا ایک ضروری حصہ ہے

کرنا چاہئے۔ تو خود بخود جبلتہً یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس فعل کو اسکے ہمراہی حالتوں کی قید سے رہا کرکے دیکھیں کہ ہماری پسندی و ناپسندی کی پرجوش رائے اور گرد کی چیزوں میں اچھی جگہہ رکھتی ہے۔ ہم ایک اصول کے پانے کے درپے ہوتے ہیں اور یہ تحقیق کرتے ہیں کہ یہ اصول تعمیم کلی رکھتا ہے جو یقینی قانون اخلاق کی سرشت ہے۔

اب تک تو قانون اخلاق کا بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ فرض ہو اب آئندہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایمان ہے۔ اسلئے کہ آواز اندرونی فقط چال چلن کے طریقہ اور اپنی اطاعت کی حکم پر قانع نہیں ہوتی یہ اسکا اول ارشاد ہے پس جو شخص اسکو سنتا ہے اور اسکی اطاعت کرتا ہے۔ وہ کل مذہب کا بیج اپنے اندر بوتا ہے اسکا یہ اول کہنا آخر کہنا نہیں ہے اسلئے کہ یہی آواز آگے چل کر یہ چاہتی ہے کہ ہم یقین کریں کہ یہ قانون اخلاق جیسی ہم سے اطاعت چاہتا ہے ویسی ہی اوروں سے جو موجود ہیں۔ عالم موجودات سے وہ مطلق اعلیٰ اور برتر ہے سوا اسکے وہ کچھ اور نہیں ہے۔ قانون اخلاق کی اعلیٰ حکومت ہو اسکو مستحق اسبات کا بناتی ہے کہ ہم اسکی اطاعت کریں ورنہ کوئی اور اس کو استحقاق نہیں حاصل ہے اگر وہ اس پر موقوف ہوتا کہ ہم سے مخاطب ہوکر جزاؤں کے وعدے کرتا اور سزاؤں کی دھمکیاں دیتا تو ہم اسکو یہ خیال کرتے کہ وہ قانون ہے مگر صرف ہمارے لئے نہ اوروں کے لئے۔ اس صورت میں وہ فقط قانون طبیعات ہوتا۔ تمہارے لئے چیزوں کی ترتیب ایسی ہے اور جہاں تک تم جانتے ہو وہ یہ ہے کہ ترتیب تمہارے ہی لئے ہے کہ اگر تم اطاعت نہ کروگے تو خوفناک رنج پہنچے گا اور اگر اطاعت کروگے تو حیرت انگیز مسرت پاؤگے ایسا قانون جیسا اوپر بیان ہوا وہی قہرمان جاری کر سکتا ہے جو ہم پر اور ہماری ساری چیزوں پر مطلق قوت رکھتا ہے اور وہ برا یا اچھا جیسا ہو ہوسکتا ہے مگر اس قانون میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ ہم سے اپنی تعظیم کرانے کا دعویٰ کرے (تعظیم سے مراد اس ادب سے ہے جو محبت اور خوف کے سبب سے ہو) اپنی حکومت بتانے میں ہماری تعظیم و ہماری اطاعت کا دعویٰ کرنا۔ . . . . . کسی اور چیز پر مشتمل نہیں ہے۔ سوا اسکے کہ اس میں درحقیقت جاہ و جلال ہے قانون اخلاق ہم سے چاہتا ہے کہ ہم اوسکی اعلیٰ حکومت کا یقین کریں اسکا یہ دعویٰ حق ہے کہ وہ کل قوانین میں آخر اور اعلےٰ ہے جہاں تک ہم نچ کر سکتے ہیں دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو ہمارے سامنے ہے یک رنگیاں فرماں روائی کر رہی ہیں لیکن ان ساری یک رنگیوں کے اوپر اور نیچے ایک اعلیٰ یکرنگی ہے جو نیک و بد کا ابدی قانون ہے اور آخرکار سب قانون خواہ کسی قسم کے ہوں

ذات کے ساتھ اقرب ہیں جو ہم بیان کر سکتے ہیں اور ہم اپنی زندگی کے اخلاقی مقاصد کے لئے اُن سے استدلال اس طرح کرتے ہیں کہ گویا وہ بیانات بالکل حق ہی تھے۔ اگر خدا کی شخصیت سے انکار کرنا اور اسکو اندھے اور مردہ قاعدہ کے ساتھ متحد کرنا ہو تو ہم ایسے انکار پر بالکل لعنت بھیجتے ہیں لیکن اگر اسکی شخصیت سے انکار کرنے سے یہ امر اظہار کرنا ہو کہ وہ ہمارے فہم و قیاس سے باہر ہے تو ہم اپنی ضعف اور نا قابلیت کے اقرار کرنے کے لئے تیار ہیں ہم اس سچ کے چھوڑنے کی دلیری نہیں کر سکتے کہ معصومی۔ عدل۔ نیکی۔ سچائی۔ جو ابدی قانون اخلاق ہم پر اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسکے اعلیٰ احکام ہیں۔ وہ حقیقت میں اصل جوہر ہمارے دلوں میں اور خدا میں ہیں اس قانون کی اصل و سرشت کو جتنا ہم غور سے دیکھتے ہیں تو ہم کو بہت صفائی سے یہ نظر آتا ہے کہ قانون اخلاق خدا کا حکم نہیں ہے بلکہ اسکی ذات ہے۔ وہ اس قانون کو بناتا نہیں وہ خود ہی قانون ہے خدا قادر مطلق اور قانون اخلاق مختلف صور ایک ہی چیز کی ہیں۔ بس اس بات کو مضبوطی سے پکڑنا پورا ایمان ہے اپنے فرض کے موافق زندگی بسر کرنی مذہب کی ابتدا ہے۔ یہ یقین کرنا کہ فرض کا قاعدہ تمام عالم پر برتر ہے و اعلیٰ حکومت رکھتا ہی ایمان کی اول منزل ہے۔ خدا کا یقین کرنا اسکی آخر اور سب سے زیادہ اعلیٰ منزل ہے جو کچھ اوپر بیان ہوا کہ اخلاق کی انتہائی بنا روح کی آواز اندرونی میں ہے نہ اُن مظہرات میں جو حواس سے دیکھے جاتے ہیں۔ سائنس اپنی جستجو و تگاپو سے خدا کو نہیں دریافت کر سکتا۔ کل مظہرات کائنات کو ترتیب دینا۔ اگر بالفرض وہ کامل ہی ہو جاوے تو بھی وہ اعلیٰ سے اعلیٰ سچ کو نہیں بتلا سکتا جسکو ہم روحانی چیزوں میں حاصل کرتے ہیں۔ مذاہب کی سب صورتوں کا جو اُنہوں نے اختیار کی ہیں سائنس امتحان کر سکتا ہے اور انسان کے ایمانوں کا بیان کر سکتا ہے۔ وہ مذہب کی یا مذاہب کی تواریخ بیان کر سکتا ہے مگر اسکے اندر کچھ چیز ہے جسکو وہ نہیں بیان کر سکتا اور وہ ہمیشہ ان کوششوں سے دور رہتی ہے جو اسکو قوانین طبیعات ماتحت بناتی ہیں ہم کو جو یقین اپنی انانیت کا ہے اس کی توجیہ کرنے میں۔ سائنس کی ساری کوششیں ناکامیاب ہیں اور ہمیشہ ناکامیاب رہینگی وہ کبھی انسان کے آگاہی نفس کا اطمینان نہیں کر سکتیں کل مذاہب کا جو روحانی عنصر ہے وہ بالکل مظہرات سے نہیں معلوم ہوگا۔ قانون اخلاق اور قانون طبیعات میں جو اصلی فرق و تمیز ہے اسکو کوئی تحلیل مٹا نہیں سکتی۔ اور نہ وہ کبھی ہم کو اس قابل بنائیگی کہ ہم فہم قانون اخلاقی کے درجہ کو جو افزائش دوام رکھتا ہے چھوڑ دیں اور ہم اپنے کان اس آواز کے سُننے کے لئے

کہ جو شخص اس کو جانے وہ اسکے قیام و دوام کی سرشت میں شریک ہو۔ یہ بھی ہم کہہ نہیں سکتے کہ
تمام ناانصافیوں کی اصلاح آخری کا یہ ایک ضروری حصہ ہے کہ اس کی امید ایک خاص
صورت میں ایسی سچی ثابت ہو جیسی کہ وہ کلی عالم صورت میں ثابت ہے۔ اسواسطے کہ ہم میں یہہ
قابلیت نہیں ہے کہ کسی شخص کے بُرے بھلے کاموں کی جانچ صحیح صحیح کریں اور یہ بھی یقینی
تحقیق نہیں کر سکتے کہ اس زندگی میں انصاف کی ترازو میں وہ ٹھیک نہیں تولے گئے لیکن باوجود
اسکو یہ امید ہے کہ ایسا ضرور ہو گا سمجھنے کے قابل نہیں ہے اور قانون اخلاق کے ابدی ہونے کا ایمان
غیر فانی ہونے کی امید کے ساتھ ایسا وابستہ ہے کہ الگ ہو نہیں سکتا کیونکہ آدمی کی سرشت میں
اخلاق اور جوابدہی داخل ہے۔ قانون اخلاق کی علی الاطلاق اعلیٰ حکومت میں ایمان مقدم
ہے مگر وہ ایمان کے آگے آخر قدم نہیں ہے ہم پر آواز اندرونی حاکمانہ یہ تقاضا کرتی رہتی ہے
کہ اپنے ایمان کو آگے چلاؤ اور یقین کرو کہ اس سے اعلیٰ کوئی چیز ہے قانون اخلاق کی اعلیٰ خدمت
اخلاقی ہو گی وہ بھی طبیعات کی اعلیٰ حکومت نہیں ہو گی۔ قانون اخلاق جو اپنی اعلیٰ حکومت کا
دعویٰ کرتا ہے وہ بالکل یہ نہیں ظاہر کرتا کہ کسی خوش اتفاقی سے آخر کو ساری چیزیں اعلیٰ اخلاق
کے موافق ہو جائینگی۔ اخلاق کی بزرگی طبیعات پر اس پر مشتمل ہے کہ اسکی سرشت میں کوئی ارادہ ہی
جو اعلیٰ و بزرگ ہے۔ یہ کوئی عدل کی بزرگی نہیں ہے کہ وہ کسی کل کے قائم کرنے کا کورانہ نتیجہ ہو گو یہ
سارے عالم ہی کی کل ہو۔ اخلاق کی بزرگی کا خیال اس پر مشتمل ہے کہ کوئی اس میں ارادی بزرگی
ہے اس دنیا کی گورنمنٹ جو قانون اخلاق خود رکھتی ہے وہ بہت صفائی سے ایک شخصیت کو صاف
بتاتی ہے جسمیں ارادہ اور مقصد ہے پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون ابدی خود ہی
خدا قادر مطلق ہے اس نامعلوم مطلق وجود کی شخصیت کے معنے نہیں بیان کر سکتے اس لئے کہ ہماری
شخصیت ضرور حدود کے اندر گھری ہوئی ہوتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کے خیال کو ان
حدود سے جدا کریں پس یہ سچ ہے کہ ہم خدا کی نسبت کیسے اعلیٰ سے اعلیٰ خیال کریں وہ اسکی
ذات کے مقابل نہایت ادنیٰ ہونگے۔ جب ہم خدا کو کہتے ہیں کہ وہ غیر متناہی ہے تو اس کے
معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہماری طرح سے خدا زمان و مکان میں محدود نہیں ہے۔ جب ہم اسکو کہتے
ہیں کہ وہ مطلق ہے تو اسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ ہماری طرح مقید نہیں ہے بس اسی طرح جب
ہم اسکو کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص ہے تو اسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اسکی شخصیت ہمارے خیالات سے
نہایت ہی افضل و برتر ہے مگر پھر بھی یہ سچ باقی رہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی یہ بیانات اسکی

تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونو کا اظہار خارق عادت [illegible]
سے یہ دونوانسان کی قوت ارادی سے شروع ہوئے جو قائم بالذات بالاستقلال ہے
اور وہ اپنا زور آپ کام میں لاتی ہے۔ مگر اس مقام پر آنکر جدا جدا ہو جاتی ہے کہ سائنس کی
بنا مظہرات پر جو حواس کے مشاہدہ میں آتے ہیں قائم ہوتی ہے اور مذہب کی بنا اس آواز پر قائم
ہوتی ہے جو دوسری دنیا سے آتی ہے۔ سائنس کا اصول موضوعہ یک رنگی ہے جن چیزوں
میں یک رنگی نہیں انکو وہ اپنے سے خارج رکھتا ہے اور اپنے اصول موضوعہ کی حد میں یقین کرانے پر
مجبور کرتا ہے۔ مذہب ایک آزاد کوشش کی اطاعت کا طالب ہے وہ جبر کو تو کام
میں نہیں لاتا۔ مگر اپنی ذاتی شان وشوکت وجاہ و جلال وہ دکھاتا ہے کہ وہ جبر سے زیادہ کام کرتا ہے
سائنس تنبیہات کرتا ہے اگر تم سائنس کے موافق دلائل کے سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہوگے
تو اُن تنبیہات کے نہ یقین کرنے کی تم میں قابلیت نہیں ہوگی بعض چیزیں تمہارے لئے زہر ہیں
بعض غفلتوں سے تمہاری صحت جاتی رہتی ہے۔ اگر تم سائنس کے موافق اپنے مکان کی چھت
کی احتیاط نہ کروگے تو اُسکو اپنے سر کے اوپر گراؤگے اگر جلتے ہوئے مکان میں چلے جاؤگے تو جان
جوکھوں میں پڑوگے۔ انہیں سے بعض چیزوں کو تو معمولی تجربوں سے تم جانتے ہو بعض کو ان
پیچیدہ تجربوں سے جانتے ہو جنکو سائنس کہتے ہیں اگر تم ضروری استدلال کے قابل ہو تو تم اس
میں شبہ نہیں کرسکتے خواہ تم کیسا ہی شبہ کرنے کا قصد کرو۔ اگر تم ان تنبیہات سے لڑائی
لڑو اور اُسکے جو لابدی نتیجے ہوں اُنکو حاصل کرو تو تمہارے اس میں بڑی شان وعظمت ہے
مذہب بھی تنبیہات کرتا ہے اور تم کو یقین دلاتا ہے کہ اگر ابدی قانون اخلاق اعلیٰ اور برتر
ہے تو جلد تر یا دیر کر جو اسکی نافرمانی کرتے ہیں وہ اپنی نافرمانی کی سزا انصاف کے موافق
ٹھیک ٹھیک پائینگے۔ تجربہ میں جو اسکے خلاف ظاہر ہوتا ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔
مذہب ہم کو زیادہ یقین کرنے پر مجبور نہیں کرتا وہ بھی اتنا ہی مجبور کرتا ہے جتنا سائنس اپنی
اطاعت کرنے پر مجبور کرتا ہے اگر تم کو پسند ہو تو یقین نہ کرو مذہب کچھ سوا اس کے نہیں کریگا
کہ ہمیشہ اپنی تنبیہات بار بار کریگا اور تمہارے یقین نہ کرنے کو وہ موجودات کی میزان میں سبک
پلہ بنا دیگا۔ دیکھو سائنس بھی وعدے کرتا ہے اس کے وعدے نسل سے بہ نسبت افراد کو
زیادہ ہوتے ہیں وہ انسان کی زندگی کے طویل کرنے کے لئے آسان شرائط بتاتا ہے۔
دردوں و بیماریوں کو گھٹاتا ہے۔ آسایش و آرام کو بڑھاتا ہے۔ نیچر پر انسان کی

بند کرلیں جو بیرونی اندرونی آوازوں سے بالکل غیر مشابہ ہے قانون اخلاق کو سائنس کے ماتحت میں لانے کے لئے اور اس یقین کرانے کے لئے کہ وہ سرشت انسانی کے مظہرات میں سے ایک ہی۔ سوا اسکے کچھ نہیں ہے۔ یہ بیان کرنا ضرور پڑیگا کہ وہ جو اہی تعظیم کی پرجوش رائے کو ابھارتا ہے اور اسکے احکام کی نافرمانی سے جو پشیمانی ہوتی ہے اور اسکی اعلیٰ حکومت جو ہم میں آتی ہے صرف دہوکے ہی دہوکے ہیں۔ اس طرح بیان کرنا ہمیشہ ممکن ہے لیکن اسکا عوض یہ ہے کہ موجودات کی میزان میں سبک پلہ ہونا پڑتا ہے۔

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جو ناطق عاقل مخلوق کو اپنی ذات کا اصل الہام کیا ہے اسکے بواسطہ یا بلاواسطہ پانے والی قوت روحانی ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی سے کوئی تازہ الہام کرے تو اسکا علم بھی صرف یہی قوت روحانی ادراک کریگی۔ اگر خدا تعالیٰ بزرگ قانون اخلاق کے سوا احکام اور فرائض کے لئے دیتا ہے اور وہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ تم اس بات کو یقین کرو جو اس قانون اور میری ذات کے یقین اول سے استنباط نہیں کرسکتے تو یہ حکم اس قوت روحانی کے لئے نافذ ہوتا ہے جسکو ہم اصل مذہب کہتے ہیں اگر اس سے اوپر اور بالا کوئی الہامی مذہب ہے تو اسکو یہ قوت روحانی ہی قبول کرسکتی ہے ایسے الہام کا احکام مظہرات کے عالم میں علامتوں یا ثبوتوں سے ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نیچر پر حاکم مطلق ہے اور وہ نیچر کو مجبور کرسکتا ہے کہ اوسکی تعلیم کی شہادت دے کسی موقع پر طبعی کے اندر روحانی بھی پھوٹ کر نکل آتی ہے اور اعلیٰ حکومت جو کل نیچر کے اندر بسی ہوئی ہے اور جو ضرور ان عقلوں کو دکھائی دیتی ہے جنہیں یہ قابلیت ہے کہ وہ چیزوں کو فی نفسہ دیکھہ سکتے ہیں وہ اپنا زور مظہرات کے عالم میں کریگی اور اس طرح سے اپنے تئیں ہم کو دکھائیگی۔ ہمیشہ یہ ہوتا ہے مگر یہ دوسرے درجہ کی بات ہے۔ روحانی سچائی تو صرف روحانی قوت ادراک کرسکتی ہے اور اسکی داد دیتی ہے اگر اس قوت کی رسائی سچے مذہب کے یقین تک نہیں ہوئی تو یہ جانو کہ ہنوز وہ حاصل نہیں ہوئی مذہب الہامی کی شہادت خارجی کا مرتبہ اعلیٰ ہے مگر وہ اعلیٰ سے اعلیٰ نہیں ہوسکتا۔ الہامی مذہب کے لئے ضرور ہے کہ وہ ہماری روحانی سرشت سے ایسی وابستگی پیدا کرے کہ ہمارے فرض اور اطاعت سب اسکے بس میں ہوجائیں اور اگر وہ یہ کام نہیں کرسکتا تو کوئی شہادت اسکو اپنی جگہہ پر قائم نہیں کرسکتی۔

جب مذہب کے یہ اصولی اعتقادات ریقینیات سائنس کے اصل اصول موضوعہ سے مقابلہ کئے

مضمون | صفحہ

سائنس کی بزم و رزم کا صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶	۱۲	برسی پولس	پرسی پولس	۱۱	۲۰	روزر	زور
۱۳	۹	پھرا	پھر	۱۵	۱۸	علاقلانہ	عاقلانہ
۱۷	۸	ہیں	پہیں	۳۱	۲	اپتھر	ایتھر
۳۳	۲۰	نہیں	تھیں	۳۳	۱	کھیرا	گھیرا
۴۵	۴	کادمانہ	کاذبانہ	۵۷	۱۴	جہ	چہ
۵۹	۱۰	ودین	ویدین	۶۲	۱	کوبرعکس	کوپرنیکس
۶۲	۲۴	گرہ	سگرہ	۶۸	۱۲	سے	[illegible]

قدرت کو زیادہ کرتا ہے ہر سائنس اپنے وعدوں کے پورا کرنے کا یقین رکھتا ہے مگر ہم ایسے
وعدوں کے قبول کرنے سے انکار کرسکتے ہیں اور یہ بھی خیال میں آسکتا ہے کہ اُن کا رد کر
بہ نسبت اونکے قبول کرنے کے بہتر ہوگا - مذہب بھی وعدے کرتا ہے - اس کے وعدے
خالص بے عیب یہ ہوتے ہیں - روح کی پاکی و تقدس کے بیچ و عدل و محنت کامل کے مخلوق
ذی حس کے ساتھ نرم دلی کے خدا کی عبادت کی نظر سے جو کچھ ہمارے تسلط میں ہے اسکا
انتظام کرنا - ہم کو اختیار ہے کہ ان وعدوں کو بھی خواہ قبول کریں یا نہ کریں مگر انکار اور
پیروی ان مقاصد کی خدا تعالیٰ کی عدالت میں اور ہماری اپنی کوشش کی کچہری میں ہمارے
مقام کو مشخص و معین کرتی ہے -

خدا نے آدمی کو اپنی صورت پر بنایا یعنے خدا نے انسان کو سمجھ کی ایسی قوت دی ہے
کہ وہ خدا کے کاموں کو سمجھے اور خدا کا اقرار کرے - خدا کے ماننے ہی سے انسان خود
ربانی ہوتا ہے - وہ خدا کی ذات میں اتنا ہی حصہ لیتا ہے جتنا وہ بزرگ قانون اخلاق
کا علم رکھتا ہے اور اُس کو اپنی قوت ارادی کا قانون بناتا ہے بس اسی لئے خدا نے انسان
کی قوت ارادی کو آزاد اور اُس کو عاقل بنایا ہے - انسان کو اختیار ہے جس چیز کو چاہے
پسند کرے - اور اُس کو قوت ہے کہ وہ جانے - ہمارے پسند ہی سے خدا ہاتھ لگتا ہے
اور اُس کے ذات کی ساتھ ہم اسی کے سبب سے متحد ہوتے ہیں - فقط

تمّت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۰	۲۴	چوس	چورس	۸۳	۲۴	اوپی ہین	اوپی نین
۸۴	۵	بنونے	بنولے	۸۴	۸	تجازی	تجاری
۸۴	۱۷	ہوا اس کی ترقی	ہوتا	۸۴	۲۲	مدفل	رفل
۸۵	۲	سائنٹفکٹ	سائنٹفک	۸۶	۱۶	ڈرپر	ڈریپر
۱۱۷	۱۷	انحاد	اتحاد				
۱۱۲	۱۸	یفارمر	ریفارمر	۱۱۸	۲	نپاسے	پائے
۱۲۰	۲۰	اورعقیدہ	+	۱۲۱	۴	واقعت	واقعیت
۱۲۱	۱۳	بے نظیر	بغیر	۱۲۳	۵	بوجھ	جان بوجھ کر
۱۲۴	۱۳	میں	ہیں	۱۲۷	۲۱	وحشی سے	وحشی پنے
۱۳۳	۱۱	کیمیاہی	کیمیاہی کی	۱۳۷	۱۷	نقطہ	لفظ
۱۳۹	۲۲	کریٹ	ایب	۱۴۳	۱۸	و	وہ
۱۴۹	۱۷	اختلاف ہیں	ہیں اختلاف ہی	۱۵۲	۱۴	با	یا
۱۵۶	۹	ہ براہین ثاسی	ہ براہیں	۱۵۸	۱۵	آشیا	اشیا
۱۵۸	۲۲	قسم	جسم	۱۶۲	۳	حسم	جسم
۱۶۹	۶	عنر سناہی	غیر تناہی	۱۶۲	۱۴	کے	کے لئے
۱۷۳	۸	یا	یا اطلاقی	۱۷۵	۱۹	کرکیا	کریں
۱۷۵	۱۶	بنیچر	نیچر	۱۷۶	۲۰	و	جو
۱۷۸	۱۸	متعزیرہ	تعزیر	۱۸۰	۲۱	خوب	جب
۱۸۵	۸	رتبہ	مرتبہ	۱۸۶	۲	کو	بھی
۱۹۷	۱۲	پہاڑاندر	پہاڑ	۲۰۰	۲۰	بہی	بھی
۲۰۵	۴	لوہی	کوہی	۲۰۹	۹	ترعیبات	ترغیبات